اک رسمِ محبت ہے
صائمہ اکرم چوہدری

مجھے کچھ کہنا ہے

کہانیاں پڑھنا اور اُن کے کرداروں کے ساتھ ساتھ جاگتی آنکھوں خواب بُننا، میں نے کب شروع کیا..... میرے ذہن کی آخری سرحدوں پر بھی وہ سال، وہ لمحے محفوظ نہیں۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ میں نے جب اُردو پڑھنا سیکھا تو بہت بچپن میں ہی کہانیوں اور افسانوں سے رشتہ استوار ہو گیا۔ مجھے کہانی بُننا اور انہیں تحریر کرنا کبھی بھی مشکل نہیں لگا۔ اس لئے کہ ایک اچھی کہانی پانی کی طرح اپنا راستہ خود بناتی ہے۔ مطالعے کی وسعت، مشاہدے کی طاقت، سوچنے والا ذہن، حساس دل کے ساتھ اگر مالک کائنات نے قلم و قرطاس کو برتنے کا ہنر بھی دے رکھا ہو تو ایسے لوگ ایک منظر سے پوری کہانی تخلیق کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تخلیق کی صلاحیت اللہ کچھ خاص لوگوں کے سپرد کرتا ہے۔ اور الحمدللہ میرا شمار بھی ان چند لوگوں میں ہوتا ہے جن کے لکھے ہوئے الفاظ کو ''زیادہ'' نہ سہی ''کچھ'' لوگ سراہتے ضرور ہیں۔ میں نے زندگی میں ایک کام بے دریغ اور کثرت سے کیا ہے، وہ ہے ''مطالعہ'' اور ''سفر''۔ میری بے چین طبیعت مجھے ہمیشہ کچھ کرنے یا لکھنے پر اُکساتی ہے۔ صادق آباد کی مصروف زندگی، کراچی کی ہلچل، اسلام آباد کی پُرسکون خاموشی، ایبٹ آباد کی خوبصورتی اور کھاریاں کینٹ کی تنہائیوں نے بھی میرا قلم کے ساتھ رشتہ استوار رکھا۔

''اک رسمِ محبت ہے'' میری کچھ پسندیدہ کہانیوں کا ایسا مجموعہ ہے جن کو میں کتابی صورت میں ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنا چاہتی تھی۔ اپنے بہت سے ناولٹ میں نے کھاریاں پوسٹنگ کے دوران لکھے۔ جہاں ایف جی کالج کھاریاں کینٹ کے ہوسٹل کی خاموشی اور اُداسی نے میرا کتاب اور قلم کے ساتھ رشتہ مزید جوڑ دیا۔ وہاں میں نے ابرِ نیساں کا لباس اوڑھے گلابی اور کاسنی موسموں کے سارے زاویے بھی خزاں میں لپٹے دیکھے۔ ایسا لگا کہ زندگی سوکھے ہوئے پتوں کا بے رونق جزیرہ ہے۔ پھر وقت نے انگڑائی لی اور میرے ساتھ ساتھ موسمِ گُل بھی حیران رہ گیا کہ اس کے دامن میں اتنے گلاب تھے۔ کھاریاں کینٹ میں گزارے آٹھ مہینوں نے میرے اوپر زندگی کے اور کئی در وا کیے۔

اس کتاب میں شامل شدہ تحریریں میری زندگی کے مختلف ادوار کی مختلف ''یادیں'' ہیں۔ ہر کہانی کا ایک پس منظر ہے۔ یہ ہمارے ہی معاشرے کی کہانیاں ہیں۔ اس کے کردار ہمارے

ساتھ ہی اسی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ ان کے کردار ماورائی یا تصوراتی نہیں ہیں۔ یہ زندگی کی راہوں پر قدم قدم ہم سے ٹکراتے ہیں۔ ان میں سے کچھ کردار ایسے ہیں جن سے ہم نفرت کرتے ہیں اور ان جیسا بننے سے کتراتے ہیں۔ ان میں کچھ کردار ایسے بھی ہیں جو خلوص اور محبت کی مٹی سے گُندھے ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں جینے کا قرینہ سکھاتے ہیں۔ جن سے مل کر زندگی سے محبت ہونے لگتی ہے۔ الحمدللہ میری زندگی میں ایسے بے شمار لوگ ہیں۔

جس طرح زندگی کے کینوس پر ہمیں ہر رنگ ملتا ہے، اسی طرح آپ کو میری کہانیوں میں اس سماج کے مختلف رنگ ملیں گے۔ اس میں محبت کی رعنائیاں بھی ہوں گی اور نفرتوں کی خزاں بھی۔ زندگی اور سچائی سے بھرپور قہقہے بھی ہوں گے اور تلخ حقیقتوں کی سسکیاں بھی۔ وصل کی دلکش صبح بھی اور جدائیوں کی شام بھی۔ منزلوں کے سراغ کی لگن بھی اور خواہشوں کی مقتل گاہ بھی۔ ہر وہ رنگ جس کو آپ کی نظر پا سکے۔ میرا دعویٰ ہے کہ دیدۂ بینا ہو تو کوئی چیز پنہاں نہیں رہ سکتی۔

مجھے اس کتاب کے توسط سے عابدہ نجو، فریحہ خان، صبا احتشام، فرزانہ جاوید، شازیہ حسن، سعدیہ یاسر، کرن اور انتہائی محترم فاطمہ زاہد" کا شکریہ ادا کرنا ہے جو میری کہانیوں کی مداح بھی ہیں اور سب سے بڑی نقاد بھی۔ مجھے اپنے شریک حیات ڈاکٹر شبیر صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ہے جن کی میڈیکل کی بے پناہ مصروفیات مجھے قلم اور کاغذ کے ساتھ جوڑے رکھتی ہے۔
میں اپنی پیاری رائٹرز دوستوں آمنہ ریاض، تنزیلہ ریاض اور فرحانہ ناز ملک کی بھی مشکور ہوں جو مجھے اکثر لکھنے پر اُکساتی ہیں۔ مجھے خصوصاً تنزیلہ ریاض کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کے منفرد طرزِ تحریر کی میں سب سے بڑی "فین" ہوں۔ ان کے اپنے لیے لکھے گئے چند الفاظ میرے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔ مجھے اپنے کالج کی شعبہ اردو کی ہیڈ آف دی ڈیپارٹمنٹ میڈم شہزادی اور میڈم ڈاکٹر صفیہ عباد سے انتہائی احترام سے اس کتاب کے توسط سے کہنا ہے کہ "میڈم! مجھے ابھی آپ سے بہت کچھ سیکھنا ہے۔" سب سے آخر میں ادارہ القریش پبلی کیشنز کے بھائی محمد علی قریشی کی تعریف نہ کرنا سخت زیادتی ہوگی، جن کا خلوص بہت سی لکھاری بہنوں کو ان کے ادارے کے ساتھ جڑا رہنے پر مجبور کرتا ہے اور بہت کم پبلشرز اپنی رائٹرز کو اتنی اہمیت دیتے ہیں، جتنا یہ ادارہ دیتا ہے۔ میری پہلی کتاب "بند مٹھی میں سلگتی ریت" بھی اسی ادارے کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ اپنی اس کتاب کے بارے میں آپ کی آراء کی منتظر رہوں گی۔

صائمہ اکرم چوہدری

بساط دل

میرے گمان کی آخری سرحدوں پر بھی کہیں نہیں تھا کہ دسمبر کی اس ٹھٹھرتی رات کو سرد ہواؤں اور بارش سے بچنے کیلئے جب میں اپنی برانچ کے مین آفس کے جی ایم دانش وقار کے خوبصورت بنگلے "محبت کدہ" میں داخل ہوں گا تو زندگی مجھے اس طرح سے حیران کر دے گی۔

ایک فارن ڈیلی گیشن سے میٹنگ کے بعد جب ہم میریٹ ہوٹل سے باہر نکلے تو دسمبر کی سرد ہواؤں نے ہمارا استقبال کیا۔ ہوٹل کے گرم ماحول سے نکلنے اور گاڑی میں بیٹھنے تک کے مختصر عرصے میں ٹھٹھرتی ہواؤں اور ہلکی بارش نے ہمارا خاصا برا حال کر دیا تھا۔ پھر بارش کی تیزی میں بھی ایک دم اضافہ ہوا تھا۔ دانش صاحب جو میری درخواست پر مجھے چکلالہ ایئرپورٹ ہاؤسنگ سوسائٹی تک ڈراپ کرنے جا رہے تھے۔ انہوں نے اچانک گاڑی اپنے گھر کے راستوں کی طرف موڑ دی۔ وائٹ گیٹ سے پورچ تک کی روش کو عبور کرتے ہوئے کوئی احساس میرے اندر نہیں جاگا' لیکن دانش صاحب کی دھیمی مسکراہٹ اور نرم لہجے میں آج رات اپنے گھر رُکنے کی درخواست کو میں ہرگز نہیں ٹال سکا۔ موسم کی سنگینی کا مجھے بخوبی احساس ہو گیا تھا۔

اسلام آباد کے چار روزہ قیام کے دوران اپنی فرم کے مین آفس برانچ کے جی ایم دانش وقار کی یہ آفر مجھے ہکا بکا کر دینے کیلئے کافی تھی' کیونکہ وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں انتہائی کم گو' ریزرو اور انتہائی محدود حلقہ احباب کے حامل شہرت کے مالک تھے۔ ان کا دوٹوک انداز اور شخصیت کا وقار مدمقابل کو اپنی حدوں میں رہ دینے پر مجبور کر دیتا تھا۔ حالانکہ اسی فرم کی کراچی والی برانچ میں ایک پورا ڈیپارٹمنٹ میرے انڈر تھا۔ میں اسلام آباد کے چار روزہ قیام میں اپنا بیشتر وقت ان کے ساتھ گزارنے کے باوجود ان سے بے تکلف ہونے کی جرأت نہیں کر سکا۔ حالانکہ میری شخصیت کی نمایاں خوبی میری خوش اخلاقی اور بہترین انداز گفتگو تھی اور اس بات کا

اعتراف تو میرے ایم ڈی بھی کرتے تھے۔

وائٹ اور بلیک ٹائلوں کے فرش پر چلنے اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر بیٹھنے تک کے عرصے میں مجھے گھر کے مکینوں کی نفاست اور ذوق کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا۔ وائٹ اور گرے کلر سکیم کے ساتھ ڈیکوریٹ ڈرائنگ روم مجھے نہ جانے کیوں چونکا گیا۔ ایک مانوس سا جملہ میری یادداشتوں کی سماعت سے ابھرا۔

''تم کبھی میرا گھر دیکھنا' ڈرائنگ روم وائٹ اور گرے' بیڈ روم پنک اور گیسٹ روم گرین کلر سکیم میں ہوگا۔'' اور میں نے شرارت بھرے لہجے میں اسے چڑایا۔

''کیوں کسی سمگلر سے شادی کا ارادہ ہے' کیونکہ تمہارا من پسند گھر تو وہی بنوا کر دے سکتا ہے' جتنے اونچے تمہارے ارادے ہیں۔''

''جی نہیں' میں اللہ سے دعا کروں گی کہ وہ ایک غریب بندے کی لاٹری نکال دے۔ کیونکہ وہ گھر تو اسی نے بنانا ہے۔'' اس کا معنی خیز لہجہ میرے اندر تک طمانیت کا احساس جگا گیا تھا۔ وہ بہت غلط ٹائم پر مجھے یاد آئی تھی۔ اک میٹھا سا درد اچانک نمودار ہوا تھا۔ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر میں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔ اسی لمحے دانش صاحب کسی ملازم کے ساتھ اندر داخل ہوئے تو میں فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا اور شاید اس بات کو انہوں نے بھی محسوس کیا تھا' تبھی ہلکے پھلکے انداز میں گویا ہوئے۔

''جنٹل مین' آپ آفس میں نہیں ہیں' اس لئے ایزی ہو کر بیٹھیں۔'' اور پھر ملازم کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ ''رشید! آپ صاحب سے پوچھ کر چائے بنائیں' میں ذرا ایزی ہو کر آتا ہوں۔'' ان کے کمرے سے نکلتے ہی میں اپنی سابقہ پوزیشن میں بیٹھ گیا۔

ڈرائنگ روم کی سیٹنگ میں کارپٹ اور پردوں سے لے کر چھوٹے سے چھوٹے ڈیکوریشن پیس میں بھی نفاست کا رنگ جھلک رہا تھا اور دیوار پر لگی واحد پینٹنگ میں نیلگوں سمندر اور بیک گراؤنڈ میں اڑتے سفید بادل بہت خوشگوار تاثر چھوڑ رہے تھے۔ اسی وقت جب میں ہر چیز کا جائزہ لینے میں مگن تھا' مجھے کسی کی نظروں کا حصار محسوس ہوا۔ ڈرائنگ روم کے ساتھ بنے ڈائننگ اور ان دونوں کو علیحدہ کرنے کیلئے لگائے گئے نفیس اور مہین سے پردے کے پیچھے' چھپی سرخ و سفید رنگت والی ساڑھے تین سالہ بچی بڑی پر شوق' مگر جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ میرا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ مجھے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ اب کھل کر مسکرائی۔

''مے آئی کم ان سر......!''

''یس!'' میں نے بڑی خوش دلی سے جواب دیا تو وہ ذرا پُراعتماد طریقے سے اندر داخل ہوئی۔ پنک نائٹ گاؤن میں پنک ہی سلیپر پہنے' بالوں کی پونی بنائے اپنی براؤن آنکھوں کی ٹپٹپاتی' نازک سی ناک اور گلابی لبوں والی گڑیا بالکل ایک باربی ڈول لگ رہی تھی۔

''آپ پپا کے فرینڈ ہیں؟'' میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے اب وہ مکمل کونفیڈنٹ تھی اور مسکراتے ہوئے اس کے گالوں پر پڑنے والے ڈمپل اس کی معصومیت میں اضافہ کر رہے تھے۔

''جی ہاں' میں آپ کے پپا کا ہی نہیں بلکہ آپ کا بھی دوست ہوں۔'' میرے پرجوش انداز پر وہ سنجیدگی سے بولی۔

''نو' میری مام کہتی ہیں کہ گرلز کی صرف گرلز ہی فرینڈز ہوتی ہیں اور آپ تو بوائے ہیں نا' اس لئے میں آپ سے فرینڈشپ نہیں کر سکتی۔'' اس کے بات کرنے کے انداز' سٹائل اور خصوصاً مجھے سمجھانے کیلئے انگلی اٹھا کر سنجیدگی سے تنبیہی انداز نے مجھے ایک خوشگوار حیرت میں مبتلا کر دیا۔ میری سارے دن کی تھکن ایک منٹ میں ختم ہوگئی۔

''اٹس او کے! آپ میری فرینڈ مت بنیں' میں بن جاتا ہوں۔'' میں نے درمیانی راستہ اختیار کیا۔ وہ میرے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے کچھ سوچ کر بولی۔

''اٹس اگین۔ او کے...... لیکن آپ دوبارہ مجھے ایسا مت کہیے گا' البتہ میں آپ کو پپا کے آنے تک کمپنی دے سکتی ہوں۔'' اس کے سٹائل پر مجھے ایک دم ہنسی آ گئی اور یہ یقیناً اسے بری لگی تھی۔ ''انکل آپ میرے ساتھ جوک (مذاق) کر رہے ہیں؟'' اس کی شفاف آنکھوں میں غصے کی لہر تھی۔

''اوہ نو' مائی ڈیئر آپ تو ماشاء اللہ بہت کیوٹ اور جینیئس ہیں۔ کیا نام ہے آپ کا؟'' میرے تعریفی جملوں نے اس کا موڈ شاید بہتر کر دیا تھا' تبھی مسکراتے ہوئے بولی۔

''مسکان دانش!''

''اوہ' گڈ نیم...... اور کس کلاس میں ہیں؟''

''پلے گروپ!''

''اور سکول؟''

''بیکن ہاؤس!'' وہ سنجیدگی سے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔

''مسکان آپ کے گھر میں کون کون رہتا ہے؟'' میں نے چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے یونہی پوچھا۔ وہ بڑوں کے سٹائل میں بولی تو میرے لئے اپنی مسکراہٹ کو چھپانا دشوار ہوگیا۔

''ویسے تو میری مام منع کرتی ہیں کہ اجنبی لوگوں کو گھر کے سیکرٹ نہیں بتاتے' لیکن چونکہ آپ پپا کے فرینڈ ہیں اس لئے بتا دیتی ہوں کہ ہمارے گھر میں مام' پپا' اسید' میں اور میری لٹل سسٹر مومنہ دانش رہتے ہیں اور ہماری ''کیٹ'' بھی......'' اور پھر کچھ چپ رہ کر بولی۔ ''اور پتا ہے ہمارے گھر میں بڑی کلرفل ''اسپیرو'' (چڑیا) بھی ہیں۔''

''اچھا؟'' میں نے حیرانی کا اظہار کیا۔

''انکل آپ پیزا بھی لیں ناں' میری مام بہت ٹیسٹی بناتی ہیں۔'' اسے مہمان نوازی کا خیال آیا تو فوراً سنجیدگی سے بولی۔ میں نے فوراً اسے آفر کی۔

''آپ بھی لو ناں......'' وہ فکرمندی سے لبریز لہجے میں گویا ہوئی۔

''نو' میں برش کر چکی ہوں' مام کہتی ہیں اچھے بچے رات کو برش کرنے کے بعد کچھ نہیں کھاتے۔''

''آپ کی مام بالکل ٹھیک کہتی ہیں۔'' میری تصحیح پر وہ بے ساختہ مسکرائی۔

''لیکن اسید بہت شرارتی ہے' وہ مام کے کہنے کے باوجود کبھی کبھی چھپ کر رات کو چاکلیٹ کھا لیتا ہے اور پھر مام اسے رات کو سوتے ہوئے کوئی سٹوری بھی نہیں سناتیں۔ حالانکہ مام اسے اکثر کہتی ہیں کہ مسکان آپ سے چھوٹی ہے' لیکن میری ہر بات مانتی ہے' لیکن وہ پتا نہیں کیوں ایسے کرتا ہے جبکہ میں اسے کہتی ہوں کہ مام تو نہیں لیکن اللہ میاں تو دیکھ رہا ہے ناں اور انکل اچھے بچے جھوٹ تو نہیں بولتے ناں؟'' اس کے سوالیہ انداز پر میں نے بے ساختہ اسے پیار کیا تو وہ بری طرح جھینپ گئی۔

''ارے یہ یہاں ہے اور ان کی مام نے پورا گھر چھان مارا ہے۔ بری بات مسکان بیٹے آپ انکل کو تنگ کر رہے ہو؟'' ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں دانش صاحب ابھی ابھی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تھے۔ بالکل گھریلو حلیے میں بھی ان کی شاندار پرسنالٹی تھی۔ ان کے اس فقرے پر مسکان نے ٹھیک ٹھاک احتجاج کیا۔ تبھی وہ انتہائی خراب موڈ میں بولی۔

''لیکن پپا میں تو انکل کو تنگ نہیں کر رہی تھی بلکہ کمپنی دے رہی تھی۔''

''اوہ سوری مائی لٹل ڈول (گڑیا)'' دانش صاحب گھٹنوں کے بل بیٹھ کر انتہائی محبت سے لبریز لہجے میں اپنی بیٹی سے مخاطب تھے۔

''آپ انکل سے پوچھ سکتے ہیں۔'' اس کا غصہ ابھی بھی کم نہیں ہوا تھا۔

''نو' نو مجھے اپنی بیٹی پر اعتماد ہے۔'' انہوں نے اس کے ماتھے پر پیار کیا۔

''تھینک یو پپا۔'' اس کا موڈ ایک منٹ میں بحال ہوگیا' جبکہ میں بڑی خوشگوار حیرت سے باپ بیٹی کے لاڈ کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اب باپ کی گود میں گھس کر بیٹھ چکی تھی۔

''صدیقی صاحب یہ میری بہت کیوٹ اور بہت زیادہ لاڈلی بیٹی مسکان ہے۔'' دانش صاحب کے تعارف کروانے پر وہ کھل کر مسکرائی۔

''پپا' مام کہہ رہی ہیں کہ مسکان کو فوراً بیڈروم میں بھیجیں' رات کے گیارہ بج رہے ہیں۔ مام کا موڈ سخت آف ہو رہا ہے۔'' پانچ سال کا شرارتی سا بچہ اندر داخل ہوا' اس کے نین نقش مسکان سے خاصے ملتے جلتے تھے۔

''اسید آپ نے انکل کو سلام نہیں کیا۔'' دانش صاحب کے ٹوکنے پر وہ خجل ہوا اور اگلے ہی لمحے وہ میرے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے تعارف کروا رہا تھا۔

''آئی ایم اسید......'' وہ بھی مسکان کی طرح سرخ و سپید' لیکن جسامت میں خاصا سمارٹ تھا۔ بلیک شرٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔

''انکل! اسید بھی بیکن ہاؤس میں کلاس ون کا سٹوڈنٹ ہے۔'' مسکان نے مزید تعارف کروایا تو دانش صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ آفس سے مختلف حلیے اور بڑے مہربان اور شفیق سی شخصیت کے حامل نظر آ رہے تھے۔

''صدیقی صاحب! یہ گھر میری جنت ہے چھوٹی سی۔'' دانش صاحب کے منہ سے نکلنے والا یہ جملہ میرے لئے غیر متوقع تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی کوئی فیلنگز میرے ساتھ شیئر کریں گے۔

''سر اللہ تعالیٰ آپ کی اس جنت کو ہمیشہ سلامت رکھے۔ آپ کی شخصیت بہت حیران کن ہے۔'' میں زیادہ دیر تک اپنی حیرت نہیں چھپا سکا۔ وہ آنکھوں میں تحیر سمیٹے میری طرف متوجہ تھے' تبھی میں نے وضاحت کی۔ اصل میں سر آپ اپنے پروفیشنل معاملات میں جس طرح دوٹوک اور حتمی انداز لئے ہوتے ہیں میرا خیال تھا کہ اپنی ذاتی زندگی میں بھی ایسے ہی

ہوں گے۔ حالانکہ آپ عمر میں مجھ سے چار پانچ سال ہی بڑے ہوں گے' لیکن آپ اپنے ہم عمر لوگوں کو بھی ایک حد میں رہ کر مخاطب کرتے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ کوئی پچاس ساٹھ سال کا میچور سا بندہ ہم سے محو گفتگو ہے۔'' میرے کمنٹس پر وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسے تو ایک لمحے کو تو میں بھی جھینپ سا گیا۔

''اوہ نو ڈیئر! اصل میں میری عادت ہی ایسی ہے کہ میں جلدی کسی سے گھل مل نہیں سکتا اور پروفیشنل لائف کی دوستیوں کا میں قائل نہیں' جو صرف مفادات پر مبنی ہوتی ہیں۔ میرا حلقہ احباب بہت محدود لوگوں پر مشتمل ہے اور ان کے درمیان میں خوب بولتا ہوں' انجوائے کرتا ہوں' میں اپنی پروفیشنل اور پرسنل لائف کو بالکل علیحدہ علیحدہ رکھتا ہوں اور الحمدللہ مجھے کبھی کوئی مسئلہ بھی نہیں ہوا۔''

''امیزنگ!'' میں واقعی دل کھول کر حیران ہوا۔

''اور پتا ہے اس گھر ''محبت کدہ'' کے کچھ اصول اور قاعدے ہیں' جو اس گھر میں داخل ہوتے ہی ہم سب فیملی ممبرز پر لاگو ہو جاتے ہیں۔''

''مثلاً؟'' مجھے تعجب ہوا۔

''مثلاً یہ کہ گھر میں داخل ہوتے ہی میں اپنا موبائل آف کر دیتا ہوں۔ کوئی بہت ایمرجنسی ہو تو میرے آفس والے گھر کے پی ٹی سی ایل نمبر پر کال کر سکتے ہیں۔ وہ بھی بہت اہم کام کے سلسلے میں اور پھر گھر میں داخل ہوتے ہی میرا سارا وقت اپنی مسز اور بچوں کیلئے ہوتا ہے۔ ہم دونوں میاں بیوی بچوں کا ہوم ورک خود کرواتے ہیں' ان کے پرابلمز سنتے ہیں' ان کے ساتھ کھیلتے ہیں اور پھر پورے دو گھنٹے ہم دونوں میاں بیوی کے ہوتے ہیں' جن میں کبھی ہم لانگ ڈرائیو پر نکل جاتے ہیں یا کبھی کوئی مووی دیکھ لیتے ہیں یا کوئی ڈسکشن کر لیتے ہیں اور اس دوران ہمارے بچے بھی ہمیں ڈسٹرب نہیں کرتے۔'' میں سخت حیرانی سے ان کی طرف متوجہ تھا' جو بڑے ہلکے پھلکے انداز میں مجھ سے مخاطب تھے۔

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ پچھلے سات سالوں کی میری ازدواجی زندگی میں ایسے لمحات نہیں' جن کو سوچتے وقت میرے دل کے کسی خانے سے کوئی کسک یا تلخ لہر نمودار ہوتی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہر چیز دی ہے۔ بہت سمجھ دار مسز ہیں' تین پیارے پیارے بچے ہیں...... اور ہر چیز ہے۔'' دانش صاحب کا آسودہ لہجہ اور طمانیت سے بھرپور چہرہ ان کے ایک ایک لفظ کی

تصدیق کر رہا تھا۔ وہ اب بہت محبت سے اپنے بچوں کی طرف متوجہ تھے۔

''بیٹا! اب آپ دونوں خاموشی سے اپنے بیڈروم میں لیٹ جائیں' مومنہ کو ٹمپریچر ہے ناں اس لئے ماما کچھ اپ سیٹ ہیں۔ شاباش......''

''لیکن پپا وہ سنڈریلا والی سٹوری......'' مسکان نے افسردگی سے یاد دلایا۔

''وہ آج آپ کو پپا سنائیں گے' لیکن بیٹا آج چھٹی نہیں ہو سکتی؟'' دانش صاحب نے کان کھجاتے ہوئے کچھ محتاط انداز میں پوچھا۔

''اٹس او کے پپا......'' اسید پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوا اور پھر بہن کی طرف متوجہ ہوا۔ ''سنڈریلا والی سٹوری مجھے آتی ہے' وہ میں آپ کو سنا دوں گا۔ آپ دیکھ نہیں رہیں پپا نے اپنے فرینڈ کو بھی ٹائم دینا ہے۔'' اسید کے انداز بیان پر میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ مسکان نے بے اختیار اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

''سوری! میں بھول گئی تھی۔'' پھر اگلے لمحے وہ فوراً کھڑی ہوئی اور دانش صاحب کے گلے لگ کر پرجوش انداز میں بولی ''گڈ نائٹ پپا......!''

''گڈ نائٹ جانو!'' دانش صاحب کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''گڈ نائٹ انکل......'' وہ جاتے جاتے پلٹی اور مجھ سے مخاطب ہوئی تو میں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

''جی صدیقی صاحب بتائیں اگر بھوک لگی ہو تو میں کھانا لگوا دیتا ہوں۔'' وہ اب میری طرف متوجہ ہوئے۔

''نو سر' ڈنر آپ کے ساتھ ہی تو کیا تھا۔'' میرے یاد دلانے پر وہ دھیرے سے ہنسے۔

''نہیں یار ڈنر اگر باہر ہو تو میں بس کارروائی ہی ڈالتا ہوں۔ اصل میں کھانا ہمیشہ میں رات کو اپنی مسز کے ساتھ ہی کھاتا ہوں۔ شروع سے ہی روٹین ہے' بچے جلد کھا لیتے ہیں اور میں اس لئے چینج کر کے لیٹ آیا ہوں کہ اندر کھانا کھا کے آیا ہوں۔ اس معاملے میں میری مسز بالکل کمپرومائز نہیں کرتی۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ مجھے بھی وہ بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتی ہے۔'' ان کی آخری بات پر میں بے ساختہ ہنس پڑا۔

''سر! آپ سے ایک بات پوچھوں' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو......'' میرے جھجکنے پر وہ فوراً بولے۔

"بالکل کیجئے ہم گھر آئے مہمانوں کی باتوں کو مائنڈ نہیں کرتے۔" ان کے دوستانہ انداز پر میں نے کچھ سنبھل کر پوچھا۔

"سر آپ کی لو میرج ہے؟"

"بہت خوب!" دانش صاحب کے قہقہے پر میں ایک دم سنبھل کر بیٹھ گیا۔ ان کی بے تکلفی نے مجھے دنگ کر دیا تھا اور پھر وہ بڑے ہموار لہجے میں گویا ہوئے۔

"صدیقی صاحب! اس میں آپ کا قصور نہیں ہے' بہت سارے لوگ مجھ سے یہی بات کرتے ہیں۔ میں قدرے خشک مزاج اور لئے دیئے انداز رکھنے والا بندہ ہوں' لیکن اس شادی میں میری اور میرے والدین کی بھی پسند شامل ہے۔ میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا۔ میری مدر کا انتقال دو سال قبل ہی ہوا ہے جبکہ فادر کے انتقال کو پانچ سال ہو گئے ہیں' لیکن میری مسز میرے والدین کی انتہائی لاڈلی بہو تھیں اور ویسے بھی......" وہ ذرا سنبھل کر بولے "بات ساری انڈرسٹینڈنگ کی ہوتی ہے۔ اگر وہ نہ ہو تو لو میرج بھی ناکام ہو جاتی ہے اور ارینج بھی اور اس سے بھی بڑھ کر بات کہ یہ قسمتوں کے سودے ہیں۔" وہ اپنی بات کے اختتام پر دھیمے سے انداز میں مسکرائے اور پھر مجھ سے استفسار کیا "اور آپ کے کتنے بچے ہیں صدیقی صاحب؟" میں نے تعجب سے انہیں دیکھا جو مسلسل مجھے حیران کر رہے تھے۔

"ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے سر!" میں نے سادگی سے بتایا۔

"بچے بھی اللہ تعالیٰ کا ایک خوبصورت تحفہ ہوتے ہیں۔" انہوں نے ایک گہری سانس بھر کے بڑے مطمئن انداز میں کہا تو میں نے بھی تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ ایک دم ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔ کوئی تیزی سے اندر داخل ہوا۔ میں نے چونک کر اندر آنے والی شخصیت کو دیکھا۔ مجھے ایک دم شاک لگا۔ وہ بھی بری طرح ٹھٹکی تھی۔ اس کے چہرے پر بے یقینی اور حیرانی نمایاں تھی۔ میں جو ریلیکس انداز میں صوفے پر براجمان تھا' ایک دم تناؤ کی سی کیفیت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میرا دماغ جھنجھنا اٹھا تھا اور شدید تحیر کے عالم میں' میں نے اسے دیکھا۔

وہ بلاشبہ شائل ہی تھی۔ پانچ فٹ تین انچ قد' انتہائی متناسب سراپا' دلکش نقوش البتہ بال جو شانوں تک اسٹیپ کٹنگ میں تھے اب طوالت میں کمر کو چھو رہے تھے۔ گزشتہ سات سالوں نے اس میں کوئی فرق نہیں ڈالا تھا۔ وہ ایک دم سنبھلی...... اور دانش صاحب کی طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی پریشان سی آواز میری سماعتوں سے ٹکرائی۔

"دانش! مومنہ کا ٹمپریچر بڑھتا جا رہا ہے۔ میری ڈاکٹر رشید سے بات ہوئی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ بھابی مناسب ہوگا کہ آپ بچی کو کلینک پر لے آئیں۔" اس نے مکمل طور پر مجھے اگنور کرتے ہوئے کہا۔

"اوہ ڈونٹ وری' میں دیکھتا ہوں اسے اور رشید سے خود بات کرتا ہوں۔" دانش صاحب نے دھیمے لہجے میں تسلی دی اور پھر میری طرف متوجہ ہوئے۔

"سوری صدیقی صاحب! آپ کو میں روم دکھا دیتا ہوں' آپ آرام کریں ہم ذرا مومنہ کو دکھا کر آتے ہیں۔" ان کا لہجہ ان کی پریشانی کا غماز تھا۔

"حوصلہ کریں دانش صاحب! آپ پریشان مت ہوں انشاء اللہ اللہ بہتر کرے گا۔" میں نے عادت کے مطابق تسلی دی۔ وہ جاتے جاتے پلٹے۔

"اوہ سوری! میں تعارف نہیں کروا پایا۔ شائل یہ ہماری فرم کے کراچی میں انچارج ہیں۔ بہت ایکٹو اور محنتی بندے ہیں اور صدیقی صاحب یہ میری اکلوتی مسز ہیں اور اس گھر کو "محبت کدہ" بنانے میں سیونٹی پرسنٹ ان کا کمال ہے۔ انشاء اللہ صبح ناشتے پر آپ سے مزید تعارف کروائیں گے۔" میں بمشکل مسکرایا۔ وہ اب بہت مطمئن اور پرسکون انداز میں کھڑی تھی۔

"جی ضرور......" میرا دل جانتا تھا میں نے یہ الفاظ کیسے ادا کئے' نہ جانے اندر کیسی اتھل پتھل ہو رہی تھی اور پھر دانش صاحب کی رہنمائی میں گیسٹ روم میں داخل ہوتے ہوئے مجھے یقین تھا کہ اس کمرے کی کلر سکیم گرین کلر کی ہوگی اور واقعی ایسا تھا۔ میرا وجود ابھی بھی شاک کی کیفیت میں تھا۔ میں کافی دیر تک کمرے میں گھوم پھر کر دیکھتا رہا۔ ایک دم کمرے میں گھٹن کا احساس بھر گیا۔ میں نے فوراً اٹھ کر پردے کھڑکیوں سے ہٹائے اور نہ جانے کیا سوچ کر ٹیرس پر چلا آیا۔ فضا میں خنکی کا عنصر بڑھ چکا تھا' لیکن سرد ہواؤں نے میرے وجود پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ اچانک میری نظر پورچ کی طرف جاتے دانش صاحب اور شائل پر پڑی۔ دانش صاحب نے ایک بازو میں ننھے سے وجود کو کمبل میں لپیٹا ہوا تھا اور دوسرے بازو سے شائل کے وجود کو گھیرے میں لئے وہ بڑے مطمئن انداز میں گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں فوراً کمرے کی طرف پلٹ آیا۔

❖❖❖

ایک احساس زیاں تھا جو آہستہ آہستہ میرے وجود کا احاطہ کر رہا تھا۔ ایک نارسائی کی

آگ تھی' جو مجھے اندر تک جلا رہی تھی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مانوس خوشبو کا بھید کھل گیا تھا۔

میری اور شمائل کی دوستی کا آغاز کب ہوا یہ میں نہیں جانتا۔ شاید اس وقت جب ہم ناظم آباد میں شفٹ ہوئے۔ وہ مجھ سے تین سال جونیئر تھی۔ صرف دو بہنیں ہونے کی وجہ سے اس کا دل ہمارے گھر کے شور شرابے میں بہت لگتا تھا' تبھی وہ اپنے گھر میں کم اور پڑوس میں ہمارے گھر میں زیادہ پائی جاتی اور میں جو شوخ مزاج اور کچھ دل پھینک قسم کی طبیعت کا حامل تھا' مجھے گندمی رنگت' دہکتے ہوئے گال' ستواں ناک اور جھالر جیسی پلکیں رکھنے والی دبلی پتلی سی یہ لڑکی پہلی ہی نظر میں اچھی لگی۔ حالانکہ اس وقت وہ چودہ سال کی اور میں سترہ سال کا تھا۔ پانچ بھائی اور دو بہنوں کے درمیان میں آنے کی وجہ سے گھر میں میری اہمیت ثانوی سی تھی۔ ایسے میں شمائل کا ہر کام کیلئے بھاگ کر میرے پاس آنا میری طمانیت کا باعث بنتا تھا۔

اس دن وہ اپنے گھر میں کسی کام میں مصروف تھی۔ سبزیوں کا ڈھیر سامنے رکھے وہ اور مناہل آپی خاصی الجھی ہوئی تھیں۔ میری طرف دیکھتے ہی مناہل آپی شرارتاً بولیں۔ ''شیطان کا نام لو اور شیطان حاضر!'' مناہل آپی کی بلند آواز پر میں نے بے اختیار اپنا سر کھجایا جبکہ وہ صرف مسکراتی رہی۔

''لوگ اکیلے ہی اکیلے بیٹھے مسکرا رہے ہیں' خیر ہے ناں؟'' شمائل نے ایک گہرا سانس لے کر کندھے جھٹکے۔

''کیوں کوئی جواب نہیں آ رہا۔'' میں نے پھر اسے چھیڑا۔

''دنیا میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے عادل صدیقی جو تمہیں چپ کروا سکے۔'' مناہل آپی نے دانت کچکچا کر کہا۔

''الحمدللہ کوئی ایسا نہیں۔'' میرا اطمینان قابل دید تھا۔

''تم واقعی ڈھیٹ ہو۔''

''قسم سے آپی آپ کے گھر میں آ کر معلوم ہوتا ہے کہ سکون اور خاموشی کس بلا کا نام ہے' ورنہ ہمارے ہاں تو چڑیا گھر کا سا سماں ہے۔ جواد بھائی کے تین بچے' فواد بھائی کے دو بچے' پھر شعیب بھائی' اس کے بعد زنیرا باجی' پھر سمیرا آپی' پھر میں اور اس کے بعد ہارون۔''

''اور دادو کو کیوں بھول گئے؟'' مناہل آپی نے یاد دلایا۔

''ہاں...... یار وہ تو ذہن سے نکل گئیں۔ حالانکہ وہ جتنی توپ چیز ہیں نکلنی تو نہیں

چاہئیں۔''

''شرم کرو' تمہاری بزرگ ہیں' خیر سے میٹرک کے سٹوڈنٹ ہو مگر بات کرنے کی تمیز نہیں۔'' مناہل آپی نے مجھے گھورا۔

''سوری آپی!'' میں نے بڑی تابعداری کے ساتھ کہا۔

مجھے نہ جانے کیوں اس کے گھر جانا ہمیشہ سے اچھا لگتا تھا۔ وہ صرف دو بہنیں تھیں' انکل اور آنٹی تھے۔ ان کے چھوٹے سے صاف ستھرے گھر میں خاموشی اور سکون کی سی کیفیت رہتی۔ مناہل آپی میری سمیرا آپی کے ساتھ یونیورسٹی میں بی اے آنرز کی سٹوڈنٹ تھیں۔ جبکہ ہمارے اپنے گھر میں جواد بھائی اور فواد بھائی تو شادی شدہ تھے اور اپنی اپنی جابز میں مگن۔ زنیرا باجی ماسٹرز کرنے کے بعد کسی اچھے رشتے کی منتظر' شعیب بھائی ایم بی اے اور میں میٹرک اور ہارون آٹھویں کلاس میں تھا۔ بھتیجے اور بھتیجیوں کی وجہ سے ہمارے گھر میں خوب شور اور ہنگامہ رہتا اور اوپر سے دادو اور امی خاصی سوشل واقع ہوئی تھیں' جس کی وجہ سے ہمارا گھر ایک چوراہے کا منظر پیش کرتا تھا' جبکہ شمائل کا گھر اس کے بالکل برعکس تھا۔ اس کی والدہ خاموش' کم گو اور زیادہ تر اپنے کام سے کام رکھنے والی خاتون تھیں' لیکن میری والدہ خصوصاً دادو کے ساتھ ان کی خوب بنتی تھی' جبکہ شمائل کے والد اپنے آئرن سٹور میں اور کاروباری مسائل میں الجھے ہوئے بندے تھے' لیکن بہت حلیم اور خوش گفتار طبیعت کے حامل۔

شمائل کا کوئی بھی کام ہوتا یا مناہل آپی نے کہیں جانا ہوتا تو اس کیلئے ہمیشہ میری یا شعیب کی خدمات حاصل کی جاتیں۔ مناہل آپی شوخ و چنچل اور چلبلی سی طبیعت کی حامل جبکہ شمائل اس کے برعکس دھیمے سے مزاج کی تھی اور مجھے اپنے کارنامے سنانے کیلئے ایک اچھے سامع کی ہمیشہ ضرورت رہتی اور وہ اس کے عین مطابق تھی۔ اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولے حیرانی سے وہ جب میری باتیں سنتی تو اس کا یہ انداز مجھے بہت بھاتا اور مزید حیران کن تاثر دیکھنے کیلئے میں مبالغہ آرائی کی حدیں عبور کرتا جاتا' جبکہ وہ آرام سے میری باتوں پر یقین کرتی جاتی۔ ایسے لمحات میں اگر مناہل آپی یا سمیرا آپی آ جاتیں تو میری طبیعت خاصے اچھے طریقے سے صاف کر کے جاتیں۔

رات کے کھانے کے بعد اس کی اور مناہل آپی کی عادت تھی چھت پر ٹہلنے کی اور ہماری طرف سے سمیرا آپی بھی آ جاتیں تو مجھے اپنے کارنامے سنانے کیلئے خاصا ٹائم مل جاتا۔ دونوں

آپیاں، ہمیں لفٹ کروائے بغیر اپنی باتوں میں مگن جبکہ ہماری اپنی ایک دنیا تھی۔ چونکہ دونوں گھروں میں چھتیں ملی ہوئی تھیں۔ ایک چھوٹی سی منڈیر جسے ہم بالکل خاطر میں نہیں لاتے تھے اکثر اوقات اسے کود کر ادھر ادھر جانے کا سلسلہ بھی جاری رہتا اور اب تو میں نے آنٹی کو قائل کر کے اس کا ایڈمیشن بھی اپنے سکول میں کروا لیا تھا' لیکن سکول میں میری دوستیوں کا دائرہ خاصا وسیع تھا۔ اس کے باوجود میں بریک میں ایک آدھ چکر اس کی کلاس کا ضرور لگا لیتا' جہاں وہ اپنے ہی جیسی بور' کم گو اور اکتائی ہوئی اپنی دوست کے ساتھ خاموشی سے بیٹھی ہوتی اور مجھے حیرت ہوتی تھی کہ وہ دونوں خاموش رہ رہ کر تھکتی نہیں ہیں۔ اس دن میں اس کے گھر آیا تو وہ حسب معمول خاموشی سے اپنا ہوم ورک کرنے میں مگن تھی۔ مناہل آپی یقیناً یونیورسٹی سے نہیں لوٹی تھیں۔

"سنو تم ہمارے گھر مت آیا کرو۔" میری تپی ہوئی آواز پر اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ میرے غصے پر اس کا رنگ ایک دم سے فق ہوا تھا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"کمال ہے تمہیں ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی سب کو اپنے اپنے کام یاد آ جاتے ہیں' بھابیاں اپنے بچے تمہیں تھما کر خود سٹار پلس کے ڈراموں میں مگن' دادو تمہارے ہاتھ میں تیل کی شیشی پکڑا کر اپنی زلفیں کھول کر بیٹھ جاتی ہیں اور تو اور امی کی رنگت کھل اٹھتی ہے تمہیں دیکھ کر' چلو کوئی ان کا ہاتھ بٹانے والا تو آیا اور سب سے بڑھ کر تمہیں بھی "مدر ٹریسا" بننے کا شوق ہے' مجال ہے کسی کو منع کر دو۔"

"اور تمہاری بھی تو شرٹس استری کرتی ہوں اور کمرہ بھی صاف کر دیتی ہوں۔" اس کے یاد دلانے پر مجھے تاؤ آ گیا۔

"ہاں ہاں میری دفعہ تو بڑی جلدی جتا دیا' ان کو بھی احساس دلایا کرو۔"

"عادل میرا مطلب یہ تو نہیں تھا' بس مجھ سے انکار نہیں ہوتا۔" میرے تیور دیکھ کر وہ روہانسی ہو گئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کا بھی کام کرنے کی' سوائے میرے......" میری عجیب منطق پر اس نے حیران ہو کر مجھے دیکھا اور حسب عادت اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی فرمانبرداری ہی تو مجھے بھاتی تھی۔

"اچھا اٹھو اب شاباش ایک کپ چائے بنا کر لاؤ...... اور دیکھو اگر کوئی اچھی چیز بنی ہے تو کھانا بھی لے آنا۔"

"پھر مجھے میتھ کی یہ مشق سمجھاؤ گے؟" اس نے ڈرتے ڈرتے فرمائش کی۔

"ہاں' ہاں کیوں نہیں......" میں نے حاتم طائی کی قبر کو لات ماری۔

ایسے ہی دن گزرتے جا رہے تھے اور اب تو ہم کالج لائف میں داخل ہو گئے تھے۔ وہ فرسٹ ایئر میں اور میں فورتھ ایئر میں تھا' جب مناہل آپی کی شادی لاہور میں ان کے فرسٹ کزن کے ساتھ طے پا گئی۔ ان کے گھر میں پہلی شادی تھی۔ آنٹی کے ہاتھ پیر پھولے ہوئے تھے۔ زنیرا باجی اور سمیرا آپی نے تو ان کے گھر میں ہی ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور وہیں پہلی دفعہ مجھے اپنی والدہ کے مزاج کچھ بدلے بدلے محسوس ہوئے۔ حالانکہ شمائل اور مناہل کے بغیر تو ان کا کھانا بھی ہضم نہیں ہوتا تھا' لیکن ان کے سلوک میں کچھ سرد مہری شامل ہو گئی تھی۔ اس دن میں شادی کے کارڈز لینے کیلئے پرنٹنگ پریس جا رہا تھا جب امی نے کڑوے لہجے میں مجھ سے دریافت کیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" بائیک صاف کرتے ہوئے میں نے مصروفیت میں جواب دیا۔

"مناہل آپی کی شادی کے کارڈز لینے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے' تم لوگوں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے ہر کام کا' ملازم ہو ان کے۔ دنیا سے نرالی ہے میری اولاد' وہ دونوں ہیں تو سارا دن اس کے جوڑے ٹانکنے میں مگن اور شعیب ہے تو وہ فرنیچر کے بھاؤ تاؤ پوچھ پوچھ کر آ رہا ہے اور تو اور وہ سب سے چھوٹا جسے گھر کے کام کرتے تکلیف ہوتی ہے وہ بھی کل بڑے بڑے شاپر اٹھائے شاپنگ کروا کروا کے لا رہا تھا۔" میں نے امی کے برہم مزاج کو حیرانی سے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے امی؟"

"پتا نہیں لوگوں کی بیٹیوں کی قسمتیں کیسے دھڑا دھڑ کھل جاتی ہیں اور یہاں زنیرا کی عمر نکلتی جا رہی ہے اور کسی کو احساس نہیں' اللہ نے بہوئیں بھی چن کر بے حس دی ہیں۔ بڑی کو کہا کہ اپنے خاندان میں کوئی رشتہ دیکھو تو ٹکا سا جواب دے دیا کہ امی معاف کیجئے گا' زنیرا کی عمر تو نکل چکی ہے آپ اب سمیرا کی فکر کریں۔"

"تو اس میں مناہل آپی کا کیا قصور؟" میری حیرانی پر وہ تپ کر بولیں۔

"قصور کیوں نہیں ہے' اس کی ماں سے میں نے کہا کہ اپنے بھانجے سے زنیرا کی بات چلاؤ تو اپنی بیٹی کا جھٹ سے رشتہ طے کرآئیں۔"

"لیکن امی' مناہل آپی کی بات چیت تو بچپن سے طے ہے۔" میں نے یاد دلایا۔

"بات چیت ہی طے تھی کوئی نکاح تو نہیں ہوا تھا۔" امی کی منطق پر میرا دماغ گھوم گیا۔

"استغفراللہ' یہ کیا آپ فضول بات کر رہی ہیں۔"

"ہاں' ہاں اب میری اولاد کو میری باتیں فضول ہی لگتی ہیں۔ چھوٹی بہو کا بھائی اچھا خاصا قابل تھا۔ باتوں باتوں میں احساس دلایا تو آگے سے میسنی بن کر بولی' امی زنیرا مجھے بہت عزیز ہے' لیکن اعجاز کو مناہل بہت پسند تھی' لیکن آنٹی مانی نہیں۔ اس لئے اعجاز تو اب بہت اپ سیٹ ہے' میں اس سے اس ٹاپک پر بات نہیں کرسکتی اور ویسے بھی زنیرا کی عمر اعجاز سے زیادہ ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک کہا ہے انہوں نے' اس میں غلط بات کون سی ہے؟" میری وضاحت تو انہیں سلگا گئی' تبھی تو وہ دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونا شروع ہوگئیں۔

"ہاں اب یہ کل کی اولادیں ہمیں غلط اور درست کی تمیز سکھائیں گی۔ مناہل میں کون سے ہیرے لگے ہوئے ہیں جو زنیرا میں نہیں ہیں۔"

"آپ ماں کی نظر سے ہٹ کر دیکھیں اور ویسے بھی امی آپ مائنڈ مت کیجئے گا' آپ نے اور ابوجی نے اپنی فضول بحث میں زنیرا باجی کے اچھے خاصے پروپوزل ریجیکٹ کردیئے۔ کوئی چیز ابوجی کو پسند نہیں آتی تھی تو کوئی آپ کو اور اگر دونوں پاس کردیتے تھے تو جواد بھائی اور فواد بھائی کوئی نہ کوئی کیڑے نکال کر انکار کردیتے اور ویسے بھی لڑکی کے رشتے آنے کی ایک عمر ہوتی ہے...... اور آپ بھی تو اپنے سٹینڈرڈ سے ایک انچ بھی ہلنے کو تیار نہیں تھیں۔ حالانکہ ہر چیز انسان کو خواہش کے مطابق نہیں ملتی' کہیں نہ کہیں کمپرومائز کرنا پڑتا ہے اور اب بھی آپ کا یہی حال ہے۔"

"تو کیا کسی ایرے غیرے' راہ چلتے کے ہاتھ میں بیٹی کا ہاتھ تھما دوں۔" وہ رونا بھول کر اب اشتعال انگیز لہجے میں مجھ سے مخاطب ہوئیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میری زبان کھینچ لیتیں۔

"میں اپنی بہن کا دشمن نہیں ہوں۔" میں نے موٹر سائیکل صاف کرنے والا میلا کپڑا کھینچ

کر صحن میں پھینکا۔ "لیکن مجھے اب ان پر ترس آتا ہے۔ ان کی عمر کی لڑکیاں تین تین بچوں کی مائیں بن چکی ہیں اور یہاں کسی کو احساس نہیں۔ جواد بھائی اور فواد بھائی اپنے اپنے خاندانوں میں مگن' ابوجی کی اپنی کاروباری مصروفیات ہیں اور کسی کو احساس نہیں کہ ان کی عمر نکلتی جارہی ہے اور آپ کو اب جاکر ہوش آیا ہے اور اب سمیرا باجی کے اچھے اچھے پروپوزل آپ زنیرا آپی کی وجہ سے ریجیکٹ کر رہی ہیں۔ ایک غلطی پہلے کی تھی اور دوسری اب کر رہی ہیں۔ میری بھولی ماں لڑکی کی عمر بہت اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ اب تو شعیب بھائی کو بھی جاب کیے چار سال ہو رہے ہیں' کچھ ان کا بھی خیال کرلیں۔ زنیرا باجی کیلئے بنایا ہوا سٹینڈرڈ کچھ کم کردیں' ان کی ذات پر آپ کا بہت بڑا احسان ہوگا۔" میں نے باقاعدہ امی کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ تمسخرانہ انداز میں بولیں۔

"ہاں تاکہ تمہاری باری بھی جلد آئے۔ تم جیسے بھائی ہوتے ہیں جو اپنی خودغرضی میں بہنوں کو بوجھ سمجھ کر اتار دیتے ہیں' خواہ وہ ساری زندگی روتی رہیں۔"

امی کے تلخ جملوں نے میری قوت گویائی سلب کرلی۔ میرا چہرہ تپ گیا اور میں ہونٹ چباتے ہوئے لحہ بھر کو چپ رہ گیا۔ غصے میں بائیک پر بیٹھ کر میں نے زوردار کک ماری۔ وہ ایک لمحے کو سٹارٹ ہوئی اور پھر بند ہوگئی۔ میں غصے سے نیچے اترا۔ امی اب دوپٹہ منہ پر رکھ کر خاموشی سے صحن میں پڑی چارپائی پر لیٹ چکی تھیں۔ میں چلتے چلتے ان کے پاس رکا۔

"امی جان بے فکر رہیے' میں کم از کم اپنے معاملے کیلئے آپ کو ہرگز نہیں کہوں گا اور آپ بے شک زنیرا باجی اور سمیرا آپی کی شادی اگلے دس سالوں میں بھی مت کریں' لیکن یاد رکھیے گا کہ بڑے ہمیشہ درست فیصلے نہیں کرتے' کبھی کبھی اللہ تعالیٰ چھوٹوں کو بھی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کی صلاحیت زیادہ دے دیتا ہے۔ لیکن اگر کچھ درست فیصلے درست موقعوں پر نہ ہوں تو ساری زندگی کیلئے ناسور بن جاتے ہیں اور بعض اوقات والدین کی غلطیوں کا خمیازہ اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے اور میری دعا ہے کہ اللہ ہم پر رحم کرے۔"

میں غصے سے گھر سے نکلا اور نہ جانے کیوں میرے قدم شمائل کے گیٹ پر آکر رک گئے۔ سامنے صحن میں میری دادو آنٹی کے ساتھ تخت پر بیٹھی موسم سرما کی نرم دھوپ سینکنے میں مگن تھیں۔ برآمدے کے پار سامنے والے کمرے کے کھلے دروازے سے کارپٹ پر بیٹھی زنیرا باجی بڑی خاموشی سے مناہل کے پیلے سوٹ پر گوٹا لگانے میں مگن تھیں۔ میرا نہ جانے

کیوں دل بھر آیا۔ ان کے پاس ہی شمائل دوپٹے پر ستارے ٹانکنے میں مصروف جبکہ مناہل اور سمیرا آپی کچن میں کسی بحث میں الجھی ہوئی تھیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ان کے بلند قہقہے پورے گھر میں گونجنے لگتے۔ مجھے آتا دیکھ کر دادو غصے سے بڑبڑائیں۔

"چلو تمہاری کسر رہ گئی تھی۔ اپنے گھر میں جو باقی لوگ ہیں ان کو بھی بلا لینا تھا۔ پتا نہیں کیوں میرے پوتے پوتیوں کا دل اپنے گھر میں نہیں لگتا۔"

"جانے دیں اماں' ان کے دم سے تو میرے گھر میں رونق ہے۔" آنٹی نے میری حمایت کی جبکہ میں خاموشی سے ان کے پاس تخت پر آ کر لیٹ گیا۔ میرا کچھ بھی بولنے کو دل نہیں کر رہا تھا۔

"سچ اماں' ان بچوں نے تو میری ساری فکر ہی ختم کر دی ہے۔ ورنہ میرے تو ہاتھ پیر ہی پھولے ہوئے تھے۔ شاید میرے سگے بیٹے بھی ہوتے تو اتنی ذمہ داری سے کام نہ کرتے جتنی لگن سے عادل' شعیب اور ہارون کر رہے ہیں۔"

"تو احسان تھوڑی کر رہے ہیں مناہل بہن نہیں ہے ان کی۔" دادو کم ہی کسی کا احسان گردانتی تھیں۔ "بس دعا کرو کہ زنیرا کی بھی کہیں بات بن جائے۔" دادو نے چہرے سے مکھی اڑاتے ہوئے بے پروائی سے کہا۔

"ہاں دعا ہی کیجئے گا' دوا کرنے کا کس کے پاس ٹائم ہے۔" میری بڑبڑاہٹ شاید دادو کی سمجھ میں نہیں آئی تھی' تبھی وہ حیرانی سے مجھے تکنے لگیں۔

"ہاں' کیوں نہیں اماں' میں نے بھی دو چار لوگوں سے کہا ہوا ہے۔ میری بہن نے اپنی جٹھانی کے بیٹے کا بتایا تھا' لڑکا میکینکل انجینئر تھا' لیکن زنیرا کی امی کہنے لگیں کہ فیملی بہت بڑی ہے ہم نے نہیں کرنا۔" ان کے جواب پر دادو پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولیں۔

"بس بیٹا پتا نہیں عظمت کا معیار کیا ہے' بچی کی عمر نکلتی جا رہی ہے اور وہ کسی کی بات سنتی نہیں اور باپ اس کا ہے تو وہ بے پروا۔ کہتا ہے کہ جب وقت آئے گا خود ہی ہو جائے گا۔"

"لیکن اماں' کوشش تو کرنی پڑتی ہے۔ خدا سب کو رزق دیتا ہے' پرندوں کو بھی دیتا ہے لیکن ان کے گھونسلوں میں نہیں ڈالتا۔ بس اللہ بچی کی قسمت اچھی کرے' میں تو اٹھتے بیٹھتے دعا کرتی ہوں' بہت نیک بچی ہے زنیرا۔" آنٹی کے لہجے کے خلوص نے مجھے اچھا خاصا شرمندہ کر دیا اور میں نے شکر ادا کیا کہ وہ ہماری والدہ محترمہ کے آج کل کے خیالات سے آگاہ

نہیں۔

"بس بیٹا' ماؤں کو سمجھدار ہونا چاہئے۔" دادو کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔

"جی اماں' یہ شمائل کے والد ہیں' اب اٹھتے بیٹھتے ان کو اس کی فکر ہو گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ بچیاں اپنے گھروں میں ہی اچھی لگتی ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ ایک دو سالوں میں شمائل سے بھی فارغ ہو کر حج کیلئے چلیں گے۔"

"اب ہائے شمائل کی ابھی عمر ہی کیا ہے؟" دادو کو تعجب ہوا۔ میں بھی بے اختیار اٹھ بیٹھا تھا۔

"اماں لڑکیوں کی عمر نکلتے میں کہاں دیر لگتی ہے اور اچھے رشتوں کی بھی مناسب عمر ہوتی ہے۔ میں تو کہتی ہوں کل عالم کی بیٹیاں اپنے گھر کو جائیں۔" آنٹی کی بات پر میری زبان پھسلی۔

"پھر آنٹی! لوگوں کے گھروں میں تو صرف لڑکے ہی رہ جائیں گے۔"

"کیوں بچے' ان کی شادیاں نہیں ہوں گی کیا؟" دادو نے انگلی ناک پر رکھ کر تعجب کا اظہار کیا تو مجھے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

کچھ دن کے بعد مناہل آپی کی شادی کے پروگرامز شروع ہو گئے اور امی کا موڈ بھی کافی بہتر ہو گیا تھا۔ اس دن مہندی کی وجہ سے گھر میں مہمانوں کا خوب رش تھا۔ گھر کی چھت پر سٹیج کی ارینجمنٹ کر کے میں نیچے اتر رہا تھا جب ڈھولکی کی آواز نے گھر میں سماں باندھ دیا اور میں تیزی سے نیچے اتر رہا تھا کہ اچانک مرجنڈا کلر کے تنگ پاجامے اور کرتے میں جس پر نفیس گوٹے کا کام کیا ہوا تھا' فرنچ ناٹ باندھ کر ہلکے ہلکے میک اپ اور جیولری میں تیزی سے اوپر آتی شمائل کو دیکھ کر میں بری طرح ٹھٹکا۔ گوری گوری ہتھیلیاں مہندی کے سرخ رنگ کے خوبصورت نقش و نگار سے نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھیں۔ سڈول کلائیوں میں ڈھیر ساری کانچ کی چوڑیاں تھیں۔

"واؤ......" میرا لہجہ یقیناً معنی خیز تھا' تبھی وہ ایک دم بلش ہو گئی۔ "ویسے یار تمہیں ان ہتھیاروں سے لیس ہونے کی کیا ضرورت تھی۔"

"فضول مت بولیں۔"

"ہاں اب تو بولنے کی کہاں دیکھنے کی باری ہے۔"

میری نگاہیں' لہجہ اور شوخ انداز اس کا اطمینان رخصت کر رہا تھا تبھی وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"عادل کیا مسئلہ ہے؟"

"اچھا ذرا میری طرف دیکھ کر پوچھو؟"

"فضول بات مت کریں۔"

"یار آج ہی تو صحیح بات کر رہا ہوں۔" میری بات پر وہ فوراً پلٹی اور دھڑا دھڑ سیڑھیاں اترتی گئی۔ میری ارے ارے کی پکار کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور ایک گھنٹے کے بعد میں تیار ہو کر آیا تو وہ اپنی اور مناہل آپی کی سہیلیوں کے ساتھ ڈھولک پر گانے گا رہی تھی۔ وہ سب بڑے جوش سے گا رہی تھیں۔ جیسے ہی شمائل کی مجھ پر نظر پڑی تالیاں بجاتے اس کے ہاتھ فضا میں معلق رہ گئے' وہ بری طرح جھینپ گئی۔ میں مٹھائی کے ٹوکرے کچن میں رکھوا کر اندر آیا تو وہ اپنے کسی کزن کے پاس کھڑی بڑے غور سے اس کی بات سن رہی تھی اور اسکے سمارٹ سے کزن کی پرشوق نظریں اس کے چہرے پر جمی دیکھ کر میری بھوئیں تن گئیں۔ ایک دم ذرا پہلے والی سرشاری کچھ مدھم پڑ گئی۔ اس کا وہ کزن طبعاً خاصا شوخ مزاج تھا' تبھی شمائل مسلسل ہنس رہی تھی۔ میں تیر کی طرح وہاں پہنچا۔

"شمائل ذرا بتاؤ کہ مٹھائی کے ٹوکرے کہاں رکھوانے ہیں؟"

"امی سے پوچھ کر سٹور میں رکھوا دیں۔" اس کے بے پروا انداز پر میں تپ گیا۔

"کیوں تمہیں بتاتے ہوئے کیا تکلیف ہو رہی ہے؟" میرے سرد لہجے پر اس کے چہرے کا رنگ بری طرح متغیر ہوا' تبھی وہ بڑی عجلت میں بولی۔

"آؤ کے چلیں۔" میں اسے لے کر ہی ٹلا۔ مٹھائی کے ٹوکرے سٹور میں رکھ کر میں اس کی طرف مڑا۔

"سنو' خبردار جو اس فضول بندے کے پاس مجھے دوبارہ کھڑی نظر آئیں اور کل اتنا زیادہ تیار شیار ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ فرسٹ ایئر کی طالبہ ہو اور بناؤ سنگھار دیکھو؟" میرے تلخ اور طنزیہ لہجے پر اس کی آنکھوں میں ایک دم موٹے موٹے آنسو آ گئے۔ مجھے ڈھیروں خفت نے آن گھیرا' اب کہ میرا لہجہ خاصا نرم تھا۔ "دیکھو شمائل میں تمہارے بھلے کیلئے کہہ رہا ہوں۔ یہ

لڑکوں کی قوم بہت چالاک ہوتی ہے اور تم تو نری اللہ میاں کی گائے ہو اور پھر میں تمہارا دوست بھی تو ہوں؟" اس کے پلے میرے بات پڑی تھی کہ نہیں لیکن اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر مہندی کے فنکشن میں بھی وہ پیچھے رہی' حالانکہ دلہن کی اکلوتی بہن تھی اور پھر شادی والے دن وائٹ نیٹ کے سوٹ میں وہ سادہ سادہ سی رات سے بھی زیادہ جاذب نظر لگ رہی تھی۔ پورے سوٹ پر لگے وائٹ ہی نگوں کی چمک اس کی آنکھوں کی چمک سے زیادہ نہیں تھی اور آج تو اس نے صرف ہلکی سی لپ سٹک لگائی تھی۔

"یار تمہارے پاس کوئی اور سوٹ نہیں ہے؟" میں نے ہمیشہ کی طرح اچانک آ کر اس سے پوچھا۔

"جی......؟" حسب توقع اس کی کشادہ آنکھیں حیرت سے مزید وا ہو گئیں۔ "کیا مطلب؟" اس کے گھبرانے پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"کچھ نہیں......"

"عادل مجھے آپی کے پاس پارلر لے جاؤ گے؟"

"کیوں؟" میرے تیکھے لہجے میں استفسار پر وہ فوراً بولی۔

"اصل میں آپی کی جیولری گھر ہی رہ گئی ہے۔"

"شکر ہے! ورنہ میں سمجھا کہ محترمہ مزید ہتھیاروں سے لیس ہونے جا رہی ہیں۔"

"جی نہیں' آج نہ تو میں نے زیادہ جیولری پہنی اور نہ ہی گجرے اور میک اپ بھی نہیں کیا۔" اس کے تاسف بھرے لہجے پر میں نے حیرت سے اس کی فریش اسکن اور جھالر جیسی آنکھوں کو دیکھا۔

"اچھا' تھوڑا سا انتظار کر لیں گے۔" وہ اندر جاتے جاتے پلٹی۔

"یار ساری زندگی کر سکتا ہوں۔" میرے دل سے کہے جملے پر وہ ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔ کچھ دیر مجھے غور سے دیکھنے کے بعد وہ اندر بڑھ گئی اور جب جیولری کے ڈبے اٹھائے باہر آئی تو کچھ خاموش تھی۔ اس کے ساتھ اس کی امی بھی تھیں۔

"عادل' ذرا دھیان سے جانا' رات کا ٹائم ہے۔" ان کے فکر مند لہجے پر میں نے فوراً انہیں تسلی دی اور اگلے ہی چند لمحوں بعد میں تیزی سے گاڑی دوڑائے جا رہا تھا۔ ایک سگنل پر ایک بچے کے ہاتھ سے گجرے لے کر میں نے اس کی طرف بڑھائے تو وہ بے اختیار مسکرا

اٹھی۔

''تمہارا فرسٹ ایئر کا رزلٹ کب آ رہا ہے؟''

''توبہ' آج کے دن تو ایسی خوفناک باتیں نہ کریں۔'' اس کے بے ساختہ کہے جملے پر مجھے ہنسی آ گئی۔

''اچھا پھر کیسی باتیں کروں؟'' میرے معنی خیز لہجے پر اس نے چونک کر دیکھا۔

''بہت اچھی......''

''تمہارے جیسی۔'' میں شرارتاً اس کی طرف جھکا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کی ہنسی کی کھنک سے میں مبہوت ہو گیا۔

پھر مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیسے میرے قریب آتی گئی۔ ہمارا ایک دوسرے کو دیکھے بغیر کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ ہمارے درمیان کبھی لمبے چوڑے معاہدے نہیں ہوئے۔ ایک خاموش سا تعلق تھا جو روز بروز مضبوط ہوتا جا رہا تھا اور MIT کرنے کے بعد میرا اچانک انگلینڈ کا ویزا لگ گیا اور اسے معلوم ہوا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔ اس دن میں اس کے گھر میں برآمدے میں رکھے تخت پر نیم دراز تھا' جب چائے کا کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی۔

''عادل تم واقعی باہر جا رہے ہو؟''

''ہاں' کیوں؟'' میں بری طرح چونکا تو وہ کچھ جھجک کر بولی۔

''اگر میں کہوں کہ نہ جاؤ......؟'' میں ایک ٹک اسے دیکھتا رہ گیا جو گلابی سوٹ میں خود بھی پنک ہو رہی تھی۔ آنکھوں کی چمک ماند تھی۔ چائے کا کپ سائیڈ پر رکھ کر میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے ویسے ہی پوچھا۔

''تم ایسا کیوں کہو گی؟'' وہ قصداً تھوڑا سا مڑی۔ سامنے کمرے میں آنٹی جائے نماز بچھائے نماز پڑھنے میں مگن تھیں۔ اس نے اچانک اور غیر متوقع انداز میں مجھ سے پوچھا۔

''میرے بغیر رہ لوگ گے؟'' میری گہری نظروں نے اس کا احاطہ کیا' بہت عرصے بعد خوشی وانبساط نے میرے دل کو چھوا۔

''تم رہ لوگی؟'' اس کی آنکھوں میں بے بسی تھی' تبھی میں نے بڑے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اٹس اوکے' میں نہیں جاتا لیکن تم پلیز ایم اے کیلئے ڈھنگ کے سبجیکٹ کا انتخاب

کر لو۔ مجھے لڑکیوں کیلئے جرنلزم کا مضمون پسند نہیں۔'' میں نے باہر نکلتے ہوئے بلا ارادہ ہی اس کی طرف دیکھا اور چونکہ وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی اس لئے اس تصادم پر گڑبڑا گئی اور پھر میرے کہنے پر اس نے اکنامکس میں اپنے فارم جمع کروا دیئے اور اب تو میری بھی جاب بہت اچھی ہو گئی تھی' لیکن زنیرا باجی کی شادی کا مسئلہ حل ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اب تو سمیرا آپی کیلئے بھی آنے والے رشتوں میں خاصا تعطل آ گیا تھا۔ امی کا بلڈ پریشر ہائی رہنے لگا تھا اور شعیب بھائی بھی خاصے چڑچڑے ہو گئے تھے اور زنیرا باجی تو بالکل خاموش ہو گئی تھیں۔

جبکہ میں روز بروز ڈپریشن کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔ شمائل کیلئے آنے والے رشتوں کی تعداد میں اضافہ میری راتوں کی نیند اڑا رہا تھا۔ وہ ہر ہر پروپوزل پر گھبرا اٹھتی اور ایسے لمحات میں محض نظریں چرانے کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔ وہ میری رگ جاں تھی' لیکن گھریلو حالات کے شکنجے میں پھنس کر مجھے کوئی امید کے جگنو دکھائی نہیں دے رہے تھے اور اس دن تو حد ہو گئی۔ شعیب بھائی اپنی کسی کولیگ میں انٹرسٹڈ تھے اور امی ہرگز بیٹیوں کی موجودگی میں چھوٹے بیٹے کی شادی کے حق میں نہیں تھیں۔

''پوری اکتیس سال عمر ہو گئی ہے میری؟'' وہ غصے سے چلائے۔

''کچھ شرم کرو تم سے ڈیڑھ سال بڑی سمیرا اور چار سال بڑی زنیرا ابھی بیٹھی ہیں۔'' امی کا لہجہ سلگ رہا تھا۔ دونوں بھابیوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔

''آپ میری شادی کروائیں' میں اپنی دونوں بہنوں کیلئے خود دیکھوں گا۔'' شعیب بھائی آج فیصلے کے موڈ میں تھے۔

''ہاں جیسے ان دو بڑوں نے دیکھا تھا'' امی کا طنزیہ لہجہ انہیں بھی آگ لگا گیا۔

''آپ مجھے جواد بھائی اور فواد بھائی کے ساتھ مت ملائیں۔''

''کیوں تم آسمان سے اترے ہو' تمہاری رگوں میں بھی تو وہی خون ہے۔'' امی نے غصے سے تیزی سے پالک کاٹنی شروع کر دی۔

''دیکھیں امی! عروج کے والدین زیادہ انتظار نہیں کر سکتے' پچھلے چار سال سے میں اسے ''لارے'' لگا رہا ہوں۔'' شعیب بھائی اب کھل کر میدان میں آ گئے تھے۔ امی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''شاباش میرے بچے' تمہارا قصور نہیں ہے۔ شاید میرے دودھ کی تاثیر ہی ایسی ہے جو

میرے بیٹے پرائی لڑکیوں کے پیچھے سگی ماں اور بہنوں کو بھول جاتے ہیں۔ وہ بڑا فواد بھی ایسے ہی دعوے کرتا تھا' اب بیوی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اس کے کانوں سے سنتا ہے۔ میں کہے دیتی ہوں کہ زنیرا کی شادی کئے بغیر میں اپنے کسی بیٹے کی اب شادی نہیں کروں گی۔"

"کیوں؟" شعیب بھائی غصے سے گھومے اور بڑے تلخ لہجے میں گویا ہوئے۔" کیوں اگر زنیرا باجی کی شادی ساری زندگی نہیں ہوتی تو ہم بھی ایسے ہی عمر گزار دیں' ہمیں کس بات کی سزا دے رہی ہیں آپ؟ اچھے خاصے ان کے رشتے اپنے ہاتھوں سے آپ لوگوں نے گنوا دیئے۔ اس لیکچرار احسان علی میں کیا خامی تھی۔ یہی ناں کہ اس کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب مائنڈ مت کیجئے گا امی' اس عمر میں اب باجی کیلئے ایسے ہی رشتے آئیں گے اور دو چار سال بعد ایسے بھی نہیں آئیں گے۔" شعیب بھائی کا لہجہ اتنا سرد نہیں تھا جتنے الفاظ۔ امی کا چہرہ ایک دم فق ہوگیا۔ وہ انتہائی صدمے کی حالت میں اپنے سامنے کھڑے شعیب کو دیکھ رہی تھیں۔ سامنے کچن میں مصروف زنیرا باجی کی رنگت بھی ایک دم پھیکی پڑ گئی اور سمیرا آپی نے انتہائی تاسف بھری نظروں سے انہیں دیکھا جو سب سے بے نیاز اپنے جواب کے منتظر تھے۔

"آپ کل شام کو میرے ساتھ چلیے گا۔ ورنہ شادی تو مجھے عروج کے ساتھ ہی کرنی ہے۔ خواہ آپ لوگ شامل ہوں یا نہ ہوں۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکے نہیں اور دھڑ دھڑ کرتے چلے گئے۔ میں نے دل پر ہاتھ رکھ کر جھکتی امی جان کو دیکھا اور گھبرا کر ان کے پاس پہنچا۔

"امی جان کیا ہوا؟" انہوں نے غصے سے میرا ہاتھ جھٹکا۔

"چلے جاؤ' تم بھی تو اسی کے بھائی ہو' کل کو میرے سامنے آن کھڑے ہوگے۔ تم بھی اپنی پسند بتا دو' میرا اور میری بیٹیوں کا اللہ مالک......" وہ بری طرح رو رہی تھیں۔

"امی میں آپ کو ایسا لگتا ہوں؟" ان کی طبیعت کے بگڑنے پر میں گھبرا کر بولا۔

"وہ تینوں بھی ایسے نہیں لگتے تھے۔" امی کسی گہرے صدمے کے زیر اثر آہستہ سے بڑبڑائیں۔

"لو جی' بیٹا اپنے منہ سے کہہ رہا ہے تو کر دیں شادی' ابھی تو اللہ کا شکر ہے ہمارے دیور شریف ہیں۔ ورنہ مرد باہر جھک مارنا شروع کر دیتے ہیں۔" بڑی بھابی اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے بڑبڑائیں اور ان کی بڑبڑاہٹ کو سبھی نے سنا تھا۔

شعیب بھائی کی شادی دو ماہ کے اندر اندر ان کی کولیگ کے ساتھ ہوگئی اور معلوم ہوا کہ

امی اور ابو کو راضی کرنے میں زنیرا باجی کی کوششوں کا دخل تھا۔ حالانکہ سب کچھ سوگ کی حالت میں ہوا' لیکن شعیب بھائی اپنی پسند کو حاصل کر کے خاصے مسرور تھے۔ شعیب بھائی کی شادی کو بمشکل چھ ماہ گزرے تھے اور اب تو میری شائل کے ساتھ خاصی انڈرسٹینڈنگ ہوگئی تھی۔ میں اکثر اسے ملنے کیمپس بھی پہنچ جاتا تھا۔ اس دن میں گیا تو بلیک سوٹ میں وہ سوگواریت کا مکمل اشتہار لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے افسردگی سے اطلاع دی۔

"مناہل آپی آئی ہیں' عامر بھائی کے کسی بہت اچھے دوست کا پروپوزل لے کر۔"

"پھر......؟"

"ابو جی اور امی بہت خوش ہیں۔" میں نے حیرانی سے اسے دیکھا جو خاصی الجھی ہوئی تھی۔ "عادل...... تم کچھ کر نہیں سکتے؟"

"مثلاً؟"

"تمہیں جاب کرتے ہوئے تین چار سال ہوگئے ہیں خود مختار ہو......" اس نے بات ادھوری چھوڑی تو میں نے ایک گہری سانس بھری۔

"دیکھو شائل یہ بات تم شروع سے جانتی ہو کہ میں نے کبھی تمہیں اپنے لئے باؤنڈ نہیں کیا اور میرے گھر کے سارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ امی بستر پر لگ گئیں اور زنیرا باجی نے سب سے ملنا چھوڑ دیا ہے۔ ایسی سچویشن میں بتاؤ میں کیا کروں؟"

"پھر بتاؤ کہ میں کیا کروں' اب تو اپنے لئے آنے والے پروپوزلز پر انکار کر کر کے تھک گئی ہوں اور اب تو امی بھی مجھ سے خفا رہنے لگی ہیں اور اس دفعہ مناہل آپی بھی لگتا ہے کہ ہاں کروا کے ہی جائیں گی۔" وہ خود بھی اچھی خاصی پریشان تھی۔

"اچھا پروپوزل کیسا ہے؟" میرے پوچھنے پر وہ حیران ہو کر بولی۔

"ظاہر ہے کہ اچھا ہے تو امی' ابو خوش ہیں۔"

"تم پھر تم ہاں کر دو۔"

"کیا؟" اسے بری طرح شاک لگا۔

"دیکھو شائل! جو تمہاری عمر ہے' اس عمر میں لڑکیوں کی شادی ہو جانی چاہئے اور میں اتنا خود غرض نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا پابند کر کے بٹھا لوں۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے گھر کے حالات کب بدلتے ہیں لیکن پلیز میرے اندر اتنا حوصلہ نہیں کہ شعیب بھائی کی طرح امی کو خفا کر کے

اپنی پسند کو حاصل کروں۔'' میں نے صاف صاف بات کلیئر کی جبکہ اس کا چہرہ سپید پڑ گیا۔ وہ خاموشی سے مجھے دیکھتی رہ گئی۔ میں نے فوراً نظریں چرائیں۔

''میرے بغیر رہ لو گے؟'' اس کی آواز گہرے کنویں ہی سے آئی تھی۔

''زندگی میں بہت ساری چیزوں کے بغیر بھی رہنا پڑتا ہے۔''

''لیکن عادل صدیقی میں کوئی چیز نہیں ہوں۔ ایک زندہ' جیتی جاگتی حقیقت ہوں۔''

''دیکھو شائل میں نے یہ فیصلہ بہت دل پر جبر کر کے کیا ہے' اپنی سب سے عزیز شے کو کسی اور کے حوالے کرنا آسان نہیں' لیکن میں تم پر کوئی ظلم نہیں کرسکتا۔ میں زنیرا کو دیکھتا ہوں تو مجھے دکھ اور افسوس ہوتا ہے۔''

''تم مجھ کو آزما کر تو دیکھو بہت حوصلہ ہے میرے اندر۔'' وہ عجیب لہجے میں گویا ہوئی۔

''جن سے محبت ہو انہیں آزماتے نہیں۔'' میں شدید کرب میں تھا۔

''میں ساری زندگی تمہارا انتظار کرسکتی ہوں۔''

''لیکن میں تمہیں ایسا کوئی سٹوپڈ کام کرنے کو نہیں کہوں گا۔''

''یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے۔''

''ہاں' بالکل آخری!'' میرے حتمی لہجے پر وہ تیزی سے اٹھی اور اس نے پھر مڑ کر پیچھے نہیں دیکھا۔ میں اس کے پیچھے لپکا۔

''دیکھو شائل! یہ میری خواہش ہے کہ تم ایک کامیاب اور اچھی زندگی گزارو۔'' میں نے اسے وضاحت دینے کی کوشش کی تو وہ اردگرد کی پروا کئے بغیر چیخی۔

''پلیز' کچھ بھی مت کہو اور اب یہ مت کہنا کہ محبت کے اس سفر میں کبھی تم میرے ساتھ تھے۔ میں تم سے ملنا نہیں چاہتی۔'' وہ جاتے جاتے پلٹی اور میں وہیں کھڑا رہ گیا۔

پھر میری فرم کے کام کے سلسلے میں مجھے تین ماہ کیلئے مڈل ایسٹ بھیجا گیا تو وہیں مجھے اطلاع ملی کہ اس کی شادی ہوگئی ہے اور اس دن میں پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ مجھے لگا کہ کسی نے میرے جسم کا ایک حصہ مجھ سے علیحدہ کر دیا تھا اور پھر میں اپنا عرصہ وہاں بڑھاتا ہی رہا۔ میں جو تین ماہ کیلئے گیا تھا تین سال کے بعد سمیرا آپی کی شادی پر آیا تو معلوم ہوا کہ شائل کے امی ابو لاہور شفٹ ہوگئے ہیں اور پاکستان آکر معلوم ہوا کہ وہ اسلام آباد میں ہوتی ہے اور اس کا ایک بیٹا بھی ہے...... پھر وقت گزرتا گیا اور میری بھی شادی ہوگئی' لیکن ازدواجی زندگی کا

اطمینان اور سکھ شاید میری قسمت میں نہیں تھا۔ سائرہ امی کی بھانجی تھی اور انہی کی خالصتاً پسند پر میری شادی ہوئی' لیکن ہم دونوں کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ وہ انتہائی جھگڑالو' فضول خرچ اور بے وقوف عورت تھی۔ کہیں سے اڑتے اڑتے اس نے میری شائل سے پسندیدگی کی خبر سن لی تھی' تب سے اس کی زبان دو دھاری تلوار بن چکی تھی اور حیرانی کی بات تھی کہ اپنی پانچوں بہوؤں میں سب سے زیادہ اسی کے امی کے ساتھ حالات خراب تھے۔ حالانکہ وہ سراسر ان کی پسند پر اس گھر میں آئی تھی۔

میرے گھر میں بے ترتیبی اور پھوہڑ پن کا عنصر نمایاں تھا اور دونوں بچے ماں کی عادات کی کاپی تھے۔ میں لاکھ ان کو سدھارنے کی کوشش کرتا لیکن وہ حد سے زیادہ ضدی تھے' جبکہ سائرہ اپنے حلیے سے بے پروا ہر وقت شک کے ہتھیاروں سے لیس' بدمزاجی کا چلتا پھرتا اشتہار تھی۔ اب تو ہم سب بھائی علیحدہ علیحدہ ہوگئے تھے' لیکن سائرہ کی تنک مزاجی کی وجہ سے کوئی بھی میرے گھر کا رخ نہ کرتا۔ وہ پڑھی لکھی جاہل تھی اور اب اس کے ہر عمل کے جواب میں میرا ہتھیار صرف خاموشی تھا...... لیکن آج ''محبت کدہ'' میں داخل ہوتے ہی میرے سارے زخم جاگ اٹھے۔ کئی محرومیوں نے سر اٹھایا اور شائل کی خوش باش زندگی کو دیکھ کر میں نے سوچا کہ ایسی ہی زندگی کے تو میں نے خواب دیکھے تھے۔

میری نظر سامنے والی کلاک پر پڑی۔ صبح ہو چکی تھی' ساری رات میں اس کی یادوں کے ہمراہ تھا اور اب میرا سر پھٹ رہا تھا۔ فجر کی اذان پر میں نے اٹھ کر نماز پڑھی اور یونہی چہل قدمی کیلئے لان میں نکل آیا۔ حالانکہ صبح خاصی سرد تھی اور دھند میں ہر چیز لپٹی ہوئی تھی' اکتا کر میں اندر آیا تو ڈرائنگ روم سے گزر کر ٹی وی لاؤنج کو عبور کرتے ہوئے کسی نے مجھے پکارا۔

''عادل!'' میرا دل ایک لمحے کو دھڑکنا بھول گیا۔ میں پیچھے مڑا' وہ شاید کچن سے نکلی تھی۔ لائٹ پرپل کلر کے سوٹ میں وہ بالکل ویسی ہی فریش اور سمارٹ تھی جیسی کہ آج سے سات سال پہلے تھی۔ ایک نرم سا تاثر اس کے چہرے پر پھیلا ہوا تھا۔

''بیٹھو' میں تمہارے لئے چائے لاتی ہوں۔'' میں وہیں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ گیا۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد وہ بھاپ اڑاتا ہوا کپ میری طرف بڑھاتی ہوئی بولی۔

''کیسے ہو؟''

''اللہ کا شکر ہے۔ دانش صاحب کہاں ہیں؟'' میں نے گھر میں پھیلے سناٹے کو دیکھتے

ہوئے پوچھا۔

''وہ صبح آٹھ بجے اٹھتے ہیں اور ابھی تو صرف چھ بجے ہیں۔'' وہ میرے سامنے والے صوفے پر بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھی۔ اس کی نظریں میرے اوپر جمی ہوئی تھیں۔ وہ پہلے سے کافی زیادہ پراعتماد ہوگئی تھی۔

''تم کیسی ہو؟'' میں نے چائے کا سپ لینے سے پہلے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے۔'' اس کے لہجے میں اطمینان اور سکون کی فراوانی تھی۔

''دانش صاحب کیسے ہیں؟'' میں جو پوچھنا چاہ رہا تھا کھل کر نہیں پوچھ سکا۔ وہ دھیرے سے مسکرائی اور پھر آہستگی سے گویا ہوئی۔

''میرے لئے تو اللہ کا بہت خوبصورت تحفہ ہیں۔ بہت لونگ اور بہت کیئرنگ۔ بحیثیت شوہر کے بہت زبردست' بحیثیت ایک باپ کے بہت مہربان اور بحیثیت انسان کے بہت عمدہ۔'' اس کی دو لائنوں میں اس کی کامیاب زندگی کا عکس جھلک رہا تھا۔

''تمہیں اب بھی یاد ہے کہ میں چائے میں چینی نہیں لیتا۔'' مجھے محسوس ہوا تھا ایک خوشگوار سے احساس نے میرا گھیراؤ کیا۔

''اچھا......؟'' وہ حیران ہوئی۔ ''میں نے چینی نہیں ڈالی۔'' پھر ایک لمحے بعد بولی۔

''اصل میں دانش بھی چینی نہیں لیتے' اس لئے مجھے یاد نہیں رہا۔'' اس کے جواب نے اس خوشگوار احساس کو چند سیکنڈ میں ختم کردیا' جو میرے اندر نمودار ہوا تھا۔

''اور باقی گھر والے کیسے ہیں؟'' اس نے سادہ سے لہجے میں دریافت کیا۔

''امی کا سال پہلے انتقال ہوگیا جبکہ دادو تو چار سال پہلے دنیا سے گزر گئی تھیں۔ سمیرا آپی کی شادی کو بھی چار سال ہوگئے۔ وہ کوئٹہ ہوتی ہیں اور شعیب بھائی کے ماشاء اللہ تین بیٹے ہیں اور پچھلے سال ہارون کی بھی شادی ہوگئی۔ وہ انگلینڈ میں ہوتا ہے اور جواد بھائی اور فواد بھائی اپنے بچوں کے ساتھ کراچی ہی ہیں۔''

''اور زنیرا باجی؟'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''انہوں نے شادی ہی نہیں کی۔ آج تک وہ شعیب بھائی کے ساتھ ہوتی ہیں۔''

''کیوں؟'' اسے شدید حیرت ہوئی۔

''ان کا کہنا تھا کہ میری زندگی کے بہترین سال تو والدین نے فضول سٹینڈرڈ کی ضد

میں ضائع کردیئے اور اب باقی ماندہ زندگی وہ کسی رنڈوے یا دوسری شادی والے کے بچوں کو سنبھال کر ضائع نہیں کرسکتیں' وہ وہیں جاب کررہی ہیں۔''

''اوہ......نو......'' اسے حقیقتاً صدمہ ہوا تھا۔ وہ مسلسل تاسف کے انداز میں سر ہلا رہی تھی اور پھر کچھ سنبھل کر بولی ''اور تم......؟''

''میں......!'' میں تلخی سے ہنسا ''تم نے ٹھیک کہا تھا شائل دانش کہ...... اپنی سب سے عزیز شے کسی اور کے حوالے کرکے بندہ کیسے خوش رہ سکتا ہے۔ آج تک سوچتا ہوں کہ میں جو دوسروں کو مشورے دیتا تھا کہ اگر کچھ درست فیصلے درست موقعوں پر نہ کئے جائیں تو وہ انسان کیلئے ناسور بن جاتے ہیں تو خود ایسا کیوں نہ کیا۔''

''کیا مطلب!'' وہ بری طرح الجھی۔

''میں شعیب بھائی کی کامیاب ازدواجی زندگی کو دیکھتا ہوں کہ اگرچہ ان کا فیصلہ کرنے کا انداز اور طریقہ غلط تھا' لیکن انہوں نے درست موقع پر درست فیصلہ کیا تھا۔'' میں کچھ نہ کہتے ہوئے بھی بہت کچھ کہہ گیا تھا۔

''عادل!'' وہ ایک گہرے صدمے کی کیفیت میں بولی۔ میں نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کرلیں۔ کئی سال پہلے کا رکا ہوا ایک آنسو بغاوت کرگیا۔

''میں نے تو تمہاری بات مانی تھی۔ تم نے جاتے جاتے مجھے صرف ایک بات کہی تھی ناں کہ میری خواہش ہے کہ تم بہت مطمئن اور خوشحال زندگی گزارو' یقین مانو اس گھر کو محبت کدہ بنانے میں حقیقتاً سیونٹی پرسنٹ میرا ہاتھ ہے۔ میں نے دانش کی کسی بات سے کبھی اختلاف نہیں کیا اور اللہ کا شکر ہے کہ وہ قدر کرنے والے بندے ہیں۔'' وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔

ناشتے کی ٹیبل پر دانش صاحب اور بچوں سے ملاقات ہوئی۔ وہ خاصے خوشگوار موڈ میں ننھی مومنہ کو گود میں بٹھائے بیٹھے تھے۔ شائل کچھ خاموش تھی اور افسردگی کی سی کیفیت میں بچوں کو ناشتہ کروانے میں مگن تھی۔ جبکہ دانش صاحب بار بار مجھے ڈھنگ سے ناشتہ کرنے کی تلقین کررہے تھے۔

''کم آن شائل! دیکھو ہماری مومنہ اب ماشاء اللہ کتنی فریش ہے اور تم ابھی تک افسردہ ہو۔ فٹافٹ اچھی سی چائے بنا کردو۔'' وہ زبردستی مسکرائی اور ان کیلئے چائے بنانے لگی۔ چائے

کا کپ ان کی طرف بڑھا کر اس نے مومنہ کو اٹھالیا جو قلقاریاں مار رہی تھی۔

"ارے میرے بیٹے کو میری گود سے کیوں لے لیا؟" وہ مصنوعی خفگی سے بولے۔ میں نے بڑی حسرت سے اس خوشگوار منظر کو دیکھا اور دل میں اس کی خوشیوں کی مزید دعا مانگی۔

"ارے مسز یہ کیا......؟" پہلے ہی گھونٹ پر دانش صاحب نے برا سا منہ بنایا۔ "یار تم نے اس میں شوگر نہیں ڈالی۔ کمال ہے، تم آج کیسے بھول گئیں کہ میں ہمیشہ ون اینڈ ہاف اسپون چینی کا لیتا ہوں۔ لگتا ہے میری بیٹی کی خرابی طبیعت نے ہماری مسز کو خاصا اپ سیٹ کر دیا ہے۔"

ناشتہ کرتے ہوئے میں اچانک چونکا۔ بے اختیار سامنے بیٹھی شمائل کو دیکھا' جس نے فوراً نظریں چرائی تھیں۔ ایک خوشگوار سا تاثر میرے اندر بیدار ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی لہروں نے میرے سارے وجود کا احاطہ کر لیا۔ میں ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ گزشتہ سات سالوں کی زندگی میں گزری تمام تلخیاں' دکھ اور پریشانیاں ایک دم کہیں چھپ گئی تھیں۔

مجھے یاد تھا تو بس اتنا کہ بے شک شمائل دانش ایک کامیاب اور بھرپور زندگی گزار رہی تھی' جس کی میں نے خواہش کی تھی اور شاید کہ میں درست وقت پر اگر درست فیصلہ کر لیتا تو آج میرے گھر کے گیٹ پر بھی "محبت کدہ" کے الفاظ کندہ ہوتے۔ وقت کو واپس لانا تو میرے اختیار میں نہیں تھا' لیکن اپنی اگلی زندگی کو گزارنے کیلئے میرے لئے یہ صرف ایک بات ہی کافی تھی کہ سات سال گزرنے کے باوجود شمائل دانش کو آج بھی یاد ہے کہ "عادل صدیقی چائے میں شوگر نہیں لیتا۔"

اور ہم جیسے لوگ جو بساط دل پر ٹھیک وقت پر درست مہروں کا استعمال نہیں کرتے ایسے بے وقوفوں کیلئے کبھی کبھی ایک فقرے کی خوشگواری ہی ساری زندگی کی ضامن بن جاتی ہے...... جیسے کہ شمائل کا ایک جملہ میرے لئے زادِ راہ بن گیا تھا۔

❖❖❖

خالی ہاتھ

وہ جیٹھ کی ایک حبس زدہ شام تھی جب رام بلڈنگ کے بالکل سامنے کالی ماتا کے مندر میں بجنے والی گھنٹی کی آواز نے دل میں عجیب سی کثافت بھر دی تھی۔

مندر کا دروازہ چونکہ منہدم ہو چکا تھا' اس لئے سامنے چبوترے پر بڑے فخر سے بیٹھی بے شمار بازوؤں والی کالی ماتا کو دیکھ کر دل نے وحشت بھری جھرجھری لی تھی۔ آج پتا نہیں کیوں پوری گلی میں سناٹا تھا۔ مندر کے اندر بجنے والی گھنٹی کی آواز نے پوری فضا میں ایک ارتعاش سا پیدا کیا تھا اور اس کے بعد اداسی سے لبریز خاموشی نے پورے ماحول کو پھر اپنی بانہوں میں لے لیا تھا۔

قیام پاکستان سے پہلے بننے والی "رام بلڈنگ" شاید کسی زمانے میں شان و شوکت کی حامل رہی ہو' لیکن اب بوسیدگی' خستگی اور گھٹن اس کے در و دیوار میں رچ بس سی گئی تھی اور رنگ و روغن بھی شاید ایک صدی پہلے کروایا گیا تھا' اس لئے اب اس کی "باقیات" بھی تقریباً ناپید تھیں۔ اس عمارت میں تنگ و تاریک سے آٹھ فلیٹ تھے اور ایسا لگتا تھا کہ یہاں بسنے والے سارے مکینوں کی قسمت ایک جیسی تھی۔ غربت اور افلاس نے ان لوگوں کا دامن بالکل ایک ضدی بچے کی طرح پکڑا ہوا تھا۔

اس نے جیسے ہی رام بلڈنگ میں قدم رکھا' بجلی دغا دے گئی۔ سیڑھیوں پر لگا ساٹھ واٹ کا بلب جھٹکے سے بند ہو گیا۔ اتنے سال رہنے کے باوجود وہ ان انتہائی تنگ سیلن زدہ سیڑھیوں سے آشنا نہیں ہوئی تھی' اس لئے گھپ اندھیرے میں دیوار ٹٹول ٹٹول کر اوپر چڑھ رہی تھی۔

آج تو ویسے بھی صبح سے اس کے وجود میں بھانبڑ سے جل رہے تھے۔ اس کے روم روم میں اضطراب کسی دہکتے ہوئے سیال مادے کی طرح گھوم رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں آج کا اخبار اٹھا

رکھا تھا جس کی خبریں اب اس کیلئے باسی ہو چکی تھیں۔

وہ سیکنڈ فلور کے ایک بوسیدہ سے فلیٹ کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ لوہے کے بدرنگ دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا ہی چلا گیا۔ وہ جانتی تھی کہ دروازہ کھلا ہی ہوگا۔ اس کی خوش قسمتی تھی کہ جیسے ہی وہ اندر داخل ہوئی' بجلی صاحبہ آ گئیں اور دو کمرے' چھوٹا سا باورچی خانہ اور انتہائی مختصر سائی وی لاؤنج روشن ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ ابا کا کمرہ بند تھا۔ وہ شاید دوائیوں کے زیر اثر سو رہے تھے' حالانکہ وہ دبے قدموں اندر داخل ہوئی تھی لیکن نمرہ کی آنکھ پھر بھی کھل گئی تھی۔

''کیا ہوا' سو گئی تھیں؟'' اس نے نمرہ کا تھکا تھکا سا چہرہ غور سے دیکھا وہ نیلے رنگ کا لان کا ملگجا سا سوٹ پہنے ہوئے تھی' جو کثرت دھلائی کی وجہ سے بدرنگ ہو چکا تھا' لیکن اس کے چہرے پر ہمیشہ کی طرف مسکراہٹ تھی۔

''ابا کو کھانا دیا اور انہوں نے دوائی تو ٹائم پر لی ناں؟'' اس کی فکرمندی پر نمرہ مسکرائی اور اثبات میں سر ہلا کر انتہائی محبت سے اپنی بڑی بہن کو دیکھا اور تشویش بھرے لہجے میں پوچھا

''آپ نے کھانا کھایا؟''

''نہیں......'' اسے آج کھانے سے چنداں دلچسپی نہ تھی۔ جس کوفت کا گٹھڑ اٹھا کر وہ گھر لائی تھی' وہ ابھی تک اعصاب پر حاوی تھی' جس نے بھوک پیاس سب کچھ ختم کر دی تھی۔

''کھانا لے کر آؤں؟ آج میں نے بھنڈی گوشت بنایا ہے۔'' نمرہ کے اشتیاق بھرے انداز پر وہ جبراً مسکرائی اور دوپٹہ اتار کر کرسی پر پھینکا اور پنکھا تیز کیا۔

''یار! بس ایک اچھا سا چائے کا کپ بنا دو' بھوک بالکل بھی نہیں ہے۔'' وہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئی۔ پانچ منٹ کے بعد وہ شاور لے کر واپس آئی تو گرمی کا احساس کچھ کم ہو چکا تھا۔ تولیہ باہر ٹیرس نما چھوٹی سی گیلری میں لگی رسی پر پھیلا کر واپس آئی تو نمرہ چائے کے دو کپ لے کر اندر آ چکی تھی اور اب اس کی طرف غور سے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو؟'' چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے اس نے اپنی اٹھارہ سالہ بہن کی محویت کو نوٹ کیا اور مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''پتا نہیں کیوں ایسے لگ رہا ہے جیسے آپ کچھ پریشان ہیں۔''

''کون' میں؟'' وہ مصنوعی حیرت سے پوچھ رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ اس کی یہ چھوٹی سی حساس دل کی حامل بہن چہرے سے دل کا حال جاننے میں ماہر ہے۔ اٹھارہ سالوں میں اس

نے زندگی کو خوب برت لیا تھا اور تلخ تجربات نے اسے وقت سے پہلے بہت بڑا کر دیا تھا۔

''پریشانیاں تو ہماری زندگی کا حصہ بن چکی ہیں مائی ڈیئر۔'' اس نے چائے کا سپ لیتے ہوئے چھت پر لگے اکلوتے پنکھے کو رنجیدگی سے دیکھا' جس کی ہوا آج ضرورت سے زیادہ گرم لگ رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہیں اپیا؟''

''سوچ رہی ہوں جیسے ہی نئی ملازمت مل گئی فوراً ایک ایئر کولر لوں گی۔ ابا بے چارے اتنے گرم کمرے میں سارا دن رہتے ہیں۔'' نمرہ نے چونک کر بہن کا چہرہ غور سے دیکھا' جس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔

''کیا یہ ملازمت بھی ختم ہو گئی؟'' نمرہ فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں آج قوت برداشت ختم ہو گئی' اس لئے استعفیٰ ان کے منہ پر مار کر آ گئی۔'' اس کی آواز میں عجیب سی تلخی رچی ہوئی تھی۔ اس کے جواب پر نمرہ کی مسکراہٹ لمحے بھر کو ڈگمگائی ضرور تھی' لیکن لبوں سے جدا نہیں ہوئی تھی۔

''چلو' اللہ بہتر کرے گا۔ آپ ٹینشن نہ لیں' کوئی نہ کوئی اور راستہ نکل آئے گا۔'' نمرہ نے اپنے مخصوص ہمت دلاتے ہوئے لہجے میں اسے دلاسا دیا۔ اس نے نوکری ختم ہونے کی وجوہات نہیں پوچھی تھیں' کیونکہ اسے علم تھا کہ ہمیشہ کی طرح ایک ہی وجہ ہوگی جس نے اس کی باہمت بہن کے صبر کا پیمانہ لبریز کر دیا تھا۔

❖❖❖

اس نے ناب گھما کر اس شاندار انٹیریئر والے آفس کا منقش چوبی دروازہ کھولا تو اے سی کی مخصوص ٹھنڈک میں زبردست مہک والے ایئر فریشنر آنر کی خوشبو نے طبیعت فریش کر دی تھی...... اس نے بڑے تمکنت بھرے انداز سے گرے کارپٹ والے فرش پر قدم رکھا تھا۔ باہر کی سخت گرمی کے موسم میں اس کمرے کا ماحول اسے کسی جنت سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ اس شاندار آفس میں موجود لیپ ٹاپ پر مصروف شخص کی شخصیت اس آفس سے زیادہ شاندار تھی۔ وہ مردانہ وجاہت سے بھرپور تھا۔ گرے پینٹ پر سفید لائنوں والی شرٹ اور گرے ٹائی میں وہ کسی بھی خوبصورت ہیرو سے کسی طور کم نہیں لگ رہا تھا۔

عانیہ نے اسے متوجہ کرنے کیلئے پُراعتماد انداز سے سلام کیا تو وہ بری طرح چونکا۔ اس

کے چہرے کے تاثرات بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے۔ ناگواری کی بھرپور لہر نے بڑی تیزی سے اس کے وجود کا احاطہ کیا تھا۔ اتنی ہی سرعت سے مدمقابل نے اسکے تاثرات کو بڑی حیرت سے پڑھا تھا۔

"مجھے عانیہ جمیل کہتے ہیں۔" اس نے فوراً اپنا تعارف کروایا' لیکن سامنے بیٹھے شخص کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"مجھے رضا کاظمی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" وہ مدمقابل کی تیوری کے بل کم کرنے کیلئے مجبوراً مزید بولی تھی' جبکہ ارحم بخاری جانچتی نظروں سے اس کا جائزہ لینے میں مگن تھا۔

اسے رہ رہ کر اپنے لنگوٹیے دوست رضا پر شدید غصہ آ رہا تھا جو بدقسمتی سے اس کا بزنس پارٹنر بھی تھا اور پچھلے چار روز سے وہ عانیہ جمیل نامی لڑکی کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔

"یار! وہ بہت زبردست لڑکی ہے' قلم پر اس کی گرفت خاصی مضبوط اور حالات حاضرہ پر گہری نظر ہے۔ وہ ہر لحاظ سے انتہائی زبردست لڑکی ہے۔"

ارحم بخاری نے ایک دفعہ پھر رضا کی "زبردست" لڑکی کو غور سے دیکھا' سفید ململ کے عام سے دوپٹے' نیلے رنگ کے پھولوں والی لان کی قمیض کے ساتھ وہ سفید شلوار میں ایک انتہائی "عام" سی لڑکی تھی۔ اس کے پیروں میں وہ اڑھائی سو کی شاید کسی سیل میں خریدی گئی چپل اور کندھے پر براؤن کلر کا بوسیدہ سا چمڑے کا بیگ تھا' جو اس کی کمزور معاشی حالت کی داستان کھل کر سنا رہا تھا۔ اس نے درمیان سے مانگ نکال کر بال بنا رکھے تھے جبکہ چہرہ میک اپ سے بالکل مبرا تھا۔ نین نقش اس کے اچھے تھے اور رنگت بھی صاف تھی' لیکن وہ کہیں سے بھی رضا کے بتائے گئے "زبردست" کے خاکے پر پورا نہیں اترتی تھی۔

وہ بالکل اس کے سامنے والی سیٹ پر بڑے طمطراق سے گردن اٹھا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا انداز اس کے حلیے کے بالکل برعکس تھا' جس کی وجہ سے ارحم کو اس پر نہ جانے کیوں غصہ آنے لگا تھا۔

"کسی بھی تعلیم یافتہ' مہذب انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بغیر اجازت کسی کے آفس میں بیٹھ جائے۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رضا کا غصہ اس پر اتار بیٹھا تھا اور اس کی یہ کوشش نادانستہ تھی۔

"میں اجازت ضرور مانگتی' اگر کوئی تعلیم یافتہ اور مہذب انسان میرا پوسٹمارٹم کرنے کے شغل میں مصروف نہ ہوتا۔" اتنا کٹیلا جواب۔ ارحم کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ لمحہ بھر کو اس کی زبان گنگ ہوئی۔

"دیکھیں بی بی!"

"میرا نام بی بی نہیں عانیہ جمیل ہے۔" اس نے بات کاٹ کر فوراً تصحیح کی تو ارحم کے چہرے پر ناگواری اور جھنجھلاہٹ کے رنگ تیزی سے پھیل گئے۔

'اسی نام ہی کا تو سارا فساد ہے۔' وہ دل ہی دل میں کھولا تھا' کیونکہ اس کے نام کے سحر میں اس نے تصوراتی خوبصورتی کا ایک پیکر اپنے ذہن میں بنا لیا تھا' جو اسے دیکھتے ہی ریت کے محل کی طرح زمین بوس ہوا تھا۔

'اتنا خوبصورت نام اس طرح کی عام سی لڑکی کا بھی ہوسکتا ہے؟' وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا' اسی وجہ سے اسے جھٹکا خاصا زوردار لگا تھا۔

"آپ اپنا سی وی دکھانا پسند کریں گی؟" اس کے طنزیہ انداز پر عانیہ تناؤ کا شکار ہوئی اور اب اس کا اپنا مزاج بھی خاصا برہم ہو چکا تھا' اس کے باوجود اس نے اپنے براؤن بیگ سے نیلے رنگ کی عام سی فائل نکالی تھی۔ یہ فائل اس نے بک سٹال سے پندرہ یا بیس روپے کی خریدی تھی۔ اس کے اوپر سفید رنگ کا تسمہ لگا ہوا تھا' جس میں تین صفحات کا سی وی پرو دیا گیا تھا۔

ارحم نے سخت ناپسندیدہ نظروں سے اس عام سے گتے کی بنی فائل کو دیکھا۔ بدقسمتی سے وہ حد درجہ برانڈ کونشس بندہ تھا اور ہر چیز میں خوبصورتی اور نفاست اس کی پہلی ترجیح ہوتی تھی۔ ان چیزوں پر وہ کسی صورت میں بھی سمجھوتہ کرنے کا قائل نہیں تھا' اس وقت وہ خود بھی جورجیو آرمانی کا پینٹ شرٹ سوٹ' ہیوگو باس کی ٹائی اور چینل فائیو کا پرفیوم لگائے ہوئے تھا۔ عام چیز تو اس کی نظروں کے آگے کسی صورت بھی نہیں ٹھہرتی تھی۔

اس نے بمشکل ایک منٹ اس کے سی وی پر سرسری نظر ڈالی اور فائل ٹیبل پر رکھ دی۔ ہاتھ میں پکڑا قیمتی پین فولڈر میں لگایا اور لاتعلق سے انداز میں بیٹھی عانیہ کو دیکھا جو آفس میں لگی پینٹنگ کو بہت غور اور توجہ سے دیکھ رہی تھی۔

"دیکھیں عانیہ! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے چینل کیلئے جو کوالیفیکیشن

درکار ہے آپ اس پر پورا نہیں اتریں' اس لئے آئی ایم سوری۔'' اس نے اپنی طرف سے بھرپور شاٹ لگائی جبکہ دوسری طرف اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

''ہاں! مجھے بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ جس پوسٹ کیلئے مجھے رضا صاحب نے بھیجا ہے میری کوالیفکیشن اس لحاظ سے زیادہ ہے۔'' عانیہ نے اسے کلین بولڈ کرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

''زیادہ ہے؟'' ارحم کے طنزیہ انداز میں حیرت کی فراوانی تھی۔ اسے عانیہ کے تاثرات سراسر اپنا مذاق اڑاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔ وہ اپنے بیگ سے چیونگم نکال کر اب لاپروائی سے منہ میں ڈال رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ آپ کو اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ غلط فہمی ہے۔'' وہ تمسخرانہ انداز سے مسکرایا تھا' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس لڑکی کو آخر کس چیز کا زعم ہے۔

''مجھے اپنے بارے میں کوئی غلط فہمی نہیں' لیکن میں آپ کی یہ خوش فہمی دور کرنا چاہتی ہوں کہ آپ کے چینل کو جمعہ جمعہ ابھی آٹھ دن بھی نہیں ہوئے ابھی تو آپ کے اپنے پورے خاندان کو اس کے نام کا بھی علم نہیں ہوگا' جبکہ میں جس چینل کو چھوڑ کر آئی ہوں اس سے تو حکومت وقت بھی خوفزدہ ہے۔ آپ لوگ یونیورسٹی سے تازہ تازہ فارغ التحصیل بیروزگار نوجوانوں کو انٹرویو کیلئے بلوائیں تو وہ شاید اپنی خدمات اس نئے چینل کو دینے پر راضی ہو جائیں ورنہ میرے جیسے لوگوں کیلئے تو ہر چینل کے دروازے کھلے ہوں گے' وہ یہاں آ کر اپنا ٹائم کیوں ضائع کریں گے۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

ارحم کے اعصاب تن گئے تھے۔ اس نے بمشکل اپنے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کو دبایا تھا اور تیوری پر بل ڈالے اس منہ پھٹ اور بدتمیز لڑکی کو دیکھا تھا' جس کے اعصاب خاصے مضبوط تھے۔ وہ اپنی فائل بیگ میں ڈال کر اب چڑانے کے انداز میں چیونگم چبا رہی تھی۔

''رضا صاحب کو میرا پیغام دے دیجئے گا کہ برائے مہربانی مجھے مزید بار بار فون کر کے میرا وقت ضائع کرنے کی کوشش نہ کریں تو بہتر ہے' کیونکہ میں زیادہ دیر تک مروت کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔'' وہ اب باہر نکل رہی تھی۔ دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے چیونگم کا بڑا سارا غبارہ بنا کر پھوڑا تھا اور اس کی اس حرکت پر ارحم مشتعل ہو کر اسے کھری کھری سنانے کیلئے کھڑا ہوا' لیکن وہ آفس سے جا چکی تھی۔

''کیا چیز تھی یہ......؟'' وہ جی بھر کے بدمزا ہوا تھا۔

✥ ❖ ✥

ارحم کا دماغ بھک کر کے اڑا تھا۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مظہر صاحب اس ال مینرڈ' بدتمیز اور فضول سی لڑکی کی وجہ سے اپنے سب سے لاڈلے بیٹے کی طبیعت ایک منٹ میں صاف کر دیں گے۔ وہ پہلی دفعہ زندگی میں پاپا کے سامنے خائف ہوا تھا' جو بول نہیں رہے تھے بلکہ ان کے منہ سے آگ کے گولے نکل رہے تھے جو تاک تاک کر اس کے اور رضا کے اوپر لگ رہے تھے۔

ابھی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو انہوں نے ان دونوں کو ہنگامی میٹنگ کیلئے بلایا تھا۔ رضا اس سے دس منٹ پہلے ہی پہنچا تھا اور گھبرائی ہوئی نظروں سے سرمئی کلر کے ٹوپیس سوٹ میں مظہر صاحب کو دیکھ رہا تھا' جن کے چہرے کے نقوش غصے کی زیادتی سے بگڑے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر مخصوص' دھیمی اور پروقار سی مسکراہٹ آج ناپید تھی اور آج تو وہ لفظوں کے چناؤ کے معاملے میں بھی سخت غیر محتاط تھے۔

''رضا! تمہیں کس سٹوپڈ نے کہا تھا کہ عانیہ جمیل کو انٹرویو کیلئے اس ڈفر کے پاس بھیجو' جس کو خود جرنلزم کی الف' بے کا نہیں پتا' میں چار دن کیلئے ملک سے باہر کیا گیا' سارا معاملہ ہی خراب کر دیا۔'' وہ اس قدر مشتعل کیوں ہو رہے ہیں' ارحم یہ سمجھنے سے قاصر تھا اور ''ڈفر'' کے خطاب پر اس نے احتجاجی نظروں سے پاپا کو دیکھا جو اس وقت آنکھیں ماتھے پر رکھے بیٹھے تھے۔

''اصل میں انکل! اس نے مجھے اچانک ہی بتایا تھا کہ اس کے پاس ایک اور آفر بھی موجود ہے' اس لئے میں نے ارحم کے پاس بھجوا دیا۔'' رضا نے ایک مرتبہ پھر صفائی دینے کی ناکام کوشش کی۔

''ماشاء اللہ!'' انہوں نے طنزیہ نظروں سے اپنے سپوت کو دیکھا۔ اب کے وہ بولے نہیں' ہنکارے تھے۔

''تمہیں پوری دنیا میں ایک یہ ہی عقل مند ملا تھا' جس کے پاس اس اچھی خاصی لڑکی کو بھجوا دیا' کیا قریشی صاحب مر گئے تھے یا میں نے پاکستان واپس نہیں آنا تھا۔''

وہ بری طرح جھنجلا رہے تھے۔ ان کے سخت طنزیہ لہجے پر ارحم نے ناگواری سے صوفے

پر پہلو بدلا تھا۔ اس کے ذہن و دل بھی سخت کھولن میں تھے اور رضا کے چہرے پر پوشیدہ محظوظ ہونے والی مسکراہٹ کو صرف ارحم بخاری ہی پڑھ سکتا تھا اور یہ تحریر اسے مزید زچ کر رہی تھی۔

"انکل! آپ اتنی زیادہ ٹینشن کیوں لے رہے ہیں، کوئی اور راستہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں۔" رضا نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی جو بے سود گئی۔

"ٹینشن نہ لوں تو اور کیا کروں، مجھے لگتا ہے کہ وہ الو کا پٹھا سلطان ہاشمی اسے ایک دفعہ پھر ہائر کرلے گا۔" انہوں نے اپنے بدترین خدشے کا اظہار کیا۔

"یہ بات تو آپ اپنے ذہن سے نکال دیں کہ وہ سلطان ہاشمی گروپ میں واپس جائے گی۔ میں اس کے مزاج سے آگاہ ہوں اور وہ جس طرح ہاشمی کی طبیعت صاف کر کے آئی ہے اور استعفیٰ باقاعدہ اس کے منہ پر مار کر آئی ہے وہ دوبارہ کسی صورت وہاں نہیں جائے گی، چاہے وہ اسے ایک کالم کا ایک لاکھ ہی کیوں نہ دیں۔" رضا کی تسلی پر وہ تھوڑا سا ٹھنڈے ہوئے تھے۔ چہرے پر تناؤ کی کیفیت میں بھی کمی آ گئی تھی۔

"لیکن وہ دنیا کا گھٹیا ترین انسان جمشید سبحانی بھی تو اس کے تعاقب میں ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ بھی اس کے چکروں میں ہے، ظاہر ہے کہ کام کی چیز کون اپنے ہاتھ سے گنواتا ہے۔ یہ تو ہماری اولاد ہے جس نے عقل نام کی چیز کو طاق پر سجا رکھا ہے ورنہ وہ اچھی خاصی راضی تھی اور صرف پیکیج طے کرنا باقی تھا۔" مظہر صاحب کی بات ارحم کو کوڑے کی طرح لگی تھی۔

"رہنے دیں پاپا! آپ خوامخواہ اسے اہمیت دے رہے ہیں جیسے "بابائے صحافت" کا خطاب اسے ہی ملنے والا ہو۔ ایسے کون سے پر لگے ہوئے ہیں محترمہ کو۔"

وہ خاصے غلط موقع پر انتہائی بے تکا بولا تھا۔ مظہر صاحب نے انتہائی غضبناک نظروں سے اسے دیکھا اور تڑخ کر بولے۔

"رضا! ذرا بتاؤ اس احمق اعظم کو کیا چیز تھی وہ، اس کی تو ایڈورٹائزنگ ایجنسی نے مت مار رکھی ہے اور رہی سہی کسر اس ایجنسی میں آنے والی سوکھی سڑی سفید چمڑی والی بے وقوف لڑکیوں نے پوری کر رکھی ہے۔ ان جاہل اور دماغ سے عاری لڑکیوں کے ساتھ رہ رہ کر یہ خود بھی ویسا ہی ہوگیا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ میڈیا میں اس جیسے بے وقوف لوگ جو گھر آیا ٹیلنٹ اپنے حریفوں کے حوالے کر دیتے ہیں، وہ زیادہ دیر تک چل نہیں سکتے۔"

مظہر صاحب آج حد درجہ برہم ہو رہے تھے، چونکہ ارحم کو ان سے اس قدر برہمی کی توقع نہیں تھی، اس لئے وہ خفگی سے بولا تھا۔

"مجھے تو اس میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جس کی وجہ سے آپ میری انسلٹ کر رہے ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" مظہر صاحب نے جھنجھلا کر پانی کا گلاس شیشے کی میز پر پٹخا تھا اور شعلے برساتی نظروں سے ارحم کو دیکھا، جس کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تمہاری طرح اس نے بی گریڈ میں ساری ڈگریاں اکٹھی نہیں کر رکھی ہیں۔" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے انہوں نے خاصا بڑا طنز کیا تھا۔ ارحم نے سخت احتجاجی نظروں سے انہیں دیکھا اور اس دفعہ بولنے سے پرہیز کیا۔

"پنجاب یونیورسٹی میں ایم فل میں گولڈ میڈل لے چکی ہے اور اس وقت سے لکھ رہی ہے جب تمہارے جیسے لڑکے او لیول کی کتابوں میں متھا مار رہے ہوتے ہیں۔ ٹاپ کے اخبارات میں لکھ چکی ہے۔ ہائی ریٹنگ والے چینل پر کام کرنے کا وسیع تجربہ رکھتی ہے اور وہ جو سلطان ہاشمی نامور کالم نگار ہے، اسے تو قلم بھی پکڑنا نہیں آتا، بے شمار ایوارڈز وہ اسی لڑکی کی وجہ سے لے رہا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا......؟" ارحم بالکل نہیں سمجھا تھا۔

"مطلب تو صاف ظاہر ہے کہ سلطان اسی سے کالم لکھواتا تھا اور اپنے نام سے چھپوا کر واہ واہ کرواتا تھا اور وہ جو سیاست پر اپنا مشہور و معروف پروگرام کر کے سیاستدانوں کے پرخچے اڑاتا تھا، اس پروگرام کے پیچھے بھی ساری محنت اور تحقیق اسی لڑکی کی ہوتی تھی، جس کی وہ الو کا پٹھا کیش کروا رہا تھا۔ اللہ جانے ایسے کاٹھ کے الو اس سلطان کو کہاں سے مل جاتے ہیں۔" مظہر صاحب کے اس انکشاف پر باوجود خفگی کے ارحم کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"لیکن وہ بے وقوف لڑکی کیوں اس کو لکھ کر دیتی ہے، اپنے نام سے کیوں نہیں چھپواتی۔" وہ بری طرح جھلایا تھا۔

"ہوتے ہیں ایسے خر دماغ لوگ جن کو نام و شہرت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔ وہ صرف معاوضے کیلئے اپنی تخلیق کو دوسروں کا نام سونپ دیتے ہیں۔" وہ اب سگار سلگا رہے تھے اور ان کا ذہن مختلف قسم کی سوچوں کو جمع تفریق کر رہا تھا جبکہ تفکرات کا جال ان کے چہرے پر جوں کا

توں تھا۔

رضا نے گلا کھنکھار کر ان کو اپنی طرف متوجہ کیا اور قدرے محتاط انداز سے کہا۔ ''میرے خیال میں انکل! مجھے عانیہ جمیل سے ایک دفعہ پھر بات کرنی چاہیئے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی درمیانی راہ نکل آئے اور میں ارحم کے رویے پر ایکسکیوز بھی کرلوں گا۔''

مظہر صاحب کسی خیال سے چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ''ہاں' کر کے دیکھ لو' لیکن جس قسم کے مزاج کی وہ لڑکی ہے' میرا خیال ہے کہ مشکل سے ہی راضی ہوگی۔'' انہوں نے صاف گوئی سے کہا تو وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔

❖❖❖

رضا انتہائی سخت صدمے اور تاسف بھری نظروں سے اپنے سامنے بیٹھے ارحم بخاری کو دیکھ رہا تھا' جو لاپروائی سے چکن شاشلک سے بھرپور انصاف کر رہا تھا۔

''یار! مجھے ابھی تک اس بات کا یقین نہیں آ رہا کہ تم نے اس لڑکی کو صاف شکل وصورت کی بناء پر ریجیکٹ کیا تھا' حالانکہ تم سے امید تو اسی بات کی رکھنی چاہیئے لیکن میرا خیال تھا کہ وہ تو انکل کے آفس میں ہوگی' اس لئے تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔'' میریٹ میں لنچ کرتے ہوئے رضا نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ اسے جب ارحم نے اصل وجہ بتائی تو اس کا دماغ بھی بھک کر کے اڑا تھا۔

''فار گاڈ سیک رضا! اب تم پاپا کی طرح مجھے یہ لیکچر مت دینا کہ وہ کتنی ذہین وفطین ہے اور یہ کہ اس کا تعلق افلاطون کے خاندان سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ پاکستان میں کیسا کیسا ٹیلنٹ رل رہا ہے۔ پاپا ایک دفعہ نیوز پیپر میں ایڈ تو دے کر دیکھیں' منوں کے حساب سے بیروزگار لوگوں کی درخواستیں آئیں گی اور بہت سے لوگ تو مفت میں بھی کام کرنے کو تیار ہوں گے۔'' وہ اب پاستا کھا رہا تھا۔

''لیکن ہمیں درجنوں کے حساب سے ناتجربہ کار لوگوں کی ضرورت نہیں ہے۔ مسابقت کی اس دوڑ میں کسی بھی چینل کو اپنی جگہ بنانے کیلئے انویسٹمنٹ کے علاوہ زرخیز دماغوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ صحافت کی دنیا میں بقا کی جنگ ہے یار۔'' رضا کی بھوک اڑ چکی تھی۔

''تو تم اور پاپا بقا کی جنگ ہارس ٹریڈنگ کر کے لڑنا چاہتے ہو؟'' ارحم کے چہرے پر دل جلانے والی تمسخرانہ مسکراہٹ تھی۔ رضا کو سخت افسوس ہوا تھا۔

''ہم نے کسی بھی قسم کی ہارس ٹریڈنگ نہ کی ہے اور نہ کریں گے۔ بہتر سے بہتر کی تلاش کسے نہیں ہوتی اور اگر کوئی بہتر معاوضے کیلئے کسی ادارے کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جاتا ہے تو یہ اس کا حق ہے' ہم اسے اس حق سے محروم نہیں کرسکتے۔'' وہ ٹھنڈے پانی سے اپنے اندر کی جلن کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

''اور اگر وہ تمہارا ادارہ چھوڑ کر کہیں چلا جائے تو؟'' ارحم نے طنز کیا۔

''ہمیں تب بھی کوئی اعتراض نہیں۔'' وہ فوراً بولا تھا۔

''بہرحال جو کچھ بھی ہوا میں نے دانستہ طور پر نہیں کیا' مجھ سے خود بخود ہوگیا۔ تمہیں معلوم ہے ناں کہ میرے کچھ اصول ہیں اور میں ان سے انحراف نہیں کرسکتا۔ میں حد درجہ اسٹیٹس کونشس ہوں اور مجھے اپنی اس عادت پر کوئی شرمندگی نہیں۔ میں حد درجہ نفیس طبیعت کا حامل ہوں اور جو لوگ مجھے پہلی نظر میں اچھے نہیں لگتے' میں ان سے بات بھی نہیں کرتا۔'' وہ ٹشو پیپر ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے حد درجہ تلخ لہجے میں بولا تھا۔

''انسانیت کے ناتے بھی کچھ اصول ہوتے ہیں۔'' رضا کا انداز طنز لئے ہوئے تھا۔

''ہوتے ہوں گے' لیکن اپنی زندگی کیلئے اصول وضابطے میں خود مرتب کرتا ہوں۔'' اس نے سکون سے جواب دیا تھا۔

رضا کا سارا موڈ غارت ہوگیا تھا' حالانکہ وہ ارحم کی ان عادتوں سے اچھی طرح آگاہ تھا لیکن آج نہ جانے کیوں اس کا دل دکھ اور تاسف کے گہرے احساس سے بھر گیا تھا۔ اس نے خفگی سے اپنے سامنے بیٹھے اپنے سب سے قریبی دوست کو دیکھا' جو گلاس ڈور سے اندر داخل ہوتی ایک قیامت کو اشتیاق بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سامنے ہی ایک محترمہ شعلہ جوالا بنی اندر آ رہی تھیں۔ نیوی بلیو کلر کی ساڑھی میں اس کے وجود کے سارے زاویے نمایاں تھے۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ اس وقت لنچ کیلئے آئے سب ہی لوگوں کی نظریں اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ آستینوں سے بے نیاز اس کی سفید دودھیا باہیں بہت دل آویز لگ رہی تھیں۔ بالوں کا نفیس سا جوڑا اور مرمریں گردن میں نازک سا نیکلس تھا۔ سلیقے اور مہارت سے کئے گئے میک اپ نے اس کے چہرے کے خوبصورت نقوش میں ایک محسوس کی جانے والی دلکشی بھر دی تھی۔

وہ نزاکت سے قدم اٹھاتی پہلے سے ریزرو میز کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ اپنے

اسٹائلش سے پرس سے وہ اپنا بلیک بیری سیل فون نکال کر اب کوئی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

ارحم کی نگاہیں مقناطیس کی طرح اس کے خوبصورت چہرے پر ٹکی ہوئی تھیں جبکہ رضا نے سخت خائف ہوتی نگاہوں سے ارحم بخاری کو دیکھتے ہوئے انتہائی ناگواری سے کہا۔

''بس کرو اسے دیکھنا' آج کی قسط کیلئے اتنا ہی کافی ہے۔''

ارحم چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا اور اس کا خفا خفا انداز دیکھ کر ڈھٹائی سے ہنس پڑا تھا۔

''اب بتاؤ اس لڑکی کو دیکھ کر خیال نہیں آتا کہ اس کا نام ''عانیہ'' ہونا چاہئے۔''

''اس کے نام کا تو پتا نہیں' لیکن تمہارا نام ''لوفر'' ہونا چاہئے تھا۔'' رضا نے جل کر کہا تو ارحم کیلئے بے ساختہ قہقہے پر بہت سے لوگ متوجہ ہوئے۔

''یہ لڑکی میرے اگلے ایڈ میں آئے گی۔'' وہ بہت پر اعتماد انداز میں اسے اطلاع دے رہا تھا۔

''ہر خوبصورت لڑکی عقل سے عاری نہیں ہوتی۔'' رضا نے سابقہ طنزیہ انداز سے کہا۔

''چلو دیکھتے ہیں۔'' اس کی مسکراہٹ میں واضح کھسیاہٹ تھی۔

❖ ❖ ❖

''جسم کو جھلسا دینے والے لو کے تھپیڑے اسے سخت اذیت میں مبتلا کئے دے رہے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر چمکتے دمکتے آفتاب کو دیکھا' جو آج آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اس نے لان کے دوپٹے سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیا اور اپنے چمڑے کے بیگ کو دائیں سے بائیں کندھے پر منتقل کیا۔

اس نے اپنے قریب موٹر سائیکل رکنے کی آواز سنی تھی۔ وہ اس کے بہت قریب آ کر بولا تھا۔

''آ جاؤ' بہت گرمی ہے' میں تمہیں سٹاپ تک چھوڑ آتا ہوں۔''

وہ ایک دم اچھلی' دل بے قابو ہوا' لیکن سامنے مانوس چہرہ دیکھ کر اس نے سینے پر بے اختیار رکھا ہاتھ اٹھایا۔

''تم کیا الہ دین کے جن کی طرح ہر جگہ نازل ہو جاتے ہو......'' اپنی بے ترتیب سانسوں کو قابو میں لاتے ہوئے وہ بمشکل بولی تھی۔ جواب میں اس کے لبوں پر ایک گہری

اور جاندار مسکراہٹ ابھری تھی۔

''ایک اسائنمنٹ کے سلسلے میں کسی سے ملنا تھا۔'' اس نے مختصراً جواب دیا اور اس کے ہاتھ میں پکڑا سبزی کا شاپر آرام سے لیا اور موٹر سائیکل کے آگے لٹکا دیا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بھی چوں چراں کئے بغیر بیٹھ گئی تھی۔

دس منٹ کے بعد وہ اپنا موٹر سائیکل اس تنگ سی گلی میں داخل کر چکا تھا۔ اسے اس گلی میں مہارت سے موٹر سائیکل چلانے کا خاصا تجربہ تھا۔ وہ اب مندر کے آگے موٹر سائیکل کھڑی کر چکا تھا۔

''آؤ' کالی ماتا کو سلام کر آتے ہیں۔'' اس نے حسب معمول اسے چھیڑا تھا۔ معلوم تھا کہ وہ اس بات سے خاصی چڑتی تھی۔

رام بلڈنگ کے آگے اس کے پڑوس میں رہنے والی گیتی آرا کے پانچوں چھوٹے بہن بھائی کھیلنے میں مصروف تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر انہوں نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ وہ اپنی بوسیدہ بلیو جینز کی پینٹ سے ٹافیاں اور چیونگم نکال کر ان بچوں کو تقسیم کر رہا تھا۔

''تم تو کہہ رہے تھے کہ تم کسی اسائنمنٹ کے سلسلے میں جا رہے ہو؟'' عانیہ نے شکوہ کناں نظروں سے اپنے سامنے کھڑے عبدالباری کو دیکھا' کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ یہ ٹافیاں اور چاکلیٹس صرف اسی دن خریدتا تھا جس دن اس نے عانیہ کے علاقے میں آنا ہوتا۔

''یار! تمہیں معلوم ہے ناں کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔ اسائنمنٹ سے فارغ ہو کر مجھے تمہاری طرف آنا تھا۔ تمہاری ایک امانت تمہیں دینی تھی۔'' وہ اس کے ساتھ اب بوسیدہ سیڑھیاں چڑھ رہا تھا' جبکہ عانیہ نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔

''تم لوگ اپنی اس بلڈنگ کے مالک ہندو بنیے سے کہتے کیوں نہیں ہو کہ اس عمارت کا حلیہ درست کروائے' کسی دن یہ زمین پر آن گرے گی۔'' وہ کئی دفعہ کا دیا ہوا مشورہ ایک دفعہ پھر دہرا رہا تھا۔

''جس دن زمین پر آن گرے گی تب تو اس کو ٹھیک کروانا اس کی مجبوری ہوگی' لیکن اس سے پہلے تو وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتا ہے۔'' وہ سنجیدگی سے اس کی بات کا جواب دے رہی تھی' جو لاپروائی سے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔

''ویسے یہاں آ کر مجھے احساس ہوتا ہے جیسے میں برصغیر پاک و ہند کے دور میں آ جاتا

ہوں' جہاں ہندو اور مسلمان دونوں مل کر رہتے تھے' تم لوگ آپس میں لڑتے نہیں ہو؟'' وہ یونہی باتیں کر رہا تھا حالانکہ وہ اتنے سالوں سے یہاں آ جا رہا تھا کہ کوئی بھی بات اس سے پوشیدہ نہیں تھی۔

''کیوں ہم لوگ انسان نہیں ہیں کیا؟ لیکن اس بلڈنگ میں رہنے والے ہندوؤں کے آباؤ اجداد اسی علاقے میں رہتے رہے ہیں اور یہ چند گھر ایسے ہیں جو تقسیم کے بعد بھی ہندوستان نہیں گئے اور پاکستان سے محبت کے معاملے میں کم از کم یہ لوگ ہم سے بہت آگے ہیں۔ جس دن پاکستان انڈیا سے ورلڈ کپ کا سیمی فائنل ہارا' اس دن یہ لوگ ہم سے زیادہ افسردہ تھے۔ گیتی نے تو پاکستان کی جیت کیلئے خصوصی پوجا کا اہتمام بھی کیا تھا۔''

وہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔ اس بلڈنگ کے چار فلور تھے اور ہر فلور پر چار فلیٹ تھے۔ عانیہ کا فلیٹ سیکنڈ فلور پر تھا۔

وہ سبز رنگ کے بدنما سے لوہے کے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہو چکی تھی۔ سامنے ضعیف اور کمزور سے ابا چارپائی پر لیٹے خالی نظروں سے ٹی وی کو دیکھے جا رہے تھے۔ عبدالباری نے بہت عقیدت سے انہیں سلام کیا تھا۔ ابا کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر لمحے بھر کو ایک چمک ابھری اور پھر معدوم ہو گئی۔

''ارے باری بھیا آئے ہیں۔'' نمرہ کے چہرے پر بے ساختہ خوشی کا احساس خاصا نمایاں تھا۔

''پہلی دفعہ تھوڑی آیا ہوں' جو اتنی خوشی کا اظہار کر رہی ہو۔'' اس نے جواباً اس کے سر پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔ وہ ابا کے پاس چارپائی پر بیٹھ چکا تھا جبکہ عانیہ نے سبزی کا شاپر کچن میں رکھا اور منہ ہاتھ دھونے کیلئے غسل خانے میں گھس گئی۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آئی تو وہ بڑی رغبت سے دال چاول کھا رہا تھا اور کم گو سے ابا اس کے قصوں پر مسکرا رہے تھے۔ اس کی آمد ہمیشہ ابا اور نمرہ کیلئے طمانیت کا باعث بنتی تھی۔

وہ عانیہ کے ساتھ ماس کمیونی کیشن میں ماسٹرز کر چکا تھا۔ وہ کب اس کے اتنا قریب ہوا' عانیہ کو اس کا احساس بڑی دیر بعد ہوا تھا۔ وہ اپنی تمام الجھنیں' غم اور پریشانیاں اس کے ساتھ شیئر کر کے خود ہلکی پھلکی ہو جاتی تھی۔ آج سے چھ سال پہلے اس کی آمد و رفت اس کے گھر میں تب شروع ہوئی جب بڑے ابا کو ہسپتال میں داخل کروانا پڑا۔ ان کی ماں کے انتقال کو دس

سال ہو چکے تھے اور وہ صرف تین بہنیں تھیں۔ ابا نے بہت شوق سے انہیں تعلیم دلوائی تھی۔ بس نمرہ کی دفعہ حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ اسے اپنی تعلیم کو پرائیویٹ طور پر جاری رکھنا پڑا' ورنہ اس کی دونوں بڑی بہنوں نے بہت اچھے تعلیمی اداروں سے ڈگریاں لے رکھی تھیں۔

وہ چارپائی پر دونوں ٹانگیں پھیلا کر ابھی لیٹی ہی تھی کہ باری کو اندر کمرے میں آتا دیکھ کر اس نے فوراً ٹانگیں اکٹھی کر لیں۔ اس نے سائیڈ میز پر رکھے خالی برتنوں سے اندازہ لگایا کہ وہ کھانا کھا چکی ہے تو ایک اطمینان کی لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔

''کیا بنا جاب کا؟ وہ جو بخاری گروپ والوں نے تمہیں بلوایا تھا؟'' بے حد سنجیدگی بھرے انداز سے پوچھتے ہوئے وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

''کچھ بھی نہیں......'' لہجے میں تلخی اور بے بسی کے ملے جلے تاثر نے باری کو بھی افسردہ کر دیا تھا۔ وہ نمرہ کے ہاتھوں سے چائے کا کپ پکڑتے ہوئے حیرت سے بولا تھا۔

''لیکن ان لوگوں نے تو تمہیں خود بے حد اصرار کر کے بلایا تھا اور وہ کیا نام ہے رضا' تمہیں بار بار کالز کر رہا تھا۔''

''بس یہ بڑے لوگوں کے اپنے چونچلے ہوتے ہیں۔ کیا پتا چلتا ہے کہ کس بات پر مزاج برہم ہو جائے۔''

''تم کہو تو میں خود رضا سے بات کر کے دیکھوں۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ تیزی سے بولی تھی۔ ''مجھے ان کے ادارے میں اب کام نہیں کرنا۔'' وہ دوٹوک انداز سے کہہ رہی تھی۔

''دیکھو عانیہ! تمہیں اپنے رویے میں بھی لچک پیدا کرنی چاہئے' زندگی ایسے نہیں گزرتی اور اس دور میں جب بیروزگاری کا عفریت منہ کھولے نوجوانوں کو نگلنے کو بے تاب ہے' تم ذرا ذرا سی بات پر استعفیٰ دے کر آ جاتی ہو۔''

''وہ ذرا سی بات نہیں تھی باری!'' اس نے احتجاجی نظروں سے اسے دیکھا جو چائے کے خالی مگ کو ہاتھ میں گھما رہا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ وہ عام سی بات نہیں تھی۔ اپنی تخلیق کو کسی دوسرے کا نام دینا کوئی آسان کام نہیں۔ خون جگر جلانا پڑتا ہے۔ آدھی آدھی رات تک بیٹھ کر میں نے صفحات کالے کئے تھے۔ انتھک محنت کی چکی پیسی تھی' تب جا کر اس سلطان کمینے کا صحافت کی دنیا میں ایک

نام بنا تھا اور وہ مجھے میری ہی تحریر کا معاوضہ صرف پچیس پرسینٹ دے رہا تھا اور خود پچھتر فیصد رکھ رہا تھا۔ چلو یہ بھی ٹھیک' لیکن اب ان ہی کالموں پر اس نے لاکھوں کا ایگری منٹ کیا اپنی کتاب کی رائلٹی کیلئے اور مجھے اس میں سے ایک پیسہ بھی دینے کو تیار نہیں۔"

وہ اپنے اندر پنپتے احساس کے زہر کو نگلتے ہوئے تلخی سے بولی تھی۔

"تو تم اپنے نام سے کیوں نہیں لکھتی ہو؟ ٹھیک ہے شروع میں کم معاوضہ ملے گا' لیکن کبھی نہ کبھی ایک نام تو بنے گا اور جب نام بن جائے گا تو لوگ تمہارے نخرے بھی اٹھائیں گے۔"

"آئی ایم سوری عبدالباری! میں اس کبھی نہ کبھی کے انتظار میں اپنے بیمار باپ کا علاج مؤخر نہیں کر سکتی۔ نمرہ کی پڑھائی ادھوری رہ جائے گی۔ یاد نہیں شروع میں اپنے آرٹیکل لے کر جہاں بھی گئی ہر ایک کی ڈیمانڈ تھی کہ فری لانسنگ کروں اور اگر معاوضہ بھی دیا تو اتنا کم کہ صرف ایک دن کا چولہا جل سکے۔" وہ حد درجہ مایوس تھی۔

"لیکن کیا فائدہ عانیہ! تم خود کو ایسے ضائع کر رہی ہو' دیکھو کتنے لوگوں کو پتا چل چکا ہے کہ سلطان ہاشمی کے نام کے پیچھے کسی اور کا ذہن ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا تھا۔

"لیکن کوئی بھی اس "اور" کو اتنی پیمنٹ نہیں کرے گا' جتنی وہ سلطان بخاری کو کر رہا ہے۔ یہاں صرف نام اور ریفرنس چلتے ہیں۔ ٹیلنٹ کو کوئی نہیں دیکھتا اور تمہیں پتا ہے ناں کہ مجھے ریفرنس سے نفرت ہے۔ میری قابلیت کو کسی کی سفارش کی لاٹھی نہیں چاہئے۔" وہ بھڑکی تھی۔ ایک لمحہ چپ رہ کر وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

"مجھے بتاؤ عبدالباری! اگر میں غلط ہوں تو تم تو ایک بڑے باپ کے بیٹے ہو' کیوں ان اخبارات میں دھکے کھاتے پھر رہے ہو؟ تمہارے باپ نے تو تمہیں اخبار تک نکالنے کا مشورہ دیا ہے' لیکن تمہاری خوددار طبیعت اس کی اجازت نہیں دیتی' تمہارے پاس تو ٹاپ کے ریفرنس ہیں' تم خود کیوں نہیں کسی اچھے ادارے میں جاتے؟" اس کی بات پر عبدالباری کے چہرے پر تاریک سایہ پھیلا تھا۔

"میری بات اور ہے عانیہ!" وہ دھیمے انداز سے بولا تھا اور بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔

"کیوں تمہاری بات اور کیوں ہے؟" وہ سرکش ہوئی تھی۔

"اس لئے کہ تم جانتی ہو کہ وہ میرا سگا باپ نہیں ہے' میری ماں کا دوسرا شوہر ہے' اس ے پیسوں پر میرا کوئی حق نہیں۔"

ماحول ایک دم عجیب سا ہو گیا تھا۔ نمرہ نے گھبرا کر ان دونوں کے خاموش سلگتے ہوئے ہروں کو دیکھا جو کسی دیمک زدہ الماری میں رکھی گرد سے اٹی کتابوں کی طرح لگ رہے تھے۔ ں کیلئے ان دونوں کی بحث کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے وب لڑتے جھگڑتے اور کبھی نہ ملنے کا عہد کر کے بھی اگلے ہفتے اکٹھے بیٹھے ہوئے ہوتے تھے۔ عبدالباری کے خلوص پر عانیہ جمیل کو کبھی بھی شبہ نہیں ہوا تھا۔ وہ دنیا میں واحد شخص تھا جس ر وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی تھی' جس کے سامنے اس نے کبھی خودداری اور جھوٹی انا کا یمہ نہیں تانا تھا۔ وہ بہت رجائیت پسند تھی اور بڑے بڑے حادثوں کو جھیل کر بھی مطمئن رہتی' لیکن رانی جو کہ عانیہ سے چھوٹی تھی' اس کے گھر چھوڑنے کے فیصلے نے اسے وقت سے پہلے تھکا دیا تھا۔ تھکن کا ایک واضح احساس اس کے چہرے پر منجمد ہو گیا تھا۔

❖ ❖ ❖

کمرے میں اے سی کی وجہ سے دل کو طمانیت بخشنے والی خنکی پھیلی ہوئی تھی' حالانکہ اس کی گاڑی میں بھی اے سی تھا' لیکن پارکنگ سے اس آفس کے درمیانی راستے میں پھیلی گرمی کی تمازت نے اس کا چہرہ سرخ کر دیا تھا۔

وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی' اس کے جلتے ہوئے مساموں کو عجیب طرح کی فرحت کا احساس ہوا۔ کمرے میں کسی دلفریب ایئر فریشنر کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اس خوبصورت آفس کے وسط میں وسیع و عریض ٹیبل اور اس کے عقب میں ریوالونگ چیئر پر موجود ارحم نے بڑی خوشگوار مسکراہٹ سے مائرہ شیخ کا استقبال کیا تھا۔ ارحم کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ اس نے بہت غور سے اس حسین و جمیل پیکر کو دیکھا۔

گلابی رنگ کے سوٹ میں اس کی گلابی رنگت دمک رہی تھی' جبکہ اس کی قمیض کے سلیولیس بازو میں سے جھانکتے ہوئے کندنی بازو' کمر تک چھوتے ہوئے گھنے سیاہ بال اور ستاروں کی طرح دمکتی آنکھیں اور ستواں ناک میں ڈائمنڈ کی نوز پن...... کوئی بھی چیز آسانی سے نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ اسے دیکھ کر یہی گمان ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی فرصت کے لمحے میں تخلیق کیا ہے اور لگتا تھا کہ وہ خود بھی اپنے حسن کے ہتھیار سے بخوبی واقف تھی' اس

لئے ایک عجیب سی نخوت' محسوس کی جانے والی نزاکت و لاپروائی اس کے انداز کا حصہ بن چکی تھی۔

ارحم بخاری نے اسی دن اس کا فون نمبر اپنی ایڈورٹائزنگ کمپنی کیلئے مانگ لیا تھا اور اسے قطعاً بھی اس معاملے میں دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا اور مائرہ نے نہ صرف دو دن بعد اس کے آفس کا وزٹ کیا تھا' بلکہ اگلے ایڈ کیلئے ایگری منٹ سائن کرنے میں بھی سوچ بچار نہیں کی تھی۔

وہ آج تیسری دفعہ اس کے آفس میں آئی تھی اور ارحم کو اپنے پورے آفس میں مسحور کن سی روشنیاں اترتی محسوس ہوئی تھیں اور دو تین ملاقاتوں میں ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ مائرہ شیخ نہ صرف حسین ہے بلکہ ایم اے انگلش کے بعد گفتگو کے فن پر بھی خاصا عبور رکھتی ہے۔ حالات حاضرہ پر اس کی خاصی گہری نظر تھی اور وہ خود کو شوبز کی دنیا میں منوانا چاہتی تھی اس لئے اس نے ارحم کی آفر کو ایک لمحے میں قبول کرلیا تھا۔

وہ کون ہے؟ اس کا تعلق کس خاندان سے ہے؟ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ یہ وہ تمام سوالات تھے جن کے بارے میں مائرہ نے پہلی ملاقات میں بتا دیا تھا کہ وہ ان پر بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ وہ اپنی "ذاتیات" کے بارے میں خاصی حساس تھی اور کسی حد تک منہ پھٹ بھی تھی' یہی وجہ تھی کہ ہر کوئی اس سے محتاط ہو کر بات کرتا تھا۔ اس نے شوبز میں اپنے سفر کا آغاز خاصے محتاط طریقے سے شروع کیا تھا۔ اندھا دھند رول قبول کرنے کی بجائے خاصی غور و فکر کے بعد اس نے ابھی ایک دو کمرشل ہی کئے تھے۔ ماڈلنگ کی دنیا میں وہ کئی دفعہ کیٹ واک کر چکی تھی' لیکن سفر کے آغاز میں اسے ابھی تک کوئی بمباسٹک ٹائپ چیز کرنے کا موقع نہیں ملا تھا' اس لئے وہ اپنے کیریئر کے بارے میں خاصی فکرمند تھی۔

وہ میریٹ میں ارحم کے ساتھ ڈنر کرنے آئی تھی' جہاں اس کی ایک مشہور و معروف چینل کے پروڈیوسر اور ڈائریکٹر کے ساتھ ملاقات طے تھی۔ وہ ان سے ارحم کے ریفرنس سے ملنے آئی تھی' اس لئے اسے امید تھی کہ آج معاملات کافی حد تک طے پا جائیں گے اور وہی ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ خاصی خوش تھی۔

واپسی پر ارحم اسے ڈیفنس میں اس کے گھر تک چھوڑنے آیا تو اس خوبصورت بنگلے کو دیکھ کر اس نے توصیفی لہجے میں کہا کہ "تمہارا گھر بہت خوبصورت ہے۔"

"یہ میرا گھر نہیں ہے' میں یہاں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہتی ہوں۔" اس نے فوراً لہجے کی تو حیرت کی ایک سبک رفتار لہر نے ارحم کے چہرے کا احاطہ کیا۔

"تو پھر تمہارا گھر کہاں ہے؟" وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تجسس سے پوچھ رہا تھا۔

"فی الحال تو کوئی گھر نہیں البتہ مستقبل میں میرا ایک شاندار گھر بنانے کا ارادہ ہے۔" اب کے اس نے محتاط لہجے میں جواب دیا تھا اور ارحم کو اندازہ ہوگیا تھا وہ اب اس موضوع پر مزید بات کرنا نہیں چاہتی' تب ہی وہ الوداعیہ جملے کہہ کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھا۔ اس نے گاڑی کا دروازہ بند کرتے ہوئے مائرہ کو دیکھا جس کے لمبے بال پشت پر لہرا رہے تھے اور وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہی تھی' ارحم کا دل اس کے ہاتھوں سے ویسے ویسے پھسل رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی گھر کا گیٹ بند کیا تھا اسی وقت ارحم کے دل کا دروازہ پوری قوت سے کھلا تھا۔

❖❖❖

ہال کے داخلی دروازے پر ایک قد آدم آرائشی شیشہ نصب تھا۔

نیوی بلیو کلر کے لباس میں وہ آج ضرورت سے زیادہ اچھی لگ رہی تھی یا پھر عبدالباری کو وہ ہر قسم کے حلیے میں اچھی لگتی تھی۔ آج پریس کلب میں صحافیوں کی کوئی ورکشاپ تھی اور عبدالباری کے بے پناہ اصرار پر وہ آج یہاں آئی تھی' تب ہی اسے خلاف توقع آتا دیکھ کر اس کے دل میں خوشی کا بے ساختہ احساس انگڑائی لے کر نمودار ہوا تھا۔

"کیا ہوا' اتنے غور سے کیوں دیکھ رہے ہو؟" وہ تھوڑا سا پزل ہوئی۔ آج بہت عرصے کے بعد اس کے ہونٹوں پر لپ اسٹک دیکھ کر وہ کھل کر مسکرایا تھا۔

"کیا تکلیف ہے بھئی؟" اسے معنی خیز انداز میں مسکراتے دیکھ کر وہ چڑ کر بولی تھی۔

"دیکھ رہا ہوں کہ آج تو لائف بوائے کی بجائے "لکس" سے منہ ہاتھ دھویا ہے' تب ہی چمک رہی ہو۔" وہ دونوں بازو سینے پہ لپیٹے گہرے جذبے لٹاتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں بس' آج نمرہ نے زبردستی لپ اسٹک لگا دی۔" وہ بری طرح جھینپ کر بولی تھی۔

اس کے بلش کرتے رخساروں پر پھیلنے والی لالی کم از کم عبدالباری کیلئے بہت انوکھی اور دلفریب تھی' جبکہ وہ خلاف عادت خاصی گھبرائی ہوئی دائیں بائیں گھومتے صحافیوں کو دیکھ رہی تھی۔ کئی جانے پہچانے چہرے گھومتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر سلطان ہاشمی پر پڑی جو

اپنے بغل میں ایک مسکین اور گھبرائی گھبرائی سی لڑکی کو لئے ہال میں آ رہا تھا۔
عانیہ کے چہرے کے تاثرات بہت سرعت سے تبدیل ہوئے تھے۔ اس کے تنے چہرے کو دیکھتے ہوئے باری نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

"لگتا ہے کہ کوئی اور بے وقوف اس گھاگ شکاری کے ہتھے چڑھ گئی ہے۔" اس نے خاصی برہمی سے تبصرہ کیا تھا' جبکہ اس کے جواب میں عبدالباری نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یہ بے چاری تو شکل سے ہی ستم رسیدہ لگ رہی ہے دیکھو' کتنی سراسیمگی پھیلی ہوئی ہے اس کے چہرے پر۔"

وہ دونوں سبک روی سے چلتے ہوئے سامنے رکھے صوفوں پر بیٹھ چکے تھے۔ وہ لڑکی حد درجہ استعجاب سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

"کمینے نے اپنی چرب زبانی سے اسے قابو کرلیا ہوگا' شکل سے ہی سیاہ ناگ لگتا ہے۔" وہ انتہائی جل کر بولی تھی' جبکہ اس کے اس طرح چڑنے پر باری نے زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ بہت سارے لوگوں نے مڑ کر اسے دیکھا' جس میں سلطان ہاشمی بھی شامل تھا۔

"ویسے عانیہ! تم نے اس کا کیا نام رکھا تھا؟" وہ ہنستے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"زنگی۔" عانیہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ نے احاطہ کیا تھا۔

"بھلا کیا مطلب ہے زنگی کا؟" اس نے جان بوجھ کر چھیڑا۔

"افریقہ کا دیسی آدمی' جس کا رنگ کوے کی طرح سیاہ اور ہونٹ موٹے موٹے ہوں۔" اس کا موڈ بھی خوشگوار ہوگیا تھا۔ جاب چھوڑنے کے بعد اس نے آج پہلی دفعہ سلطان ہاشمی کو دیکھا تھا۔ اس کے کالم ابھی تک چھپ رہے تھے' لیکن انداز تبدیل ہوگیا تھا اور لگتا تھا کہ آج کل یہی لڑکی اس کیلئے لکھنے کا فریضہ سرانجام دے رہی تھی' جس کو وہ اپنی پرسنل سیکرٹری کہہ کر متعارف کروا رہا تھا۔ اس کا اپنا ایک پبلشنگ ادارہ تھا' لیکن اس کے باوجود اسے ہر جگہ اپنا نام پھیلانے کا خاصا شوق تھا۔

"شکر کرو تم اس بخیل آدمی کے قبضے سے نکل آئیں' وہ تو اپنا بخار بھی کسی کو نہیں دیتا۔" اسے آج عانیہ کو چھیڑنے میں مزا آ رہا تھا۔

"شکر وہ کرے کہ جس کا گنجا سر میرے ہاتھوں سے بچ گیا۔ انتہائی مکار اور فریبی شخص ہے' میری تین ماہ کی تنخواہ بھی ہضم کر گیا کم بخت۔" عانیہ کا غصہ اور اضمحلال بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اس کے چہرے پر پژمردگی دیکھ کر عبدالباری نے فوراً بات پلٹی اور اسٹیج کی طرف اشارہ کیا' جہاں پروگرام کا آغاز ہو چکا تھا اور آغاز سے ہی انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ خاصا بور پروگرام ہے' تب ہی وہ بمشکل دو گھنٹے وہاں بیٹھے اور جب ہمت جواب دے گئی تو وہ دونوں پروگرام ادھورا چھوڑ کر ہی واپس آگئے تھے اور اس وقت وہ پریس کلب کے لان میں کھڑے تھے۔

"رانی کے بارے میں تم نے سنا......" باری نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔ ایک تاریک سا بادل اس کے چہرے پر لہرایا اور آنکھوں کی روشنی ماند پڑ گئی۔

"ہاں' بہت اونچی ہواؤں میں اڑ رہی ہے۔ آئے دن خبریں سننے کو ملتی ہیں۔ بہت خوش ہے کہ اس کے باپ کا حوالہ اس کے ساتھ نہیں رہا۔" وہ چلتے چلتے رکی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بے کس مجروح سی مسکراہٹ تیر رہی تھی۔

"باری! یہ قرب قیامت کی نشانیاں نہیں ہیں کہ وہ والدین جو سخت محنت کر کے اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں' انہیں پڑھاتے اور لکھاتے ہیں اور ہمیں بڑے ہوکر ان ہی کی ذات کے حوالے سے شرم آنے لگتی ہے۔"

وہ عشق پیچاں کی گھنی بیل سے ڈھکی دیوار کے پاس آ کر رک گئی تھی۔ اس کے پورے وجود پر افسردگی طاری تھی' وہ تلخ انداز سے گویا ہوئی۔ "اسے شرم آتی تھی جب لوگ اسے کہتے تھے کہ یہ مشہور و معروف اسٹیج ایکٹر کی بیٹی ہے جسے لوگ بھانڈ یا میراثی کہہ کر پکارتے ہیں' حالانکہ ابا نے اسٹیج پر اتنے سال لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھیریں لیکن خود وہ کس کسمپرسی کی حالت میں آخری دن گزار رہے ہیں' کسی کو احساس ہی نہیں۔ دنیا کتنی بے وفا ہے ناں باری؟" وہ خود کلامی کے انداز میں بول رہی تھی۔

"میرا باپ کبھی اسٹیج کی دنیا کا درخشاں ستارہ تھا۔ ظالم وقت کی دھول نے اس کے خدوخال کو دھندلا دیا ہے۔ اب وہ ایسی عمارت بن چکا ہے جسے زمانے کے سرد و گرم نے کھنڈر بنا کر رکھ دیا ہے۔ شوگر جیسا موذی مرض آکاس بیل کی طرح اس کے وجود سے چمٹ گیا ہے اور اتنی کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے کہ بعض دفعہ مجھے اس پر ترس آنے لگتا ہے۔" اس کی باتوں نے باری کو افسردہ کر دیا تھا۔

"یہی دنیا ہے یار......!" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا تھا۔

"اصل میں باری! ابا کا مسئلہ ایک اور بھی ہے۔ وہ اپنے ماضی میں جینا چاہتے ہیں' جب

وہ لوگوں کے دلوں پر راج کرتے تھے۔ وہ اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہیں کہ وہ دنیا کے سٹیج پر اپنا کردار ادا کر چکے ہیں اور اب پردہ گر چکا ہے۔" باری نے اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو دل سے محسوس کیا۔

"اصل میں عانیہ! سٹیج پر کام کرنے والوں کیلئے وہاں موجود سامعین کی تالیوں کا نشہ اتنا دلفریب ہوتا ہے کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اس سے باہر نہیں نکل سکتے اور جس شخص نے اپنی زندگی کے اتنے قیمتی سال لوگوں کو دیئے ہوں' وہ اس تلخ حقیقت کو کیسے قبول کر سکتا ہے۔ اسے اسی یوٹوپیا میں رہنے دو۔" وہ دونوں بازو آپس میں باندھ کر اس لڑکی کو غور سے دیکھنے لگا جو اسے ساری دنیا سے عزیز تھی۔

"لیکن باری! زندگی ایسے نہیں گزرتی۔" اس نے جھنجھلا کر عشق پیچاں کی بیل سے چند پھول توڑے اور فضا میں اچھال دیئے۔

"کیوں نہیں گزرتی؟" چند لمحے پرسوچ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے وہ قدرے سپاٹ انداز میں دوبارہ بولا۔

"مجھے دیکھو! میرے ماں باپ کی اس وقت علیحدگی ہوئی' جب میں پانچ سال کا تھا۔ میری ماں نے صرف اپنی انا کا جھنڈا بلند رکھنے کیلئے میری تحویل کیلئے قانونی جنگ لڑی اور اس کے بعد اپنی زندگی میں مگن ہوگئی۔ بابا فارن سروس میں' جاپان چلے گئے اور وہیں شادی کرلی اور ایک نئی زندگی کا آغاز کرلیا۔ اب دونوں کے اپنے اپنے بچے ہیں اور اپنی اپنی زندگیاں ہیں۔ سالوں بعد ایک آدھ کو میرا خیال آتا ہے تو میرے اکاؤنٹ میں ہزاروں روپے ٹرانسفر کر کے سمجھتے ہیں کہ ان کا حق ادا ہوگیا۔ میں بھی تو زندگی گزار ہی رہا ہوں ناں۔" وہ بہت پرسکون انداز میں کہہ رہا تھا۔

عانیہ نے رشک بھرے انداز سے اس کے آسودہ چہرے کو دیکھا۔ بلیک پینٹ پرٹی پنک کلر کی شرٹ میں وہ خاصا ہینڈسم لگ رہا تھا' اس کی ہائیٹ' براؤن آنکھیں' گھنی مونچھیں اور سرخ و سپید رنگت اسے ہزاروں لوگوں میں نمایاں کرتی تھی۔ وہ خالصتاً پٹھان تھا اور پٹھانوں والا مخصوص انداز اس کے ہر انداز میں نمایاں ہوتا تھا۔ عانیہ کو یاد تھا کہ اس کے ڈیپارٹمنٹ کی ماہم اس کے پیچھے پاگل تھی' لیکن وہ انتہائی من موجی بندہ تھا اور بہت کم لوگوں کو لفٹ کرواتا تھا۔

"اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہو؟" کسی دلفریب سے خیال نے باری کے لبوں پر بڑی نرم سی مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

"سوچ رہی ہوں کہ موسم خاصا خراب ہو رہا ہے' گھر چلنا چاہئے۔" اس نے سیاہ سرمئی رنگ کے بادل دیکھ کر سنجیدگی سے کہا جبکہ عانیہ کے اس بے تکے جواب پر باری نے مصنوعی غصے سے اسے گھور کر دیکھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کتنی بدذوق لڑکی ہو۔ اتنے خوبصورت اور رومانوی موسم کو خراب کہہ رہی ہو جبکہ مجھے تو یہ موسم بہت پرکیف سا لگ رہا ہے۔" اس نے شہتوت کے پتوں سے لپٹ کر آنے والی ہوا میں موتیا کے پھولوں کی دلفریب مہک کو محسوس کرتے ہوئے لمبا سانس لیا۔

"جناب عالی! آپ رہتے ہیں ایک پوش علاقے کے خوبصورت فلیٹ میں' ذرا ہمارے علاقے کا حشر دیکھیے گا' آپ کو بارشوں سے چڑ ہو جائے گی۔ ساری رومانویت ناک کے ذریعے باہر نکل جائے گی۔" وہ اب ہاتھ پھیلا کر بارش کے ننھے قطروں کو دلچسپی سے سمیٹنے لگی۔ بادلوں میں ارتعاش سا ابھر رہا تھا۔

"کم آن یار! ہر قسم کے حالات کو انجوائے کیا کرو۔ جب معلوم ہے کہ اس ماحول سے فی الحال نکلنا ممکن نہیں تو اسی میں خوبصورتیاں تلاش کیا کرو۔ یقین کرو' زندگی بہت آسان ہو جائے گی۔" وہ بارش کی تیز بوچھاڑ سے بچنے کیلئے اسے شیڈ کے پاس لے آیا تھا۔ دونوں اب تواتر سے برستی بارش کی بوندوں کو دیکھ رہے تھے۔

"باری! ابا کے انجکشن ختم ہوگئے ہیں۔" اسے اچانک یاد آیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں' واپس جاتے ہوئے لے لیں گے۔" اس کے پاس ہر مسئلے کا حل موجود ہوتا تھا۔

"تو کیا تم میرے ساتھ جاؤ گے۔" اس نے بظاہر سنجیدہ انداز سے پوچھا' لیکن شرارت اس کی آنکھوں سے نمایاں تھی۔

"آف کورس! اب اتنے اچھے موسم میں چھوٹی کے ہاتھ کے پکوڑے کھائے بغیر تو بالکل نہیں جاؤں گا۔" وہ اپنی عادت کے مطابق برا ماننے کے بجائے ہنس کر بولا تھا۔

"قدر گھٹا دیتا ہے روز کا آنا جانا۔" وہ پانی کے بلبلے غور سے دیکھتے ہوئے ہنستے ہوئے بولی تھی۔ آج وہ مکمل ترنگ میں تھی اور ایسا بہت کم ہوتا تھا۔

"توبہ استغفار' اتنا بڑا جھوٹ!" باری نے آنکھیں پھیلا کر باقاعدہ کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"تم کتنی جھوٹی ہو عانیہ! میں پورے تین دن کے بعد تمہارے گھر جاؤں گا۔"

"تو میں یہی تو کہہ رہی تھی۔"

"خوامخواہ! تم تو کہہ رہی تھیں کہ روز کا آنا جانا......" اسے بحث کرنے میں مزا آرہا تھا۔ آج کافی دنوں کے بعد اسے کچھ مطمئن دیکھا تھا' کیونکہ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو اس کی ایک انگلش اخبار میں جاب ہوگئی تھی اور وہ کچھ مطمئن بھی تھی۔

"ہاں' تو یہ ہر تیسرے دن آنا بھی تو روز کا آنا جانا ہوتا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی اور اسے ہنستے دیکھنا کم از کم باری کیلئے بہت خوشگوار تجربہ ہوتا تھا۔

"باری! میں سوچ رہی ہوں کہ نمرہ کی شادی کر دوں۔"

"سبحان اللہ' کیا عمدہ سوچ ہے' آپ کا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ محترمہ! آپ نمرہ کے بجائے اگر اپنی شادی کرلیں تو وہ زیادہ بہتر ہے۔"

"میں؟" اس نے مکھی اڑائی "میں اپنے بارے میں تو سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"تو پھر میں سوچ لیتا ہوں۔" اس کے شرارتی انداز پر اس نے گھبرا کر اسے دیکھا' وہ بڑی محویت سے نظریں ٹکائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس طرح گھبرانے پر وہ خاصا محظوظ ہوا تھا اور اس کے چہرے پر بکھری مسکراہٹ کے رنگ اور گہرے ہوئے تھے۔

"کیا سوچ لو گے؟" اس کے انداز میں عجلت تھی۔

"یہی کہ نمرہ کی شادی کیلئے کوئی لڑکا ڈھونڈ کر یہ فرض بھی نبٹا لیتے ہیں۔" اس کا لہجہ متبسم اور انداز شرارت لئے ہوئے تھا۔ عانیہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔ "لیکن تم اس کی شادی اتنی جلدی کیوں کرنا چاہتی ہو؟" وہ اب سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے اب خوف آتا ہے باری! میں نے باہر کی دنیا دیکھی ہے۔ یہاں بہت فریب اور دھوکہ ہے اور مجھے ڈر لگتا ہے کہ وہ بھی رانی کی طرح کسی کی باتوں میں آکر ایک نئی دنیا کو تسخیر کرنے نہ نکل جائے۔ جب تک اماں زندہ تھیں' میں بے فکر تھی لیکن اماں کی وفات اور پھر رانی کا اتنا بولڈ قدم' میں مزید کچھ اور بھگتنے کی سکت نہیں رکھتی۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو عینی! لیکن یاد رکھنا کہ ہر کام اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے' اس سے پہلے کچھ نہیں ہوسکتا۔" وہ بہت خلوص سے اسے سمجھا رہا تھا۔ "اور تمہیں اپنے بارے میں بھی کچھ سوچنا چاہئے۔"

"میرے پاس ابا ہیں ناں......؟" اس نے بے ساختہ نظریں چرائیں۔

"اور میں کہاں ہوں عانیہ؟" وہ بہت آس سے پوچھ رہا تھا۔

"تم......" اس کے چہرے پر بہت خوبصورت رنگ پھیلا تھا۔ "تم میری زندگی کے ہر راستے پر ہو۔" اس نے بے ساختہ کہا تھا۔

"لیکن میں کب تک راستوں میں رہوں گا' ہم لوگ مل کر بھی تو یہ راستہ طے کرسکتے ہیں۔" وہ آج بہت کھل کر کہہ رہا تھا۔ عانیہ کے اردگرد کئی فانوس جگمگا اٹھے تھے۔

"میں نے کب انکار کیا ہے باری!" اس کے جواب پر عبدالباری کے دل پر چاند کی کرنوں کی طرح خوشی برسی تھی اور آنکھوں سے جیسے روشنیوں کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔

"لیکن میں پہلے نمرہ کے فرض سے نبٹنا چاہتی ہوں۔"

عبدالباری آمادگی سے مسکرایا تھا۔

❖❖❖

"وہ تھینکس گاڈ...... تمہاری آواز تو سننے کو ملی۔ مجھے تو لگتا تھا جیسے صدیاں گزر گئی ہیں اور تم سے نہ بات ہوئی نہ تمہارا خوبصورت چہرہ دیکھا۔" ارحم کی بھاری اور دلکش آواز میں گہرا انتظار اور بے تحاشا شکوہ پنہاں تھا۔

"جناب آپ خود آجاتے ملنے......" وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی اور ارحم کو یوں لگا جیسے مندر میں کسی نے ایک ساتھ بہت سی گھنٹیاں بجادی ہوں۔

"محترمہ! آپ ٹھہریں مشہور و معروف ہستی' اب ہم جیسے چھوٹے موٹے لوگوں کو کہاں لفٹ کروائیں گی۔ بہرحال! تمہارا نیا ڈرامہ دیکھا' بہت آؤٹ کلاس تھا۔ تم نے تو سب کو اپنی لاجواب ایکٹنگ سے کلین بولڈ کردیا۔ اب تو برنی صاحب بھی اپنے نئے پراجیکٹ کیلئے تمہارا انتخاب کرنے کا سوچ رہے ہیں۔" اس کی اطلاع نے مائرہ کے اندر جوش اور ولولہ بھر دیا تھا۔

"رئیلی ارحم! تمہیں کس نے بتایا......؟" وہ چہکی۔

"کم آن مائرہ کم ازکم یہ بچوں والے سوال تم مجھ سے تو نہ کیا کرو۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارا اپنا پروڈکشن ہاؤس ہے اور سو کونٹیکٹس ہیں' کوئی بھی بتا سکتا ہے۔" دوسری طرف مائرہ بری طرح جھینپ گئی۔

"یار! یہ مت بھولا کرو کہ میں کس کا بیٹا ہوں۔ میرے پاپا کا میڈیا کی دنیا میں ایک نام ہے۔" اس کے لہجے میں جھلکتا فخر مائرہ کو ایک لمحے کو چپ کروا گیا تھا...... اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا اور پھر کچھ سنبھل کر اس نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اپنے پاپا کے نام کو کیش کرواتے ہو۔"

"آف کورس! لیکن میرا اپنا بھی جو مقام اور نام ہے' لوگ اب اس کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔"

وہ خاصا خود پسند واقع ہوا ہے' اس کا احساس آج پہلی دفعہ مائرہ کو ہوا تھا لیکن وہ اس کے باپ کے نام اور مقام سے بخوبی واقف تھی اور کیریئر کے آغاز میں اس طرح کا سہارا اس کیلئے کتنا مفید ثابت ہوسکتا ہے اس کا اندازہ اسے اپنے پہلے پروجیکٹ سے ہی ہوگیا تھا اور وہ کم ازکم ارحم سے بگاڑنے کی پوزیشن میں ابھی نہیں تھی' اس لئے اس کی بات سے بدمزا ہونے کے باوجود وہ زبردستی ہنس رہی تھی۔

"مائرہ! تم دبئی چلوگی......؟" اس کی اچانک آفر نے دوسری جانب موجود مائرہ پر گویا شادی مرگ طاری کردی تھی۔

"دبئی' مگر کیسے؟" اس کا دل انجانی لے پر دھڑکا تھا۔

"یار! ایک ملٹی نیشنل کمپنی کا ایڈ ہے' میں نے تمہاری کچھ تصاویر دکھائیں' فوراً مان گئے اور میں نے انہیں کہہ دیا تھا کہ وہ میری بہت اچھی دوست ہے' اس لئے مجھے تو انکار نہیں کرے گی اور تمام معاملات بھی طے کرلئے' ٹھیک کیا ناں......؟"

اس کے الفاظ مائرہ پر ایک سحر طاری کررہے تھے۔ ارحم کے لہجے میں چھپے اپنائیت کے رنگ اور حق جتاتا انداز کم ازکم مائرہ کیلئے طمانیت کا باعث بن رہا تھا اور وہ جو اڑتی اڑتی خبریں نئی ماڈل گرل رجا اور ارحم کے بارے میں سن رہی تھی' ان ہی سے گھبرا کر اس نے آج کافی دنوں کے بعد ارحم کو فون کیا تھا۔ سارے اندیشے اور خوف بھاپ کی طرح اڑ گئے تھے۔

"اور پتا ہے مائرہ! میں تمہیں دبئی میں ایک خاص گفٹ دوں گا۔" وہ بے حد جذب سے کہہ رہا تھا اور اس کا آنچ دیتا لہجہ مائرہ کے اندر کن من جیسی پھوار برسا رہا تھا۔ اسے شوبز کی دنیا میں آئے ہوئے کچھ ہی عرصہ ہوا تھا۔ وہ جس اکیڈمی میں ٹیوشن کیلئے جاتی تھی' وہیں پر آنے والے ایک لڑکے عامر کے توسط سے اس نے اس فیلڈ میں قدم رکھا تھا' لیکن کوئی خاص پذیرائی حاصل کرنے میں ناکام رہی تھی اور وہ اب کوئی شارٹ کٹ ڈھونڈ کر اپنا مستقبل محفوظ کرنا چاہتی تھی۔

"پھر ارحم! شام کو ہم مل رہے ہیں ناں......" وہ اس کی کیفیت محسوس کرکے ہنس پڑا جبکہ مائرہ اپنے اتھل پتھل دل کو سنبھالنے لگی۔

❖ ❖ ❖

"ارحم! تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟" رضا کو اس کی بات سن کر شاک لگا تھا۔ وہ اس کی

ایمر جنسی کال پر اپنے سارے ضروری کام ادھورے چھوڑ کر اس کے بنگلے میں پہنچا تھا' جہاں وہ اوندھے منہ لیٹا' چینل سرچ کر رہا تھا۔

"ہاں تو اس میں اس قدر اچنبھے کی کیا بات ہے؟" وہ لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

"تم واقعی مائرہ شیخ کو پروپوز کرنے والے ہو؟" اس کے حد درجہ حیرت والے انداز پر اس نے قہقہہ لگایا تھا' جبکہ رضا اس کے اس انداز پر جل کر رہ گیا۔ اس نے آگے بڑھ کر ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ سے چھینا اور وہ "کھلا ڈلا" چینل بند کر کے دھڑام سے اس کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تمہارا دماغ چل گیا ہے۔"

"حالانکہ تم کہتے ہو کہ میرے پاس دماغ نام کی کوئی چیز نہیں۔" وہ کی چین انگلی میں گھماتے ہوئے سراسر اسے چڑا رہا تھا۔

"میں تو آج بھی اس بات پر قائم ہوں ورنہ تم اتنا فضول فیصلہ کبھی نہ کرتے۔" رضا نے صاف اس کا تمسخر اڑایا تھا۔

"تمہیں معلوم ہے ناں ارحم بخاری کبھی چھوٹے موٹے فیصلے نہیں کرتا اور کوئی عام چیز تو اسے پسند نہیں آتی اور جہاں تک مائرہ کی بات ہے تو وہ پہلی لڑکی ہے' جسے دیکھ کر میرے دل میں گھنٹیاں بجی ہیں۔ شوبز میں اس کا آغاز سفر ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اسے شہرت کا چسکا لگ جائے' اس سے پہلے ہی اس کے حقوق اپنے نام محفوظ کروا لوں اور اپنی بیوی کو شوبز میں لانے کا میرا تو کم از کم کوئی ارادہ نہیں۔" وہ اب سنجیدگی سے بتا رہا تھا۔

"وہ شوبز چھوڑنے پر راضی ہو جائے گی؟" رضا نے طنز کیا۔

"لیس' آف کورس! وہ ہمارے پروڈکشن ہاؤس میں کسی اور حیثیت سے کام کر سکتی ہے لیکن پردہ اسکرین پر نہیں۔" وہ حد درجہ پر اعتماد تھا۔

"تم نے اس سے بات کی......؟"

"نہیں' ابھی نہیں......" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"میرے خیال میں پہلے محترمہ کے خیالات جان لو' پھر شیخ چلی کی طرح منصوبے بنانا۔" رضا نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

"یہ شیخ چلی کے منصوبے نہیں ہیں یار! آج تک کس نے ارحم بخاری کو انکار کیا ہے؟"

محسوس کن سی بے نیازی اور خود اعتمادی اس کی شخصیت کا پختہ حصہ بن چکی تھی' جو ایک ناگواریت کا باعث بنتی تھی اور رضا تو اس سے باقاعدہ چڑنے لگا تھا۔

"خیر......" وہ اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولا تھا۔

"اب اتنا بھی اندھیر نہیں مچا ہوا۔ یاد نہیں کہ وہ عانیہ جمیل کیسی طبیعت ستھری کر کے گئی تھی۔ آج تک انکل اس کی وجہ سے تمہیں ذلیل کرتے ہیں۔"

"وہ عانیہ جمیل!" ارحم جی بھر کر بدمزا ہوا۔

"وہ تو شکل سے ہی مڈل کلاس خاندان کا چلتا پھرتا اشتہار لگتی ہے' اچھی خاصی چالاک لڑکی تھی۔ دیکھا نہیں' اتنے مشہور گروپ میں جا کر شامل ہو گئی ہے۔ شکر کرو یہاں نہیں آئی ورنہ اپنی لالچی طبیعت کی بنا پر یہاں سے بھی چلی جاتی۔"

"شرم کرو' کسی کے بارے میں اتنا غلط گمان نہیں رکھتے اور تم نے کہاں سے اس کا لالچ دیکھ لیا۔" رضا کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

"ظاہر ہے' اس کا سی وی اٹھا کر دیکھ لو' کسی بھی ادارے میں اس نے چھ ماہ سے زیادہ تک کر کام نہیں کیا' یہ اس چیز کا بڑا واضح ثبوت ہے۔"

"ماشاء اللہ! کیا دلیل دی ہے آپ نے' صدقے جاؤں میں آپ کی ذہانت کے' کیا خوب اندازے لگاتے ہیں آپ۔ لگتا ہے بزرگ سیاستدان پیر پگارا کے جانشین ثابت ہوں گے' کیونکہ ان کو بھی پیش گوئیاں کرنے کا خاصا شوق ہے' آپ کی طرح۔" رضا نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے کشن اٹھایا اور سامنے والے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ وہ اس کے بچپن کا دوست تھا اور بہت زیادہ بے تکلفی سے ان کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔

"تم کیا مجھے یہاں طعنے دینے کیلئے آئے ہو۔" ارحم کے لہجے میں خفگی جھلکی۔

"نہیں' آپ کے انتہائی بے ہودہ' فضول اور احمقانہ اقوال زریں سننے کیلئے آیا ہوں۔" اس کے انتہائی طنزیہ انداز پر ارحم کو ہنسی آ گئی۔

"یہ گھر کی خواتین نظر نہیں آ رہیں......؟" رضا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس کی ماما اور بھابی کا پوچھا۔

"بھابی آج کل اپنی دیورانی اور نند سے ملنے انگلینڈ گئی ہوئی ہیں۔ عاصم بھائی کے ہاں بیٹا ہوا ہے ناں اور ماما آج کل اپنے پوتے کی شاپنگ میں مصروف ہیں' ان کا بھی اگلے ہفتے

جانے کا ارادہ ہے۔'' ارحم نے تفصیل سے بتایا۔ اس کے بڑے بھائی اعظم تو پاپا کے ساتھ الیکٹرانک میڈیا میں تھے جبکہ اس سے چھوٹے عاصم ڈاکٹر تھے اور FRCS کرنے اپنی بیگم کے ہمراہ انگلینڈ گئے ہوئے تھے اور ان سے چھوٹی بہن ندا تھی' جو شادی کے بعد دبئی چلی گئی تھی اور آج کل وہ بھی انگلینڈ گئی ہوئی تھی۔ سب سے چھوٹے ارحم خود تھے جو اپنے والد مظہر بخاری کے ساتھ بہت کامیابی سے ایڈورٹائزنگ ایجنسی چلا رہے تھے۔

گھریلو ملازم نے ابھی ابھی چائے لا کر رکھی تھی اور رضا بے تکلفی سے اپنی پلیٹ میں اکٹھے دو کباب رکھے' کھانے میں مگن تھا۔

''کس فیملی سے تعلق ہے تمہاری مائرہ شیخ کا؟'' رضا نے ''تمہاری'' پر زور دیتے ہوئے خاصا بڑا طنز کیا تھا' تب ہی وہ اچھل کر بیٹھ گیا۔

''پتا نہیں' وہ اس موضوع پر کبھی بات نہیں کرتی۔ اس معاملے میں تھوڑی سی ریزرو ہے۔'' ارحم کی بات پر وہ ایک لمحے کو چونکا' اب اس کے چہرے پر بڑی دلچسپ مسکراہٹ تھی۔

''لگتا ہے اس کے حسن کی چکا چوند نے تمہارا دماغ ماؤف کر دیا' ورنہ تم انسانوں میں بھی حسب نسب کھنگال کر پھر بات کرتے ہو جبکہ چیزوں میں تو تم برانڈ کونشس ہو ہی اور اوپر سے تمہاری والدہ محترمہ اس معاملے میں تم سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں بلکہ سوائے انکل کے سارا خاندان ہی حد درجہ اسٹیٹس کونشس ہے' اس لئے پہلے اتا پتا معلوم کروا لینا' ورنہ آنٹی کا تو تمہیں پتا ہی ہے ناں۔'' رضا نے بڑی وضاحت سے کہا تھا اور ارحم کو تھوڑا سا ناگوار لگا تھا۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ اصل میں ماما بیک گراؤنڈ کو اہمیت اس لئے دیتی ہیں کیونکہ یہ انسان کی شخصیت کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور پھر جب آپ کسی گھر سے لڑکی کو لے کر آ رہے ہوتے ہیں تو یہ آپ کی آنے والی نسل کا بھی تو معاملہ ہوتا ہے اور ویسے بھی رشتے داری اور رشتے ناطے اپنے ہم پلہ لوگوں میں ہی ٹھیک رہتے ہیں۔'' اس نے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

''سبحان اللہ! کیا اصول وضوابط ہیں' لیکن معذرت کے ساتھ میں اس معاشی تفریق پر یقین نہیں رکھتا' اس لئے آپ اپنے قیمتی خیالات کا اظہار میرے سامنے مت کیا کریں۔'' وہ اب پیزا کے ٹکڑے پر کیچپ لگا کر کھا رہا تھا مزے سے۔

''بہت کمینے ہو تم' پتا نہیں میری تم سے دوستی کیسے ہے؟'' اس نے جھنجھلا کر کشن اسے کھینچ

مارا' جسے رضا نے ہنستے ہوئے کیچ کیا اور شرارت سے بولا۔

''اس لئے دوستی ہے کیونکہ میں بڑے باپ کا بیٹا ہوں۔ میرے سب کزنز اور رشتے دار بیوروکریٹس ہیں اور پھر میں تمہارا بدقسمتی سے بزنس پارٹنر بھی ہوں' چونکہ اسٹیٹس میں' میں تم سے کسی طور بھی کم نہیں اور اچھا خاصا ہینڈسم بھی ہوں' اس لئے تمہاری حسن پرست طبیعت کی بھی تسکین ہو جاتی ہے' ورنہ تم نے مجھے گھاس کہاں ڈالنا تھی۔'' اس نے ہنستے ہنستے ایک تلخ سچائی بیان کی تھی جبکہ ارحم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

''اپنی بک بک بند کرو اور اگر میں کمینہ ہوں تو ایک کمینے کا دوست بھی کمینہ ہی ہوگا ناں۔'' اب وہ ڈھٹائی سے ہنس رہا تھا۔

''نہیں یار! کبھی کبھی کمینے لوگ کوئی اچھا کام بھی کر لیتے ہیں اور سمجھو' مجھ سے دوستی تمہاری زندگی کا واحد اچھا کام ہے۔'' رضا بھی اب کھل کر قہقہے لگا رہا تھا جبکہ ارحم کے لبوں پر خجالت آمیز مسکراہٹ تھی۔

''یار! تم ذرا اس مائرہ کا کچھ اتا پتا تو کرواؤ' اس نے پہلے ایک ایڈ کھوسہ کیلئے بھی کیا تھا اور وہی اسے شوبز کی دنیا میں لے کر آیا تھا۔ تم ذرا کسی سے کہہ کر معلومات تو کرواؤ۔'' ارحم نے وہ بات پٹاری سے نکال ہی دی تھی جس کیلئے اسے بلوایا تھا' جبکہ رضا جو اطمینان سے کشن سر تلے رکھے ایک میگزین دیکھنے میں مگن تھا' بہت آرام سے بولا تھا۔

''کیوں' میرا تعلق کون سا خفیہ ایجنسیوں سے ہے یا وہ کون سا اسامہ بن لادن ہے' جس کے پیچھے میں بندے لگا دوں؟'' رضا کے لاپرواہانہ انداز پر ارحم نے بے زاری سے اسے دیکھا۔

''یار! میں اس کے ساتھ سیریس ہوں اور تمہیں مذاق سوجھ رہے ہیں۔''

''تو یہ کون سی نئی بات ہے۔'' وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھا۔

''ٹھیک ہے نہ پتا کرواؤ' میں خود کروا لوں گا' تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے علاوہ کوئی اور یہ کام نہیں کر سکتا۔'' ارحم کے سنجیدہ انداز نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا' اس نے میز پر رکھے اے سی کے ریموٹ کنٹرول سے اس کی کولنگ کو زیادہ کیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''کیا تم واقعی اس لڑکی کیلئے سیریس ہو؟''

ارحم نے ایک کاٹ دار نظر اس پر ڈالی اور خاموش رہا جبکہ اب رضا انتہائی سنجیدگی سے

کہہ رہا تھا۔

''اگر تم اس کیلئے سیریس ہو تو پھر اس چیز سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ کون ہے اور کس بیک گراؤنڈ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کیلئے اتنا ہی کافی ہونا چاہئے کہ تم اسے پسند کرتے ہو اور اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتے ہو۔'' اس کی بات کے جواب میں ارحم نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی خرابی دماغ کا یقین آ گیا ہو۔

''یہ کیسے ممکن ہے' جب تک اس کے اگلے پچھلوں کا پتا نہیں چلے گا' بات کیسے آگے بڑھے گی اور پھر تم ماما کو نہیں جانتے' وہ جب تک پورا شجرہ نسب نہیں کھنگال لیتیں' بات آگے کیسے چل سکتی ہے اور میں تو ماما اور پاپا کا سب سے لاڈلا بیٹا ہوں' میرے حوالے سے انہیں ویسے بھی بہت توقعات ہیں۔''

''ٹھیک ہے' پھر اس لڑکی کا خیال دل سے نکال دو۔'' وہ اتنے عام اور سرسری انداز سے کہہ رہا تھا گویا یہ بہت معمولی بات ہو۔

''یہ بھی ممکن نہیں ہے' وہ بری طرح سے میرے حواسوں پر چھا گئی ہے۔''

اس کے پسپا انداز پر رضا نے سخت بے یقینی سے اپنے سیماب طبیعت دوست کو دیکھا' جو بری طرح سے الجھا ہوا تھا۔ اسے پہلی دفعہ معاملے کی سنگینی کا احساس ہوا تھا۔

❖ ❖ ❖

اس وقت رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔

جب عبدالباری نے عانیہ کی حواس باختہ کال اٹینڈ کی۔ وہ بری طرح روتے ہوئے ابا کی طبیعت بگڑنے کی اطلاع دے رہی تھی۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔ اس بات کا اندازہ اس کی بے ربط گفتگو سے ہوا تھا۔ اس سے زیادہ حوصلے میں تو نمرہ تھی' جس نے انتہائی تحمل سے بتایا تھا کہ ابا کی طبیعت بگڑنے پر وہ لوگ انہیں سول ہسپتال لے آئی ہیں' لیکن ایمرجنسی میں موجود ڈاکٹر نے کہا ہے کہ کسی پرائیویٹ ہسپتال میں لے جائیں۔

وہ آدھے گھنٹے کے اندر اپنے دوست کی گاڑی لے کر وہاں پہنچا تو جمیل صاحب کی طبیعت واقعی سخت خراب تھی۔ اس نے ہسپتال میں موجود لوگوں کی مدد سے ابا کو گاڑی میں ڈالا اور ایک پرائیویٹ ہسپتال میں لے آیا' جہاں ایمرجنسی میں موجود ڈاکٹر نے چیک اپ کے فوراً بعد بتا دیا تھا کہ انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا ہے۔ انہیں فوراً کارڈیالوجی میں ایڈمٹ کرلیا گیا تھا۔

دو گھنٹے کے بعد ان کی حالت کچھ سنبھلی تو عانیہ کی جان میں جان آئی۔

''مائی گاڈ عانیہ! میرا تمہارے بارے میں یہ خیال آج بالکل غلط ثابت ہو گیا' میرا خیال تھا کہ تم بہت باہمت لڑکی ہو لیکن تم سے زیادہ بہادر تو نمرہ ہے۔'' وہ بجائے جواب دینے کے سسکیاں بھرنے لگی تھی۔ اس وقت وہ تینوں ویٹنگ روم میں رکھے صوفوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور عبدالباری عانیہ کے زرد چہرے کو تاسف بھرے انداز سے دیکھ رہا تھا' جو پچھلے کئی گھنٹوں سے وقفوں وقفوں سے رو رہی تھی۔

''اب تو انکل کی طبیعت کافی بہتر ہے' پھر کیا مسئلہ ہے' کیوں رو رہی ہو؟'' عبدالباری کی آواز میں پریشانی کے ساتھ جھلاہٹ بھی نمایاں تھی۔ وہ اب آنسو اپنے بازو کی پشت سے پونچھ رہی تھی۔

''ابا نے تو آج میری جان ہی نکال دی تھی۔''

عبدالباری نے غور سے اسے دیکھا۔ جان تو واقعی نکلی ہوئی لگ رہی تھی۔ انتہائی زرد رنگت' کثرت گریہ سے سوجی ہوئی آنکھیں' وہ گم صم بیٹھی انگلیاں مسل رہی تھی اور اس وقت رات کے تین بج رہے تھے لیکن اس جدید سہولتوں سے آراستہ ہسپتال میں گویا دن نکلا ہوا تھا۔

''باری! یہ تو خاصا مہنگا ہسپتال ہے۔'' اس کے حواس ذرا بحال ہوئے تو اسے اندازہ ہوا اور اب ایک نئی فکر نے اسے گھیر لیا تھا۔ نمرہ بھی اس کی بات پر بری طرح چونکی تھی۔

''تو پھر؟'' عبدالباری اس کی بات نہیں سمجھا تھا۔

''صبح تک تو اس کا بل ہی ہزاروں میں بن جائے گا۔'' اس کے چہرے پر گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔

''کیسی باتیں کرتی ہو عانیہ!'' عبدالباری نے نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور اس کی لال انگارہ آنکھوں سے نظریں چرا کر بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔ ''خود ہی تو کہتی ہو کہ عبدالباری! تمہارے اکاؤنٹ کا خزانہ بھرتا جا رہا ہے' اسے کچھ ہلکا کرو اور گاڑی لے لو' میں نے بھی سوچا کہ اپنی ذات پر تو خرچ کرتا نہیں' چلو کہیں تو کام آئیں۔''

عانیہ کا سارا وجود ایک دم ہلکا پھلکا سا ہوا اور آنکھیں پھر سے چھلکنے کو تیار تھیں۔ ''خبردار! ایک بھی آنسو نکلا تو میں جان نکال دوں گا۔'' عبدالباری کی دھمکی پر وہ روتے روتے ہنسی تھی۔

اگلے دن نمرہ نے ابا کی طبیعت سنبھلنے پر اسے زبردستی کچھ دیر کیلئے گھر بھیجا۔ خود وہ ان

کے ساتھ تھی۔ ابا سو رہے تھے' ان کا نقاہت زدہ جھریوں والا چہرہ دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ عانیہ اور عبدالباری تھوڑی دیر پہلے ہی گئے تھے۔ ابا کو نیند کا انجکشن لگایا ہوا تھا' اس لئے وہ دونوں مطمئن تھے۔ وہ اس پرائیویٹ روم میں ان کے ساتھ تنہا تھی...... کل رات سے پہلی دفعہ اسے بھوک کا احساس ہوا تھا۔ وہ نرس کو ابا کا دھیان رکھنے کا کہہ کر کیفے ٹیریا کی تلاش میں باہر نکلی۔

ایک جوس کا پیکٹ اور سینڈوچ لے کر وہ عجلت میں واپس آئی تو کمرہ نمبر چھ کی بجائے کمرہ نمبر پانچ میں داخل ہوگئی۔ اس نے تیزی سے دروازہ کھولا اور اندر سے باہر آتے شخص سے بری طرح ٹکرائی۔ ہاتھ میں پکڑا جوس کا پیکٹ ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر جا گرا تھا۔

''اوہ آئی ایم سوری......'' وہ حواس باختہ ہوگئی۔

''سوسوری' ایم سوری!'' وہ انتہائی مہذب اور نفیس انداز سے معذرت کر رہا تھا' حالانکہ غلطی سراسر نمرہ کی تھی اور اسے کمرے میں داخل ہوتے ہی احساس ہوگیا تھا کہ وہ غلط کمرے میں آگئی ہے۔ سامنے سنگل بیڈ پر لیٹی پچاس سالہ خاتون نے بہت دلچسپی سے اس نازک سی لڑکی کو دیکھا تھا۔ ان کے چہرے پر بڑا نرم سا تاثر تھا۔

''رضا! بچی کو اندر آنے کا راستہ دو بیٹا۔'' انہوں نے انتہائی محبت سے اپنے بیٹے کو کہا تھا' جو انتہائی خفت زدہ انداز سے اس اٹھارہ انیس سالہ خوبصورت اور دلکش خدوخال کی حامل لڑکی کو دیکھ رہا تھا اور جو انتہائی جھینپے ہوئے انداز سے کھڑی تھی' اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہیں کھڑی رہے یا باہر نکل جائے۔ جوس کا پیکٹ اس نے فرش سے اٹھا لیا تھا۔

''ارے بیٹا آؤ ناں......'' انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی' ان کی ٹانگ پر پلستر چڑھا ہوا تھا اور اٹھنے کی کوشش میں ان کے منہ سے بے ساختہ کراہ نکلی تھی۔

''آپ اٹھیں مت' لیٹی رہیں۔'' اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھنے سے روکا۔ انہوں نے دوبارہ تکیے پر سر رکھ لیا' ان کی آنکھوں کے نیچے حلقے نظر آ رہے تھے۔

''کیا ہوا آپ کو؟'' اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے کو تشویش سے دیکھا۔

''بس بیٹا! اس عمر میں تو یہ سب چلتا رہتا ہے' واش روم میں پاؤں سلپ ہوا اور ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور بیٹے نے لاکر ہسپتال میں ڈال دیا۔'' وہ بجھے بجھے انداز سے ہنسیں۔

''ماما! پھر نرس کو بلالاؤں؟ آپ کو واش روم لے جائے۔'' رضا نے اچانک مخاطب کیا

تو نمرہ فوراً بولی۔

''آنٹی! میں آپ کی کچھ ہیلپ کروں......؟''

''ہاں ضرور بیٹا!'' ان کے چہرے پر بڑا نرم سا تاثر پھیلا تھا۔

''لیکن پلیز یہ ہاتھ میں پکڑا جوس کا پیکٹ اور سینڈوچ پہلے میز پر رکھ دیں' یہاں سے کوئی نہیں اٹھائے گا۔'' رضا کے شرارتی انداز پر اس نے جھینپ کر دونوں چیزیں میز پر رکھیں۔ اس کے خفت زدہ چہرے پر خوبصورت رنگ پھیلے تھے۔

بے تحاشا گوری رنگت اور دلکش نقوش جس میں معصومیت رچی ہوئی تھی' رضا کو اس کا چہرہ اپنے دل میں اترتا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ ماما کو اٹھانے میں اس کی مدد کرنے لگا' کیونکہ اس دھان پان سی لڑکی کیلئے مشکل ہو رہا تھا' پھر وہ انہیں واش روم لے کر گئی اور دوبارہ رضا کی مدد سے انہیں بیڈ پر لٹا دیا۔ رضا کے لبوں سے بڑی سکون پر سانس خارج ہوئی تھی جبکہ ماما اب اس کا انٹرویو لینے میں مصروف تھیں اور وہ انہیں اپنے ابا کے بارے میں انتہائی افسردگی سے بتا رہی تھی جبکہ صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے رضا بڑی فرصت سے یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ اس لڑکی کی شکل کس سے ملتی ہے اور یہ چہرہ شناسا سا کیوں لگ رہا ہے؟

''ماشاء اللہ! بہت پیاری اور سلجھی ہوئی بچی تھی۔'' اس نے ماما کے منہ سے یہ فقرہ سنا تو چونک گیا' وہ کمرے سے جا چکی تھی۔

''شام کو دیکھنے چلیں گے اس کے بابا کو......'' وہ نیا پروگرام مرتب کر رہی تھیں۔

''پہلے آپ خود تو ٹھیک ہو جائیں' اس کے بعد سیر سپاٹے کا پروگرام بنائیے گا۔ پاپا کی کل کی فلائٹ ہے اور میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ گھر آتے ہی ہم چاروں بھائیوں کی شامت آجائے گی کہ ماں کا خیال نہیں رکھتے۔'' اس کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔ وہ اپنے والدین کی آپس میں مثالی محبت پر اکثر دونوں کو تنگ کرتا تھا۔

''ہاں تو تنگ ہی کرتے ہو۔ ہزار دفعہ حسان سے کہا ہے کہ شادی کر لو' کم از کم گھر میں کوئی خاتون تو آجائے گی لیکن اس کے پاس ٹائم ہی نہیں ہے۔ میں اکیلی کیا' کیا دیکھوں......'' بہت خفگی سے وہ کہہ رہی تھیں' حسان ان کا سب سے بڑا بیٹا تھا جبکہ اس سے چھوٹا رضا اور اس سے دونوں چھوٹے جڑواں تھے اور آرمی میں تھے۔

"تو میں کس مرض کی دوا ہوں......" وہ دلفریبی سے مسکرایا اور شرارت سے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن کو قدرے خم دیا۔

"تم......!" تعجب سے ان کی زبان سے بس یہی لفظ ادا ہوا تھا۔

"جو راضی نہیں ہے، اس کے پیچھے پڑی رہتی ہیں اور جو راضی ہے، اس کو لفٹ ہی نہیں کرواتیں۔" عالیہ بیگم خوشی سے بے ہوش ہوتے بال بال بچیں اور ماتھا بھی ٹھنکا۔

وہ بغور اسے دیکھنے لگیں۔ آف وائٹ پینٹ پر انک بلیو شرٹ پہنے وہ خاصا خوبصورت لگ رہا تھا اور چہرے پر تازہ شیو کا اثر بھی تھا۔ انہوں نے دل ہی دل میں ماشاء اللہ کہا اور مسرت انگیز انداز سے بولیں۔

"چلو کوئی تو مانا، بس ذرا پلستر اتر جائے تو فوراً لڑکیاں دیکھتی ہوں۔" خوشی کا واضح تاثر ان کے چہرے پر چمکا تھا۔

"لڑکیاں دیکھنے کی کیا ضرورت ہے، ایک ہی لڑکی کافی ہے۔" گلاس میں پانی انڈیلتے ہوئے وہ شرارت سے بولا تھا جبکہ وہ ایک دم ہنس پڑی تھیں۔ وہ اپنے چاروں بیٹوں کیلئے بہت محبت کرنے والی ماں تھیں اور ان کی خوشی میں خوش رہتیں۔ "سب سے چھوٹا عمر تو باقاعدہ کہا کرتا تھا کہ اماں ہماری سہیلی ہیں۔"

"تو پھر یہ جو ابھی محترمہ آئی تھیں، ان کے بارے میں کیا خیال ہے۔" اس کا لہجہ شریر تھا جبکہ عالیہ بیگم نے چونک کر بیٹے کے چہرے پر پھیلے اشتیاق کے رنگ دیکھے اور خود بھی کسی خیال کے زیر اثر مسکرا دیں۔

❖❖❖

وہ رات کو ہی بیگم عالیہ کو وہیل چیئر پر بٹھا کر ساتھ والے کمرے میں نمرہ کے والد کی عیادت کو پہنچا تو سامنے عانیہ جمیل کو دیکھ کر اسے دھچکا لگا...... اس کے چہرے پر لکھی بدحواسی اور گھبراہٹ صاف پڑھی جا رہی تھی جبکہ عانیہ جو کہ کوئی میگزین پڑھنے میں مصروف تھی، وہ بخاری پروڈکشن کے رضا کو دیکھ کر حیران رہ گئی...... اس کی رضا سے ایک دو بار ہی ملاقات ہوئی تھی جبکہ ٹیلیفونک رابطہ اکثر رہا تھا...... جمیل صاحب دوائیوں کے زیر اثر سو رہے تھے جبکہ نمرہ کو اس نے گھر بھجوا دیا تھا، کچھ گھنٹوں کیلئے اور خود ابا کے پاس تھی۔

"بیٹا! آپ نمرہ کی کیا لگتی ہیں؟ اور کیا یہ ان کے فادر ہیں؟" عالیہ بیگم کے انتہائی شفیق

اور محبت بھرے انداز پر وہ بری طرح چونکی اور فوراً کھڑی ہو گئی۔

"آپ نمرہ کو کیسے جانتی ہیں؟" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا تو عالیہ بیگم نے صبح والا واقعہ سنا دیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"رضا صاحب! آئیں ناں، بیٹھیں۔" اس نے گم صم اور شرمندہ سے رضا صاحب کو مخاطب کیا۔

"بیٹا! آپ رضا کو جانتی ہیں۔" انہوں نے متعجب ہو کر پوچھا۔ انہیں حقیقتاً اس لڑکی کے منہ سے اپنے بیٹے کا نام سن کر حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔

"ماما! یہ عانیہ جمیل ہیں۔ بہت اچھی کالم نگار اور زبردست اسکرپٹ لکھتی ہیں۔" رضا خجالت آمیز انداز سے کہہ رہا تھا۔ اسے حقیقتاً وہاں عانیہ کو دیکھ کر شرمندگی ہو رہی تھی۔ ارحم والے واقعہ کے بعد وہ خاصا شرمندہ تھا اور اسی وجہ سے دوبارہ اس سے رابطہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔

"آئی ایم سوری عانیہ! میں ارحم والے واقعہ کے بعد آپ سے رابطہ نہیں کر پایا۔ یقین کریں مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا پھولوں کا گلدستہ جمیل صاحب کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

"اٹس او کے رضا صاحب!" اس نے متانت سے جواب دیا جبکہ عالیہ بیگم کو ان کی گفتگو سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

"بیٹا! نمرہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟" وہ ڈھونڈنے سے بھی کوئی شباہت دونوں میں نہیں نکال سکی تھیں، اس لئے بے تابی سے بولیں تو رضا ماما کی بے تابی پر مسکرا دیا۔

"آنٹی! وہ میری سب سے چھوٹی بہن ہے۔ انٹر کیا ہے اس نے۔ آج کل پرائیویٹ بی اے کر رہی ہے۔" اس کے جواب پر دونوں ماں بیٹے کے چہرے پر پھیلنے والے حیرت کے رنگ بہت واضح تھے، اس لئے وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔

"میں جانتی ہوں کہ اس کی شکل مجھ سے نہیں ملتی، میری دونوں چھوٹی بہنیں میری والدہ پر ہیں۔ وہ بہت خوبصورت خاتون تھیں جبکہ میری رنگت اور نقوش ابا سے ملتے ہیں......" اس کے تفصیلی جواب پر وہ دونوں بے ساختہ مسکرائے تھے جبکہ وہ اب سادگی سے کہہ رہی تھی۔

"میرے ابا کو شاید آپ نے دیکھا ہوگا، شیخ جی کے نام سے انہوں نے سٹیج کی دنیا پر

پورے تیس سال کام کیا ہے۔''

دونوں نے بے ساختہ گردن موڑ کر سوئے ہوئے جمیل صاحب کو دیکھا۔ بیماری نے انہیں اس قدر لاغر اور کمزور کر دیا تھا کہ پہلی نظر میں کوئی ان کو پہچان ہی نہیں سکتا تھا۔

''اوہ! بہت افسوس ہوا' ان کی بیماری کا سن کر اور میں تو حقیقتاً انہیں پہچان نہیں پائی حالانکہ ان کے دو تین ڈرامے میں نے دیکھ رکھے ہیں۔ اللہ ان کو صحت کاملہ دے۔'' وہ انتہائی محبت سے کہہ رہی تھیں۔ عانیہ غور سے دیکھنے پر بھی ان کے چہرے پر کوئی تمسخر کا تاثر ڈھونڈنے میں ناکام رہی تھی' جو اکثر لوگوں کے چہروں پر ان کے ذکر سے پھیلتا تھا۔

''انہوں نے سٹیج کی بہت خدمت کی ہے' لیکن افسوس کہ ہمارے ہاں لوگ خدمات کا اعتراف زیادہ دیر تک نہیں کرتے اور زیادہ تر سٹیج کے اداکار انتہائی کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور بعض لوگوں نے تو اپنی زندگی کے آخری ایام بہت دردناک انداز سے گزارے ہیں۔'' رضا بھی افسردگی سے کہہ رہا تھا۔

''بس' کیا کیا جائے یہ ہمارے معاشرے کی ستم ظریفی ہے۔'' عانیہ بھی افسردہ ہوئی' لیکن عالیہ بیگم نے دانستہ موضوع تبدیل کر دیا تھا۔ ''بیٹا! آپ کی دوسری بہن کیا کرتی ہیں' شادی شدہ ہیں یا......؟'' انہوں نے بات ادھوری چھوڑی تو ایک تاریک سا سایہ عانیہ کے چہرے پر دوڑا......

''میری دوسری بہن شوبز میں ہے۔ آج کل اس کا ایک پرائیویٹ چینل پر ڈرامہ آرہا ہے شاید آپ نے دیکھا ہو......''

''کیا نام ہے آپ کی بہن کا......'' رضا عجلت میں بولا تھا' اس کی چھٹی حس الارم بجا رہی تھی۔

''مائرہ شیخ......'' وہ آرام سے بولی تھی۔

رضا کو ایک دم جھٹکا سا لگا تھا۔ اس نے بے ساختہ گردن موڑ کر بے یقینی سے اسے دیکھا جو یہ ''بریکنگ نیوز'' سنا کر لاپروائی سے الیکٹرک کیتلی میں چائے بنا رہی تھی۔

''ارے یہ مائرہ شیخ آپ کی بہن ہیں؟'' عالیہ بیگم کو سن کر خاصی خوشی ہوئی تھی۔ وہ اس کا ڈرامہ بہت شوق سے دیکھتی تھیں۔ ''تب ہی میں کہوں کہ نمرہ کے نقوش کچھ جانے پہچانے سے لگ رہے ہیں۔ دونوں کی شکل خاصی ملتی ہے۔'' عالیہ بیگم کی آواز میں خاصا جوش تھا' جسے

محسوس کر کے عانیہ مسکرا دی۔

گفتگو کے دوران رضا نے قدرے محتاط انداز سے پوچھا۔ ''عانیہ! کیا آپ کی سسٹر مائرہ کہیں پے اِنگ گیسٹ کے طور پر ڈیفنس میں رہتی ہیں؟''

''جی ہاں!'' اس نے بغیر کسی لگی لپٹی کے کہا۔ ''اصل میں ابا اس کے شوبز میں آنے کے سخت خلاف تھے اور وہ ہر روز کی بحث سے اکتا کر احتجاجاً علیحدہ رہنے لگی اور ویسے بھی وہ خاصی نفیس طبیعت کی مالک ہے' اسے ہمارے علاقے اور گھٹن زدہ فلیٹ سے نفرت ہے۔ بس کبھی کبھار ملنے کیلئے آجاتی ہے۔'' عانیہ نے چائے کے کپ پکڑاتے ہوئے صاف گوئی سے بتایا اور اس کی یہی سادگی اور سچائی عالیہ بیگم کو بھا رہی تھی۔

''بس بیٹا! یہ نئی نسل اپنے بزرگوں کے تجربات سے نہیں سیکھتی۔ اپنے ماں باپ کی محنت کی قدر نہیں کرتی۔''

''رضا کے والد چاہتے تھے کہ یہ آرمی جوائن کرے لیکن یہ میڈیا میں آ گیا۔'' وہ انتہائی محبت بھرے انداز سے بتا رہی تھیں۔ ''لیکن مجھے ذاتی طور پر یہ قطعاً پسند نہیں کہ اولاد کو اپنی مرضی سے چلایا جائے' تجربے کرنے دو انہیں' ٹھوکر لگے گی تو خود سنبھل جائیں گے۔''

عانیہ نے مسکرا کر اس مہربان سی عورت کو دیکھا' جن کی آنکھوں اور ہر انداز سے محبت اور چاہت چھلک رہی تھی' جبکہ رضا اپنی ماں کی باتوں پر صرف مسکرا رہا تھا۔ اسی لمحے دروازہ دھڑ سے کھلا اور نمرہ اندر داخل ہوئی۔ اندر کا منظر دیکھ کر نہ صرف اس کی آنکھیں بلکہ منہ بھی بے یقینی اور حیرت سے کھلا رہ گیا۔

''السلام علیکم!'' اس نے گڑبڑا کر سلام کیا۔

''ماشاء اللہ' جگ جگ جیو' آؤ ناں' دروازے میں کیوں کھڑی ہو' آپ بھی سوچتی ہوں گی کہ یہ ماں اور بیٹا تو جان ہی نہیں چھوڑ رہے۔''

وہ متبسم انداز سے پھر گویا ہوئیں ''اور اب تو یہ جان ساری زندگی نہیں چھوٹے گی۔''

عالیہ بیگم کی ذومعنی بات پر عانیہ نے چونک کر پہلے انہیں اور پھر رضا کو دیکھا' جس کی آنکھوں میں نمرہ کو دیکھتے ہوئے سوواٹ کے بلب جگمگا رہے تھے۔ عانیہ کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے۔

❖ ❖ ❖

وہ توپ کے گولے کی طرح ایک دھماکے کی مانند دروازہ کھول کر رضا کے آفس میں داخل ہوا تھا۔ لیپ ٹاپ پر کام کرتے رضا نے سخت حیرت سے ارحم کو دیکھا' جس کی آنکھوں میں شدید غصہ اور اشتعال بھرا تھا' بھینچی ہوئی مٹھیوں اور سرخ چہرے کے ساتھ وہ ضبط کی انتہاؤں پر تھا۔

''تم نے صبح نیوز سنی؟ دیکھا ناں وہ الو کی پٹھی مجھ سے جھوٹ بولتی رہی ہے۔'' کمرے میں آتے ہی وہ بولا نہیں بلکہ دھاڑا تھا۔ رضا نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا' جو صوفے پر غصے سے بیٹھا بار بار پہلو بدل رہا تھا۔

''کس الو کی پٹھی نے؟'' وہ حقیقتاً نہیں سمجھا تھا۔

''وہی مائرہ شیخ......'' اس کے بھڑک کر بولنے پر وہ بری طرح چونکا اور لاشعوری طور پر لیپ ٹاپ بند کیا۔ اس کے سارے حواس سرعت سے جاگ گئے تھے۔

''کیوں کیا ہوا؟'' اس نے سنبھل کر پوچھا۔

''ہونا کیا ہے' اس گھٹیا لڑکی سے میں نے پچھلے ہفتے ہی پوچھا تھا کہ تمہارے والدین کہاں ہوتے ہیں' مجھے انتہائی معصوم انداز سے بتانے لگی کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ صرف تین بہنیں ہیں' لیکن رات وہ جو سٹیج کے تھرڈ کلاس سے ایکٹر شیخ جمی کا انتقال ہوا' تو اس پر نیوز میں چھوٹی سی ڈاکومنٹری فلم دکھا رہے تھے' جس میں انہوں نے خصوصی طور پر مائرہ شیخ کا ذکر کیا۔ اندازہ کرو' سارا عالم جانتا تھا اور میں ہی اس کے ہاتھوں الو بنا ہوا تھا' دیکھو کتنی دھوکے باز لڑکی ہے۔'' ارحم کو سخت صدمہ ہوا تھا۔

''اوہ سو سیڈ! کب انتقال ہوا ان کا؟'' رضا کو حقیقتاً رنج کی کیفیت نے گھیر لیا تھا۔ ابھی پچھلے ہفتے تو وہ ان کو دیکھ کر آیا تھا' تب بھی ان کی حالت خاصی خراب تھی اور اس نے دانستہ ارحم کو نہیں بتایا تھا کہ اس کا پروپوزل عانیہ جمیل کی فیملی نے قبول کر لیا ہے۔

''رات کے کسی پہر ڈیتھ ہوئی ہے' جنازہ آج ہے۔'' وہ انتہائی بگڑے تیوروں کے ساتھ بتا رہا تھا۔

''یہ تو بہت افسوسناک بات ہے۔'' رضا نے تاسف بھرے لہجے میں کہا' لیکن وہ تو اپنے ہی غم میں الجھا ہوا تھا۔

''مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ وہ اس شیخ جمی کی بیٹی ہے اس بھانڈ' میراثی کی۔'' وہ

تنفر بھرے انداز سے کہہ رہا تھا۔

''ارحم پلیز! کسی مرے ہوئے شخص کے بارے میں ایسے الفاظ استعمال نہ کرو۔'' رضا کے لہجے میں اس قدر قطعیت اور سختی تھی کہ ارحم جیسا بدلحاظ شخص بھی ایک لمحے کو خاموش رہ گیا۔

''اور جہاں تک بھانڈ اور میراثی ہونے کی بات ہے تو ان کا تعلق بھی شوبز سے تھا اور ہمارا تعلق بھی شوبز سے ہے۔ اس لحاظ سے ہم بھی بھانڈ اور میراثی ہوئے۔'' رضا کے دوٹوک انداز پر ارحم نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم اپنے آپ کو اور مجھے ان تھرڈ کلاس ایکٹرز کے ساتھ ملا رہے ہو' جو چیپ قسم کے مذاق کر کے لوگوں کا دل بہلاتے ہیں۔''

''تو ان ایکٹرز کو چیپ قسم کے جملے کون لکھ کر دیتا ہے؟ ہم لوگ ہی لکھ کر دیتے ہیں ناں؟'' وہ حد درجہ جھنجھلا رہا تھا۔

''اور جہاں تک بات مائرہ شیخ کی ہے تو اس نے اپنے والد کے بارے میں چھپا کر غلط کیا' لیکن شاید اس میں بھی ہمارا قصور ہے' اسے ہم جیسے لوگوں کی ذہنیت کا سامنا رہتا ہوگا تب ہی تو اس نے جیتے جاگتے شخص کو مار دیا۔ ہم لوگ انہی اداکاروں کے ڈرامے بہت شوق سے دیکھنے جاتے ہیں' انجوائے کرتے ہیں اور بعد میں انہیں بھانڈ اور میراثی کہہ کر ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ ہم خود ایک بیمار قوم ہیں۔'' وہ ارحم کی پیشانی پر لحظہ بہ لحظہ بڑھتی شکنوں کی پروا کیے بغیر بلا جھجک بول رہا تھا۔

''اور یہ جو عانیہ جمیل ہے' جس کے لفظوں کے پیچھے ہم پاگلوں کی طرح ریٹنگ بڑھانے کیلئے استعمال کرنا چاہ رہے تھے' وہ بھی اسی شخص کی بیٹی ہے اور بڑے فخر سے اپنے باپ کا تعارف کرواتی ہے۔ اس کے باپ نے اپنی زندگی کے قیمتی تیس سال سٹیج کے پودے کی آبیاری کرنے میں لگائے ہیں۔ اس شخص نے اپنی بیٹیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا' ان کو شعور دیا' تم خود اس بات کو مانتے ہو کہ مائرہ شیخ عام لڑکیوں سے بہت مختلف ہے اور تم اس کے باپ کو بھانڈ اور میراثی کہہ کر مذاق اڑا رہے ہو۔'' وہ مضبوط لہجے میں بول رہا تھا۔ کئی لمحوں تک تو ارحم کچھ بول ہی نہیں سکا تھا۔

''آئی ایم سوری! میں تمہیں بتا نہیں سکا تھا عانیہ اور مائرہ کی چھوٹی بہن نمرہ کے ساتھ میرا رشتہ ماما نے فائنل کر دیا ہے اور میری پسند اور خواہش اس میں شامل ہے۔''

"کیا!" ارحم کا منہ بے یقینی سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے حقیقتاً شاک لگا تھا۔ اس کے چہرے پر انتہائی صدمے کی کیفیت لکھی صاف پڑھی جا رہی تھی۔ اس کے سر پر تو گویا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ گنگ رہ گیا تھا۔

"ابھی ایک ہفتہ پہلے فارن منسٹری کی ایک پوسٹ پر کام کرنے والے عبدالمعید کے بیٹے عبدالباری کے ساتھ عانیہ جمیل کا نکاح اس کے والد کی خواہش اور بیماری کی وجہ سے اچانک کرنا پڑا' ہم لوگ بھی انوائیٹڈ تھے اور وہیں ماما نے نمرہ کیلئے میری بات کر لی۔" وہ اسے تفصیل بتا رہا تھا جبکہ ارحم کا دماغ ماؤف ہو چکا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

"آئی ایم سوری رضا! یہ تمہارا ہی حوصلہ ہے ورنہ میرا ظرف اتنا بڑا نہیں' میں کسی سٹیج ایکٹر کی بیٹی کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعلق نہیں رکھ سکتا۔ بہرحال تمہیں بہت بہت مبارک ہو۔"

وہ بمشکل بولا تھا جبکہ رضا نے تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا' جو کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس کے دل پر مہر لگی ہوئی تھی لیکن وہ اتنا جانتا تھا کہ اس کا اپنا آسمان بے حد چمکدار اور روشن تھا۔

❖❖❖

کسی ڈراؤنے خواب کے زیر اثر مائرہ کی آنکھ کھلی تھی......

اپنے تیز تیز دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے بازو کی پشت سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا اور بمشکل اٹھ کر لائٹ جلائی' کمرے میں سو واٹ کا بلب جلا لیکن اندر کی تیرگی ویسے ہی قائم تھی...... بلب کی روشنی میں فلیٹ کی خستگی اور نمایاں ہو رہی تھی۔

اس نے چھت کے گارڈر پر نظریں جمائے اپنی زندگی کی ڈائری ذہن میں کھولی۔ ہر طرف یادوں کی کرچیاں تھیں' جو دل و دماغ میں بیٹھے پچھتاوے کو تقویت دے رہی تھیں۔ اس کے اعصاب شل ہو چکے تھے۔ وہ فلیٹ میں تنہا تھی اور تنہائی اور پچھتاوے کے ناگ اسے دن رات ڈستے تھے۔ وہ جب پیدا ہوئی تو ابا نے اس کا نام رانی رکھا تھا۔ اس کی عادات بھی بہت شاہانہ تھیں اور وہ ابا کی حد درجہ لاڈلی بیٹی تھی اور اس لاڈ میں اس نے ہمیشہ اپنی منوائی اور اکثر اس کا ناجائز فائدہ بھی بہت دھڑلے سے اٹھایا۔

وہ بچپن سے ہی بہت خودغرض تھی اور ہمیشہ اپنی ذات کے بارے میں سوچتی۔ اس کو ابا

نے شہر کے سب سے بہترین سکول میں تعلیم دلوائی اور جیسے جیسے وہ بڑھتی گئی' اسے اپنے علاقے' فلیٹ اور ماحول سے چڑ ہوتی گئی۔ وہ ابا سے اکثر لڑتی اور کسی اچھے علاقے میں گھر لینے کی فرمائش کرتی جو کہ ان کیلئے ممکن نہیں تھا' کیونکہ ان کے محدود معاشی ذرائع تھے۔

اسے ابا کے پروفیشن سے نفرت تھی اور وہ اکثر اپنی کلاس فیلوز کو ان کے بارے میں غلط بتاتی۔ اسے حد درجہ تذلیل کا احساس ہوتا' اگر اسے کوئی سٹیج ایکٹر کی بیٹی کے حوالے سے مخاطب کرتا۔ اسے ابا کا حوالہ سخت ناپسند تھا اور یہی وجہ تھی کہ جب اس کے ایک کلاس فیلو نے اسے شوبز جوائن کرنے کا مشورہ دیا تو اس نے ابا کی مخالفت کی وجہ سے گھر ہی چھوڑ دیا اور ہاسٹل میں رہنے لگی۔ وہ ایک ٹاپ کلاس ماڈل اور اداکارہ بننا چاہتی تھی۔ اپنی ذات کی شناخت کے سفر میں وہ سب کچھ چھوڑ آئی تھی۔ اسے ان بدبودار گلیوں سے گھن آتی تھی' وہ ایک ہی جست میں آسمان کو چھونا چاہتی تھی۔

جن دنوں ابا سخت بیمار تھے' عانیہ نے اسے بار بار فون کیا کہ وہ آ کر ابا سے معافی مانگ لے لیکن وہ ہر بار اسے دھتکار دیتی تھی۔ وہ اپنے ماضی سے ہر قیمت پر چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ خواہشات کی دیمک نے اس کے ذہن و دل کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا اور پھر اسے ارحم بخاری مل گیا۔ اس نے سوچا کہ اب زندگی سہل ہو جائے گی مگر وہ جانتی نہیں تھی کہ تقدیر اپنے دامن میں کون سی گھاٹ لئے' اس کی منتظر ہے۔

اور پھر ابا مر گئے اور ان کی وفات نے اس کا سارا پانسہ الٹ دیا تھا۔ میڈیا نے اس کے حوالے سے ان کی موت کو خاصی کوریج دی تھی اور اسے ابا کے انتقال کا اتنا دکھ نہیں تھا' جتنا ان کی ذات کے حوالے سے اپنی پہچان نے کرب میں مبتلا کر دیا تھا' حالانکہ بے شمار لوگوں نے اس سے بہت خلوص دل سے ان کی موت کی تعزیت کی تھی اور ابا کی خدمات کو سراہا تھا' لیکن ارحم بخاری کے الفاظ نے اسے آسمان سے زمین پر لا پھینکا تھا۔ وہ اپنی ہی نظروں میں بے وقعت ہو گئی تھی اور اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ اسی باپ کے حوالے سے عانیہ اور نمرہ نے خوبصورت زندگیوں کا آغاز کیا تھا اور وہ ابا کے نام پر فخر کرتی تھیں۔ تیرگی تو اسی کے حصے میں آئی تھی۔

عانیہ اور نمرہ دونوں اپنے گھروں میں بہت آسودہ حال تھیں اور ایک وہی تھی جس کی زندگی میں اضطراب اور بے چینی نے ڈیرے ڈال لئے تھے۔ اسے ابا کی موت کے بعد

احساس ہوا تھا کہ اس کا کتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔ ارحم نے بھی انتہائی برے الفاظ میں اسے دھتکار دیا تھا اور اسے ٹھیک طریقے سے اس کی ''اوقات'' دکھائی تھی۔

اور وہ جو سمجھتی تھی کہ حسن ایک ایسا ہتھیار ہے' جس کے ساتھ وہ دنیا فتح کر سکتی ہے' وہ اپنے پہلے ہی قدم پر بری طرح گری تھی۔ آسائشات اور اپنی ذات کی پہچان کے جنون میں اس نے سکون کی دولت گنوا دی تھی اور تب اسے احساس ہوا تھا کہ اس کا کتنا بڑا نقصان ہوا ہے۔

ابا اس سے آخری لمحے تک خفا تھے' یہ احساس اسے کہیں بھی سکون نہیں لینے دیتا تھا۔ اس نے شوبز کی دنیا چھوڑ دی تھی۔ عجیب سی بے چین طبیعت بن گئی تھی اس کی' جو اسے ہر لمحہ مضطرب رکھتی تھی۔ عانیہ اور عبدالباری اپنے ایک بیٹے کے ساتھ بہت خوش و خرم تھے اور اکثر اسے لینے آتے لیکن وہ ہر دفعہ جانے سے انکار کر دیتی۔ اسے اس فلیٹ سے خوشبو آتی تھی' ابا کی اور وہ ساری رات ننگے پاؤں ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جاتی لیکن بے چینی ختم ہی نہیں ہوتی تھی۔ نمرہ بھی شادی کے بعد رضا کے ساتھ بہت مطمئن تھی اور اب رضا نے ارحم کے ساتھ اپنی پارٹنرشپ ختم کر کے اپنا بزنس شروع کر لیا تھا۔ اس کی دونوں فیکٹریاں بہت اچھا خاصا منافع دے رہی تھیں۔

بس ایک وہی سیٹ نہیں تھی۔ اسے رات بھر نیند نہیں آتی تھی۔ آج بھی ایک ڈراؤنے خواب کے زیر اثر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ حلق بالکل خشک تھا اور کمرے میں حبس اور گرمی کا احساس بڑھ گیا تھا۔ وہ سرعت سے اٹھ بیٹھی اور کمرے کی ساری کھڑکیاں کھول دیں' لیکن گرمی کا احساس جوں کا توں تھا۔ وہ ننگے پاؤں' دوپٹے سے بے نیاز دروازہ کھول کر باہر گیلری میں نکل آئی۔

سامنے مندر میں بلب کی روشنی میں کالی ماتا کی مورتی سے اسے عجیب سا خوف لاحق ہوا۔ کالی ماتا جو موت کا پیغام تھی' اس کو اپنا وجود مردہ لگ رہا تھا۔ تنہا اور خالی ہاتھ...... زیست کا یہ سفر اس کو پتا نہیں کب تک اکیلے کاٹنا تھا' کیونکہ پچھتاوؤں کے موسم اتنی آسانی سے کہاں گزرتے ہیں۔ اس نے رنجیدگی سے آسمان پر اماوس کے اداس چاند کو دیکھا۔ نیچے تنگ اور بوسیدہ گلی بالکل ویران تھی جیسے وہ تنہا تھی...... بالکل تنہا...... اور خالی ہاتھ۔

❖ ❖ ❖

اک رسم محبت ہے

پہلے آندھی اور پھر دھواں دھار بارش کے بعد پورا گھر بے ترتیب اور گرد سے اٹا ہوا تھا۔ انہوں نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔

کالے سیاہ بادلوں سے ڈھکا آسمان اب مکمل رفتار سے برسنے کے بعد خاصا پرسکون تھا۔ املتاس کے زرد گچھوں میں چھپی کوئل کی آواز خالی گھر میں انہیں زندگی کا احساس دلا گئی۔

اے سی بند کر کے انہوں نے گھریلو سلیپر پہنے اور پورے کمرے کے پردے کھڑکیوں سے ہٹائے اور دروازہ کھول کر باہر نکلے تو فضا میں حبس کا احساس ہو رہا تھا۔ لان میں لگے آم کے درخت پر کچھ کوے شور مچا رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ خوفزدہ ہو کر اڑے اور اب لان پرندوں کے وجود سے صاف ہو چکا تھا۔

برآمدے کا فرش مٹی سے اٹا ہوا تھا اور اب درختوں کے پتے اور بارش کے پانی کی وجہ سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھا۔ سفید ٹائلوں والا فرش گندا دیکھ کر انہیں خفقان ہونے لگا' ہر طرف بوگن ویلیا کے گلابی پھول بکھرے ہوئے تھے۔ کونے میں لگی بیل کے پیچھے سے ایک ننھی سی گلہری نے بڑی شرارتی نظروں سے ان کو دیکھا اور پھر بھاگ کر نیم کے درخت پر چڑھ گئی۔

درختوں کے پتے' ٹوٹی شاخیں اور ان میں جگہ جگہ کھڑا بارش کا پانی دیکھ کر انہیں گھریلو ملازم پر غصہ آنے لگا۔

جو شاید ان کی گہری نیند کا یقین کر لینے کے بعد پڑوس میں رہنے والے سول جج کے ملازم کے ساتھ گپیں لگانے چلا گیا تھا اور اس کی یہ عادت انہیں زہر لگتی تھی۔

''میں آج ہی سارا حساب بے باق کر کے کسی اور ملازم کا بندوبست کرتا ہوں۔'' انہوں

نے مصمم ارادہ کیا۔

وہ جھنجھلا کر مڑنے لگے اور اسی وقت لان کے پاس لوہے کا گیٹ کھلنے کی آواز پر انہوں نے دیکھا۔ شرمندہ شرمندہ سا رفیق آنکھیں چراتا ہوا اندر داخل ہو رہا تھا۔

ان کے غصے سے گھورنے پر اس نے گھبرا کر کندھے پر رکھے صافے سے منہ صاف کیا اور جلدی جلدی پورچ میں گول مول انداز میں پڑے پائپ کو گھسیٹا اور تیزی سے لان میں لگے نل پر اس کا منہ فٹ کرنے لگا اور اگلے ہی دو منٹوں میں لان کے کونے میں پڑا گیلا جھاڑو اٹھا کر فرش دھونے کی تیاری کر چکا تھا۔

''فرش دھونے کے بعد تیتر کا پنجرہ بھی صاف کر دینا۔ اندر گند کا ڈھیر لگ چکا ہے' جو تمہیں پتا نہیں کیوں نظر نہیں آتا اور پھر ہاتھ منہ دھونے کے بعد فوراً مجھے چائے کا کپ بنا کر سٹڈی روم میں دے کر جاؤ۔''

''جی صاحب!'' رفیق نے اتنی جلدی جان چھوٹنے پر اطمینان بھرا سانس لیتے ہوئے سر ہلایا۔ اندر جا کر انہوں نے اپنے کپڑے نکالے اور آدھا گھنٹہ شاور لینے کے بعد طبیعت میں کچھ تازگی کا احساس جاگا تھا۔ گیلے بالوں میں برش کرتے ہوئے ان کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھی کالے رنگ کی فائل پر پڑی اور طبیعت پر عجیب سا بوجھ پھر ان گرا تھا' جس سے چھٹکارا پانے کیلئے وہ کورٹ سے آنے کے فوراً بعد سو گئے تھے۔ کیونکہ دوپہر سے وہ اچھے خاصے ذہنی خلفشار کا شکار تھے۔

لیکن آنکھیں بند کرنے کے بعد چندا کی دو حیران اور بے یقین آنکھیں ذہن کے پردے پر ابھری تھیں۔

آج صبح کورٹ جاتے ہوئے انہیں لمحہ بھر کو بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ حبس اور گرمی کا یہ موسم ان کے اندر بھی آگ لگا دے گا...... آج موسم میں عجیب بے چینی کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا اور پھر کورٹ کے احاطے سے گزرتے ہوئے ایک چھتنار پیٹر کے نیچے کاسنی شرٹ پر وائٹ دوپٹہ اوڑھے لاپروائی سے کسی وکیل سے باتیں کرتی لڑکی پر انہیں چندا کا گمان ہوا تھا۔ لیکن اگلے ہی لمحے وہ کندھے جھٹک کر اپنے چیمبر کی طرف بڑھ گئے۔

اور ٹھیک تیس منٹ کے بعد کمرہ عدالت میں اپنے وکیل کے ساتھ آتی لڑکی کو دیکھ کر وہ ایک دم سناٹے میں آ گئے۔

چلتے چلتے وہ بھی رکی اور ہکا بکا انداز میں منصف کی سیٹ پر براجمان بندے کو دیکھ کر اس کا سانس ایک لمحے کو رک سا گیا تھا۔

وہ قیامت خیز دھماکوں کی زد میں تھی۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا گلابی مائل چہرہ سپید ہو گیا تھا' جبکہ دل پہلو میں خزاں رسیدہ پتے کی طرح لرزے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں تحیر' بے یقینی اور پریشانی کے رنگ نمایاں تھے۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ اضطرابی انداز میں اپنے بازو میں پڑے کڑے کو گھما رہی تھی۔

انہوں نے بہت غور سے سفید شلوار' کاسنی قمیض اور سفید عام سے لان کے دوپٹے میں ملبوس چندا کو دیکھا۔ اس کے کاندھوں تک آتے گھنگھریالے بال آج بھی بہت مشکل سے کلپ میں قید تھے۔

اس کے گلابی ہونٹوں کا کٹاؤ آج بھی نمایاں تھا۔

براؤن کٹورا آنکھیں آج بھی ویسی ہی سحر انگیز لگ رہی تھیں۔

چھوٹی سی تیکھی ناک میں پڑی ڈائمنڈ کی لونگ کا لشکارا آج بھی ویسا ہی تھا۔

خوبصورت گلابی پیر سفید رنگ کی پٹیوں والی چپل میں قید تھے۔

لیکن خلاف معمول اس کا چہرہ ہر قسم کے میک اپ سے عاری تھا۔

اس نے اپنے دائیں جانب کھڑے وکیل سے شاید اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ تب ہی اس کے جواب سے چندا کے چہرے پر نمودار ہونے والا اضطراب اس کی تیز آنکھوں سے پوشیدہ نہ رہ سکا۔

منصف کی کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے فائل کے نوٹس پڑھے۔

یہ عروج فاطمہ کا اپنے شوہر کی طرف دائر کردہ خلع کا کیس تھا۔

ان کا دل تیزی سے دھڑکا۔ انہوں نے بے یقینی سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھا' جس کا نام تو عروج تھا اور اس کا اثر اس کے مزاج اور طبیعت میں بھی آ گیا تھا۔ وہ ہمیشہ جیتنا ہی پسند کرتی تھی۔ لیکن آج اس کی شخصیت میں وہ مخصوص دم خم ناپید تھا۔ وہ خاصی بکھری بکھری اور کشمکش کا شکار لگ رہی تھی۔

لمحات صدیاں بن گئے تھے۔

اور آج اپنی پروفیشنل زندگی کے پہلے دن انہوں نے بغیر کسی وجہ کے تمام کیسوں کی

سماعت ملتوی کر دی تھی۔ ان کا سٹینو اور دفتری لوگ ششدر تھے کہ سینئر سول جج طلال منظور تو اپنے کام کے معاملے میں انتہائی سخت' دیانتدار اور اصولوں پر کوئی بھی سمجھوتہ نہ کرنے کی شہرت کے حامل تھے اور اپنا عدالتی کام ہمیشہ مقررہ وقت پر نبٹانے کے قائل تھے۔

لیکن آج اسی طلال منظور نے عدالتی کارروائی کل تک ملتوی کر دی تھی۔

وہ چائے کا کپ لے کر لان میں پڑی چیئرز کی طرف آ گئے تھے۔ رفیق نے سارا گھر چمکا دیا تھا۔ برآمدے میں رکھے گملے دھل کر خاصے نکھرے نکھرے دکھائی دے رہے تھے۔ فضا کچے آموں کی خوشبو سے مہک رہی تھی۔ سامنے سرسبز مہندی کی باڑھ میں بے شمار رنگ برنگی چڑیاں غل مچا رہی تھیں' ایک ٹھنڈی ہوا کا بھیگا جھونکا کہیں سے آ کر درختوں سے ٹکرایا تو پتوں پر اٹکی ہوئی بے شمار ننھی منی بوندیں پھوار کی طرح برس گئیں' بادل پھر آ رہے تھے۔

انہوں نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھا اور سگریٹ سلگا کر سامنے والی دیوار پر بیٹھی چڑیا کو دیکھا' جس کے پر بھیگے ہوئے تھے۔ وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔ ''صاحب جی! باہر کوئی عروج فاطمہ آئی ہیں' آپ سے ملنا چاہ رہی ہیں۔ میں نے بہت کہا کہ صاحب گھر پر کسی سے نہیں ملتے لیکن وہ کسی طور نہیں مان رہیں۔''

''کیا......؟'' ان کو زبردست جھٹکا لگا...... جلتا ہوا سگریٹ بہت تیزی سے انہوں نے کیاری میں پھینکا تھا۔ رفیق نے ان کی اس حرکت کو ناگواری سے دیکھا اور بیزاری سے بولا۔

''جی گیٹ پر کھڑی ہیں۔''

''انہیں اندر لے آؤ......'' وہ بدحواسی کے انداز میں کھڑے ہوئے۔ وہ حد درجہ مضطرب اور بے چین لگ رہے تھے۔ سفید کاٹن کے شلوار سوٹ میں ان کی نکھری ہوئی وجیہ شخصیت کی ایک ایک ادا سے اداسی اور پریشانی ٹپک رہی تھی۔

وہ صبح والے سوٹ میں ہی ملبوس تھی۔ ہینڈ بیگ کندھے پر لٹکائے وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ادھر ہی آ رہی تھی۔ اس کے چہرے کے دلکش نقوش پر تلخیوں کا غبار چھایا ہوا تھا۔ در و بام پر شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ انہوں نے فکرمندی سے اسے دیکھا' جو ان کے سامنے آ کر بالکل خاموش کھڑی ہو گئی تھی۔

''آیئے! تشریف رکھیے۔'' ان کے پرتکلف لہجے پر اس نے گلہ آمیز نظروں سے انہیں دیکھا اور خاموشی سے لان چیئر پر بیٹھ گئی' وہ بالکل گم صم سی تھی۔

''کیسی ہو؟'' انہوں نے سنبھل کر پوچھا اور ساتھ ہی رفیق کو سکواش بنانے کا اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہوں!'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی اور بیگ کی زپ کو اضطراری انداز میں کھولنے اور بند کرنے لگی' انہوں نے بہت غور سے اس کی اس لاشعوری حرکت کو دیکھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے وہ اسی کام کیلئے آئی ہو۔

''میاں جی اور بے جی کیسی ہیں؟'' اس نے بے تابی سے پوچھا۔

''میاں جی!'' وہ زیرلب بڑبڑائی اور آنکھیں اٹھا کر انہیں دیکھا تو انہیں اس کی آنکھوں میں دکھ' ہلکورے لیتا نظر آیا' وہ آہستگی سے بولی۔

''میاں جی کی تو ڈیتھ ہو گئی۔''

''اوہ!'' وہ ایک دم مضطرب ہو گئے۔ ''کب؟ کیسے؟''

''دو سال ہو گئے۔'' وہ ہونٹوں کو کچلتے ہوئے تاسف بھرے انداز سے گویا ہوئی۔

''اور بے جی!'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''وہ زندہ ہیں' لیکن اکثر بیمار رہتی ہیں۔ شوگر اور گٹھیا کے مرض نے وقت سے پہلے ہی بہت بوڑھا کر دیا ہے۔'' وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولی۔ ''ویسے وہ میرے ساتھ ہی رہتی ہیں۔''

''اور رمضو چاچا اور سکینہ چاچی؟''

اس کے سوال پر اس نے حیران آنکھوں سے انہیں دیکھا اور تحیر آمیز لہجے میں بولی۔

''آپ کو سب یاد ہیں؟''

''ہوں'' وہ دھیرے سے مسکرائے اور آنکھیں بند کر کے آہستگی سے بولے۔

''سب یاد ہے وہ لان میں لگا بوڑھا برگد کا درخت' وہ تمہاری گڑیا کی شادی پر لکڑی کا فرنیچر تیار کرنا۔ وہ سکینہ چاچی کے پان چرا کر کھانا۔ رمضو چاچا کو تنگ کرنا اور انکل فیضی کے لان کے درخت سے کیریاں چرا کر لانا اور میاں جی سے ڈانٹ کھانا۔'' وہ ماضی میں کھو سے گئے تھے اور پھر ایک یاد نے انہیں بے چین کیا تو فوراً مضطرب ہو کر آنکھیں کھولیں اور کھوجتے ہوئے لہجے میں بولے۔

''تم کامران سے طلاق کیوں لینا چاہتی ہو؟''

اس نے بے ساختہ آنکھیں چرائیں اور دھیرے سے گویا ہوئی۔ ''میں اسی سلسلے میں

آپ سے ملنے آئی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے۔" انہوں نے تیزی سے بات کاٹی۔

"اور تمہیں تو کامران سے بہت زیادہ محبت تھی نا؟" وہ بہت عجیب سے لہجے میں بولے۔

"ہوں!!" اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔ "وہ میری زندگی کا سب سے غلط اور بدترین فیصلہ تھا' حالانکہ میاں جی نے مجھے بہت سمجھایا تھا۔" اس کے لہجے میں گہرا ملال اتر آیا۔

"پھر......؟"

"میں پچھلے اڑھائی سال سے اس سے علیحدہ رہ رہی ہوں اور اب تو اس نے دوسری شادی بھی کر لی ہے اور میں نے سوچا کہ درمیان میں لٹکنے سے بہتر ہے کہ میں کوئی فیصلہ کرلوں' لیکن وہ دوسری شادی کرنے کے باوجود مجھے خود سے طلاق دینا نہیں چاہتا' کیونکہ اس صورت میں اسے بھاری بھرکم حق مہر مجھے دینا ہوگا۔ وہ چاہتا ہے کہ میں خود ہی تنگ آ کر کوئی انتہائی قدم اٹھا لوں۔" وہ اب...... خاموشی سے جوتے کی نوک سے گھاس کرید رہی تھی' چہرے کے تاثرات کسی گہری سوچ میں گم ہونے کا پتا دے رہے تھے۔

"اچھا!" انہوں نے پرخیال انداز میں سر ہلایا۔

"کتنے عرصے میں فیصلہ ہو جائے گا؟" وہ سپاٹ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"یہ تو دوسری پارٹی پر منحصر ہے' اگر اس کا یہ ہی ارادہ تھا تو میرا خیال ہے کہ دوسری تیسری پیشی میں ہی فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ اپنا دفاع کرنے کیلئے چاہے اوپر اوپر سے لیکن تمہیں مصالحت کی ترغیب ضرور دے گا۔ ورنہ اس کا کیس کمزور ہو جائے گا۔ تمہارے وکیل نے اسے نوٹس تو بھجوا دیا ہوگا۔"

"ہوں......!" اس نے سر ہلا دیا۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔ سکواش کا خالی گلاس سامنے ٹیبل پر رکھا اور وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔

"بس میں چاہتی ہوں کہ فوراً فیصلہ ہو جائے' اس کے بعد میں بے جی کو لے کر گاؤں شفٹ ہو جاؤں گی۔ میں شہر کی فضاؤں' شور اور دھوکے بازیوں سے تنگ آ چکی ہوں۔" اس

کے لہجے میں صدیوں کی تھکن تھی' ایک بہت تلخ بات طلال کے لبوں تک آتے آتے رہ گئی' وہ مصلحتاً خاموش ہو گئے۔

وہ جاتے جاتے پلٹی۔ "آپ کبھی بے جی کو ملنے آئیں نا' وہ آپ کو اکثر یاد کرتی ہیں۔"

"اچھا......؟ حیرت ہے؟" ان کے بے یقین لہجے پر اس کے چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی۔

"آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے؟" گیٹ پر ہاتھ رکھ کر وہ بہت دل گرفتہ انداز میں مخاطب ہوئی۔ وہ بمشکل مسکرا کر بولے۔ "کیوں آپ نے کیا کیا ہے؟"

وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ "تمہارا 'آپ' 'آپ'۔ کر کے اجنبی اور پرتکلف انداز مجھے بہت اچھے طریقے سے جتا رہا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے؟"

اپنی بات مکمل کر کے وہ رکی نہیں' اس سے پہلے کہ وہ اسے روکتے وہ سڑک پر کھڑے رکشے والے سے کرایہ طے کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ساتھ والے گیٹ سے طاہر صاحب نے اسی وقت جھانکا تھا' وہ شرمندہ ہو کر وہیں سے پلٹ گئے۔

"لو اب ان کو صفائی دینا پڑے گی کہ ایک ان میرڈ بندے کے گھر میں کسی خاتون کا کیا کام؟" وہ جھنجلا سے گئے اور جاتے ہی اندر رفیق کو جھاڑا جو منہ کھولے اپنے صاحب کے خلاف توقع کاموں کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد انہوں نے اس کی فائل کا بغور مطالعہ کیا تو انہیں اندازہ ہوا کہ اس کی طرف سے لگائے گئے الزامات خاصے مضبوط اور جاندار تھے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بہت جلد کیس جیت جائے گی۔ لیکن ماضی کا ایک کیس ان کے دل و دماغ میں بھی کھل چکا تھا۔ انہوں نے تھک ہار کر تکیے سے ٹیک لگائی اور ماضی کا البم کھولنے لگے۔

❖ ❖ ❖

وہ اگست کی کوئی گرم دوپہر تھی' جب وہ ابے کے ساتھ اپنا لوہے کا ٹرنک' ایک ٹوکری' گڑ' گنے اور بے شمار دیہات کی سوغات کے ساتھ شہر میں میاں جی کے گھر پہنچا تھا۔ کالج میں داخلہ لے کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا خواب اور بے شمار آرزوؤں کی پوٹلی لے کر جب وہ ابے کے ساتھ میاں جی کے گھر پہنچا اور خلاف توقع ان کا پرجوش استقبال اور اپنی زمینوں کے منشی منظور

دین کو یہ یقین دہانی کہ اس کے پڑھاکو بیٹے کو یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ طلال منظور کو اپنے خوابوں کی تعبیر دور دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

"منظور! تمہارے پتر نے تو بورڈ میں ٹاپ کر کے پورے پنڈ کی بلے بلے کروادی' میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ جو آموں کے باغ میں سارا دن چارپائی پر خاموشی سے کتاب کھولے بیٹھا رہتا ہے یہ بورڈ میں پوزیشن لے گا۔" حقہ گڑگڑاتے ہوئے میاں جی نے کھلے دل سے اسے سراہا تھا اور سبز چوکور خانوں والی دھوتی اور سفید لان کا کرتا اور کندھے پر رکھے رنگین صافے سے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے منظور دین کے چہرے پر بڑے فخریہ احساسات نمودار ہوئے تھے۔

"بس چوہدری صاحب! مولا کا کرم ہے میرے پتر کے حساب میں پورے سو میں سے سو نمبر آئے ہیں۔" ابے نے ہنستے ہوئے اپنے پتر کا ایک اور کارنامہ بتایا۔

"اچھا......!" میاں جی چونکے اور پھر ہنستے ہوئے بولے۔

"چلو تمہارا پتر یہاں رہے گا تو میری نالائق پوتی کو بھی پڑھا دیا کرے گا' اس کی ریاضی تو بہت ہی کمزور ہے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں چوہدری صاحب' اس کی مجال ہے کہ انکار کر سکے۔" ابے نے انہیں یقین دہانی کروائی اور پھر اس کی طرف مڑ کر بولے۔

"پتر! تمہیں چوہدری صاحب کے پاس چھوڑے جا رہا ہوں' ان کی کوئی بھی بات تمہارے لئے حکم کا درجہ ہونی چاہئے۔ مجھے کوئی شکایت نہ ملے۔"

اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا اور آنکھوں ہی آنکھوں سے ابے کو یقین دہانی کروائی' جو باہر جانے کیلئے پر تول رہا تھا۔

اسی لمحے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا۔ پنک شلوار قمیض میں اپنے گھنگھریالے بالوں کو بمشکل پونی میں قید کئے وہ بڑے لاابالی انداز میں اندر داخل ہوئی تھی۔ کمرے میں دو اجنبی لوگوں کو دیکھ کر وہ ٹھٹکی اور پھر ابے کو غور سے دیکھنے پر اس کی آنکھوں میں شناسائی کی لہر ابھری اور وہ بڑے پرجوش انداز میں بولی۔

"منشی چاچا! گاؤں سے کیریاں لائے ہیں؟"

"ہاں ہاں دھی رانی! کیوں نہیں۔ اپنی چندا بیٹی کی فرمائش بھلا مجھے کیسے بھول سکتی

ہے۔" ابے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے یقین دہانی کروائی تو اس کی آنکھوں میں خوشی کے جگنو چمک اٹھے اور وہ بڑی ٹوکری میں جھانکنے لگی۔

"چندا......!" میاں جی کے تنبیہی لہجے پر وہ فوراً سیدھی ہوگئی اور سنجیدگی سے بولی۔

"بے جی کہہ رہی ہیں کہ کھانا لگوا دوں؟"

"ہاں ادھر ہی بھجوا دیں۔ میں منشی منظور کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا اور رمضو کو کہو کہ میرے ساتھ والا کمرہ طلال کیلئے سیٹ کر دے۔ یہ اب یہیں رہے گا۔"

"کون یہ......؟" چندا نے حیران نظروں سے پندرہ سولہ سال کے لڑکے کو غور سے دیکھا' جو خاصا جھینپا ہوا اور دبو سا لگ رہا تھا۔ اسے خاصی مایوسی ہوئی۔

"چندا!" میاں جی کے تنبیہی لہجے پر وہ پراعتماد انداز میں کندھے اچکا کر رہ گئی اور اگلے ہی لمحے وہ کمرے سے باہر تھی جبکہ میاں جی بڑے محبت بھرے لہجے میں کہہ رہے تھے۔

"بہت شرارتی ہے میری پوتی' اکثر اکلوتے ہونے کا ناجائز فائدہ اٹھاتی ہے اور ہم دونوں بڈھے' بڑھیا سوچ کر خاموش ہوجاتے ہیں کہ بن ماں باپ کی بچی ہے' کہیں دل میں کوئی ملال نہ آجائے' اسی کی خاطر شہر میں بیٹھے ہیں۔ ورنہ دیہات کی خالص آب و ہوا کو چھوڑنے کو کس ظالم کا دل کرتا ہے۔ نہ اس کے ماں باپ ٹریفک حادثے میں جاں بحق ہوتے' نہ اس ننھی سی جان کو اتنی سی عمر میں اتنا بڑا صدمہ برداشت کرنا پڑتا۔" میاں جی کا لہجہ گہرے دکھ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"بس چوہدری صاحب! اللہ کی امانت تھی' اس نے واپس لے لی۔ اللہ کے کاموں میں کون دخل دے سکتا ہے۔" ابے کے تاسف بھرے لہجے پر اس شرارت کی پڑیا کا چہرہ طلال کے ذہن میں نمودار ہوا۔ اسے تو وہ ہر لحاظ سے بڑی خوش باش اور مطمئن سی لگی تھی۔

❖❖❖

اور پھر ایک ہفتے میں ہی اسے معلوم ہوگیا تھا کہ عروج فاطمہ عرف چندا نہ صرف چالاک بلکہ انتہا درجے کی ڈرامہ باز ہے۔ اس کی ایکٹنگ اتنی لاجواب اور فطری ہوتی کہ زمانہ شناس میاں جی اور بے جی بھی دھوکا کھا جاتے۔

ٹھیک صبح سکول کے جانے کے وقت اس کے پیٹ میں خطرناک قسم کا درد اٹھتا اور وہ اس کی شدت سے پیلی پڑ جاتی اور ٹھیک دس بجے وہ بالکل ٹھیک ٹھاک بیری کے درخت پر لٹکے

ہوئے جھولے پہ خوش باش جھولے لے رہی ہوتی۔ حالانکہ وہ ابھی نویں کلاس کی سٹوڈنٹ تھی لیکن پڑھائی میں اس کا قطعاً دل نہیں لگتا تھا اور پھر اس کا ساتھ دینے کو انکل فیضی جو اُن کے پڑوس میں مقیم تھے۔ ان کا بیٹا کامران آ جاتا اور دونوں کی فطرت میں سکون نہیں تھا۔ کامران کالج میں فرسٹ ایئر کا سٹوڈنٹ تھا لیکن وہ بھی اسی کی طرح نالائق' کام چور' لاابالی اور غیر ذمہ دار سا تھا۔ اگر کبھی چندا پڑھنے کا موڈ بنا کر بیٹھ ہی جاتی تو وہ کوئی اور شاندار سی شرارت کا منصوبہ لے کر آ دھمکتا اور چندا کا پڑھنے کا موڈ درہم برہم ہو جاتا اور ایسے میں بے جی دونوں کو خوب کوستیں۔

کامران لمبا تڑنگا لیکن خاصا دبلا پتلا تھا' لیکن رنگ اس کا خاصا گورا تھا اور اس کے معاملے میں وہ خاصا کونشس بھی تھا۔ دو چار کریموں کا مرکب جب تک رات کو سونے سے پہلے اپنے چہرے پر تھوپ نہیں لیتا تھا' اسے نیند ہی نہیں آتی تھی جبکہ اس کے مقابلے میں چندا بھی کسی طور کم نہیں تھی۔ اسے لپ اسٹک لگانے کا خاصا شوق تھا اور اس شوق کی خاطر وہ بے جی کے دھموکے بھی برداشت کر لیتی جو آئے دن اپنی پوتی کی حرکتوں پر ہولتی رہتی تھیں۔

طلال کا داخلہ گورنمنٹ کالج میں ہو چکا تھا' وہ کالج سے آنے کے بعد اکثر اپنی کتابوں میں گم رہتا۔ اس دن بھی وہ لان میں شیشم کے درخت کے نیچے اپنی کتابوں کو پھیلائے نوٹس بنانے میں مگن تھا' جب اس کی نظر لان کے دوسرے کونے کی طرف مہندی کی باڑ کے پیچھے زمین کھودتے کامران اور چندا پر پڑی۔ پڑھائی میں گم ہونے کے باوجود طلال کو معلوم ہو گیا تھا کہ بے جی کی مرغی کے انڈوں سے جو بچے پیدا ہوئے تھے ان میں سے ایک بچہ چندا کے پاؤں کے نیچے آ کر شہید ہو چکا ہے۔ وہ آموں کے درخت پر چڑھی ہوئی تھی اور بغیر دیکھے نیچے چھلانگ لگانے پر یہ حادثہ ہوا تھا اور اب اس کی جان نکل رہی تھی کہ بے جی کو کہیں پتا نہ چل جائے اور اس لئے وہ دونوں بڑی دلجمعی سے ثبوت زمین دوز کرنے میں مگن تھے۔

پندرہ منٹ اس کارروائی میں صرف کرنے کے بعد اب وہ دونوں لان میں لگے نل پر ہاتھ دھو رہے تھے۔ لگتا تھا کہ مشن کامیابی سے اختتام پذیر ہو گیا تھا۔

"یہ تمہارا پینڈو پروڈکشن کزن اتنا زیادہ پڑھتے پڑھتے تھک نہیں جاتا' اوپر سے شکل بھی سبحان اللہ ہے اور آنکھوں میں سرمہ اور سر پر تیل لگا کر تو اور بھی زیادہ ہونق لگتا ہے۔" کامران ٹشو سے منہ صاف کرتے شاید نہیں' یقیناً اسی پر تبصرہ کر رہا تھا اور آواز ہرگز اتنی کم نہیں

تھی کہ اس تک نہ پہنچتی۔

"وہ میرا کزن نہیں ہے۔" چندا نے پرزور انداز میں تردید کی۔ شاید اس کا پینڈو حلیہ اس کے مروجہ کزن کے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا' وہ اپنے گھنے گھنگھریالے بالوں کو بہت مشکل سے پونی میں قید کر رہی تھی۔

"یہ ہماری زمینوں کا حساب کتاب رکھنے والے منشی چاچا کا بیٹا ہے۔ میاں جی کو غریبوں سے بہت ہمدردی ہے نا' اس لئے وہ اسے یہاں لے آئے۔ کچھ اس بے چارے کو پڑھنے کا بھی شوق کافی ہے۔" وہ اپنی چھوٹی سے ناک چڑھا کر اپنے دادا کی ہمدردانہ طبیعت کے ساتھ ساتھ اس کی بھی حمایت کر گئی۔

"ہونہہ! پڑھ لکھ کر کون سا ڈپٹی کمشنر لگ جائے گا۔ رہے گا تو وہی نا' تمہارے دادا کی زمینوں پر کام کرنے والے منشی کا بیٹا۔" کامران کو شاید اس کی پڑھائی کی تعریف پسند نہیں آئی تھی' اس لئے خار کھائے لہجے میں بولا تھا۔

"ہاں' کہہ تو تم ٹھیک ہی رہے ہو۔" چندا نے اس کی بات سے اختلاف کرنا شاید سیکھا ہی نہیں تھا۔

اسی لمحے بے جی شاید اپنے چوزے کی تلاش میں ادھر نکل آئی تھیں' جو مرحوم ہو چکا تھا اور چندا کو لاپروائی سے دوپٹہ گلے میں ڈالے کامران کے بہت قریب دیکھ کر ان کا موڈ خاصا بگڑ گیا۔

"چندا! تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو؟" بے جی اچانک اتنی زور سے بولی تھیں کہ وہ کھڑے کھڑے اچھل پڑی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"توبہ ہے آپ تو جان ہی نکال دیتی ہیں۔ میں تو کامران کے ساتھ آپ کے چوزے کا افسوس کر رہی تھی' جس کو ایک موٹی تازی بلی کچھ دیر پہلے ہی مرحوم کر کے لنچ کر گئی۔" اس کی تازہ تازہ گھڑی کہانی پر طلال نے حیران ہو کر دیکھا' وہ دونوں سارے جہاں کا دکھ اور افسوس اپنے چہرے پر لئے کھڑے تھے۔

"کیا......" بے جی کو حقیقتاً صدمہ ہوا۔

"ہاں ہاں بے جی! میں تو اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی۔ جب کھڑکی سے میری نظر اس کم بخت بلی پر پڑی جو اس معصوم چوزے کا تیا پانچہ کر چکی تھی اور بس اب تو تھوڑے

سے پر اور ہڈیاں رہ گئے تھے جو میں نے اور کامی نے ادھر قبر بنا کر دفن کر دیئے۔"

بے جی نے اس کی "پڑھنے" والی بات پر مشکوک ہو کر اسے دیکھا لیکن تب تک وہ انگلی کے اشارے سے ان کی توجہ تازہ تازہ بنائی قبر کی طرح مبذول کروا چکی تھی۔ بے جی کے چہرے پر غم اور تاسف ٹھاٹھیں مارنے لگا اور ایک منٹ کے بعد وہ کچھ یاد آنے پر بولیں۔

"یہ منحوس رمضو کہاں گشت کرتا پھرتا ہے۔ ہزار دفعہ کہا ہے کہ ان معصوم جانوں پر نظر رکھا کرو لیکن اس کم بخت کی نظر پتا نہیں کہاں فٹ ہے جو اسے ادھر ادھر پھرتے معصوم جانور نظر ہی نہیں آتے۔ پچھلے ہفتے وہ چنڈال بلی "اتنا خوبصورت" کبوتر بغیر ڈکار لئے کھا گئی اور آج چوزے پر ہاتھ صاف کر گئی اور گھر کے ملازم پتا نہیں کہاں اندھے ہوئے پھر رہے ہیں جو اس موٹی بلی کیلئے یہ گھر "ہالی ڈے ان" بنا ہوا ہے۔"

بے جی کی پریشان صورت دیکھ کر کامی کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس کی کم بختی کہ یہ مسکراہٹ بے جی کی تیز نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی تھی۔ اگلے لمحے وہ اسے لتاڑ رہی تھیں۔

"تم اونٹ کے اونٹ کہاں منہ اٹھا کر ادھر ادھر پھرتے ہو۔ تمہیں اپنے گھر میں چین نہیں۔ سارا ٹائم تم میری معصوم پوتی کو بھی پڑھنے نہیں دیتے۔ ماں باپ نے بھی تمہیں شتر بے مہار کی طرح چھوڑ رکھا ہے۔ تمہارے تو گھر کے ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔ ماں ہے تو سارا دن پارلر اور باقی ٹائم نام نہاد فنکشنوں میں مصروف رہتی ہے اور باپ ہے تو ہر وقت دو جمع دو چار ہی کرتا رہتا ہے اور بچوں کی پروا ہی نہیں۔" بے جی اپنے چوزے کا غم اسے برا بھلا کہہ کر غلط کر رہی تھیں جبکہ وہ اپنی گھٹنوں سے پھٹی جینز کو تھوڑا سا جھک کے چھپانے میں مگن تھا اور ابھی تک بے جی کی اس پر نظر نہیں پڑی تھی۔

"بے جی! میں تو چندا کو میتھ کے نوٹس دینے آیا تھا۔" اس کے معصوم لہجے میں بولے گئے جھوٹ پر بے جی کو قطعاً یقین نہیں آیا۔

"کیوں' چندا نے اب کیا نویں میں گیارہویں کے نوٹس پڑھنے شروع کر دیئے ہیں۔ اتنی لائق فائق تو میری پوتی کبھی نہیں رہی۔ ہر دفعہ دھکا لگا کر ہی پاس ہوتی ہے بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ سکول والے اپنے میاں صاحب کی عزت کا خیال کر کے پاس کر دیتے ہوں گے' ورنہ اس کی قابلیت کا ہمیں بہت اچھی طرح اندازہ ہے۔" بے جی کے ہاتھوں اس کی ٹھیک ٹھاک

عزت افزائی پر طلال کو خاصی خوشی ہوئی۔

"ہونہہ! میرے دادا غریبوں کا بڑا خیال رکھتے ہیں۔" اس کا فخر و غرور میں ڈوبا ہوا لہجہ ابھی بھی طلال کی سماعتوں میں محفوظ تھا اور اسے اس کی یہ بات بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔

"اور لڑکے! بے جی نے اپنی عینک کا شیشہ صاف کر کے سامنے کھڑے کامی کو غور سے دیکھا۔

"تمہارے باپ کو کیا بزنس میں گھاٹا پڑ گیا ہے؟"

"کک...... کیوں بے جی؟" وہ حیرت زدہ لہجے میں بے جی کو دیکھنے لگا۔

"یا اس کی ساری جمع پونجی ڈاکو لے گئے؟"

"نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں......" کامی کو حقیقتاً سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"ایسا ہی لگتا ہے کہ تمہارا باپ خاصا غریب ہو گیا ہے' اسے اپنے صاحبزادے کے پھٹے پرانے کپڑے نظر نہیں آتے یا تو اس بدشکل پینٹ کو گھٹنوں سے سلائی کرواؤ یا پھر مجھے بتاؤ میں تمہارے باپ کی خبر لیتی ہوں جسے ذرا خیال نہیں کہ جوان جہان بچے پھٹے پرانے کپڑوں میں شریفوں کے گھر منہ اٹھا کر چلے آتے ہیں۔"

کامی کی شاندار تواضع پر چندا کو ہنسی آ گئی جبکہ وہ حیران پریشان انداز میں بے جی کو دیکھ رہا تھا' جو افسوس بھرے انداز سے کامی کی گھٹنوں سے پھٹی جینز کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔

"بے جی! یہ سٹائل تو آج کل فیشن میں ان ہے۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ طلال کے سامنے بے عزتی کا احساس خاصا دگنا ہو گیا تھا۔

"دفع دور...... آگ لگے ایسے بے شرم فیشن کو۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے کتے تمہارے پیچھے لگ گئے اور تم ٹھوکر کھا کر زمین پر گرے اور یہ پینٹ گھٹنوں سے پھٹ گئی۔ توبہ توبہ' قیامت کی نشانیاں۔ اب یہ میلے کالے گھٹنے دکھانا کون سا واہیات فیشن ہے؟ چلو جاؤ اپنے گھر شام کو اپنی ماں کو بھیجنا' میں ذرا اس سے پوچھوں کہ بی بی جوان جہان اولاد پر نظر رکھنا کیا صرف پڑوسیوں کا فرض ہے؟"

کامران کا موڈ خاصا خراب ہو گیا تھا' وہ غصے سے مڑا لیکن بے جی کا غصہ ابھی کم نہیں ہوا تھا اور ان کی نظر لان کی گھاس پر چادر بچھائے اپنی کتابوں میں مگن طلال پر پڑ گئی۔

"لو اب یہ بچہ بھی تو ہے' کتنا بھلا مانس ہے۔ ہر وقت اپنے کام میں مگن اور صبح کو میاں جی کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے جاتا ہے۔ اتنا باادب اور شریف بچہ بھی تو تمہاری ہی عمر کا ہے۔ مجال ہے کہ ایسی فضول اور بے ڈھنگی حرکتیں کی ہوں جو تم کرتے ہو' کچھ اس سے بھی عقل سیکھو۔"

کامران نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا جو کتابوں میں مگن نظر آنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کالر سے پکڑ کر اس پینڈو کو سڑک پر اٹھا کر پھینک دے۔

"ہونہہ......" وہ غصے سے پاؤں پٹختا ہوا گیٹ کی طرف چل پڑا۔ چندا نے خوفزدہ ہو کر اس کے بے حد خراب موڈ کو اور پھر شکوہ کناں نظروں سے بے جی کو دیکھا جو چوزے کی قبر کا بغور جائزہ لینے میں مگن تھیں۔ وہ بھی غصے سے پاؤں پٹختی اندر چلی گئی۔

❖❖❖

چندا کے سکول میں ہونے والے ٹیسٹوں کا رزلٹ آ چکا تھا۔ وہ ریاضی اور فزکس میں بہت بری طرح فیل تھی اور میاں جی کا پارہ عروج پر پہنچا ہوا تھا' جس کی وجہ سے اس کی دوسری غیر نصابی سرگرمیاں بالکل معطل اور میاں جی کی زیر نگرانی پڑھائی عروج پر تھی۔

اس وقت بھی وہ چھڑی پاس رکھے طلال کے پاس میتھ کی کوئی مشق سمجھتی چندا کو بغور غصے میں دیکھ رہے تھے' جس کی تمام تر توجہ اپنے رجسٹر کی بجائے کچھ فاصلے پر لیموؤں کا اچار ڈالتی بے جی پر تھی۔

"بس اگلا سوال اسے دو' یہ خود کر کے دکھائے۔" میاں جی کے غصے بھرے انداز پر چندا نے دہل کر مکمل توجہ رجسٹر کی طرف کی۔ حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ تازہ کٹا ہوا لیموں نمک مرچ لگا کر چٹخارے لے کر کھائے۔

اس کا حل شدہ سوال غلط دیکھ کر میاں جی خاصے اشتعال میں آ گئے تھے۔ حتیٰ کہ طلال بھی گھبرا گیا کہ اس نکمی لڑکی کے دماغ میں کیسے الجبرے کے سوال ڈالے۔

"ایسی نامعقول اور نالائق اولاد خدا کسی کو نہ دے جو بوڑھے دادا کو ہر وقت ستاتی ہو۔ باپ جتنا اس کا لائق' فائق اور ذہین تھا' بیٹی اتنی کم عقل' نالائق اور کند ذہن ہے جس کے دماغ میں بھوسہ بھرا ہوا ہے۔ وہ بچہ اتنی زیادہ محنت سے ایک ایک چیز سمجھا رہا ہے کہ اتنی دور بیٹھے مجھے سمجھ آ گئی ہے' مگر اس کے بھیجے میں کوئی چیز آتی نہیں۔"

میاں جی کے اندر اشتعال کی ایک لہر اٹھی تھی جبکہ بے جی نے بڑے تاسف بھرے انداز سے اپنی پوتی کو دیکھا' جو ان دونوں میاں بیوی کیلئے امتحان بنی ہوئی تھی۔

"میں کیا کروں' اتنا تو مشکل میتھ ہے۔" چندا ہمت کر کے بولی۔

"تمہاری اس مشکل کا حل بھی میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔" میاں جی اب کے بڑے مستحکم

اور ہموار انداز میں بولے۔ چندا نے دہل کر انہیں دیکھا جو بے جی سے مخاطب تھے۔

"یہ اگر نویں کلاس میں پاس ہوتی ہے تو ٹھیک ہے' ورنہ میں اس کا رشتہ ڈھونڈتا ہوں جس مہینے فیل ہوگی' اس سے اگلے مہینے اس کی شادی کر دوں گا۔ نہ رہے گا بانس' نہ بجے گی بانسری۔"

"کیا......" چندا کو یوں لگا کہ جیسے آسمان اس کے سر پر آ گرا ہو۔ اس نے بے یقینی سے میاں جی کو دیکھا' جو اب خاصے مطمئن انداز میں کوئی کتاب کھولے اس میں مگن ہو چکے تھے۔

"لو یہ کیا بات ہوئی؟ کوئی ایسے بھی کرتا ہے؟" وہ غصے سے بڑبڑائی اب کہ وہ مکمل دل و دماغ سے پڑھائی کی طرف متوجہ ہوئی' کیونکہ میاں جی سے کسی بھی چیز کی توقع کی جاسکتی تھی اور اس کے ہونق چہرے کو دیکھ کر طلال کو ہنسی آ گئی۔

اور پھر اگلے چند ماہ اس نے واقعی سنجیدگی سے پڑھائی شروع کر دی تھی' لیکن کامران کے ساتھ دوپہر کو اس کی سرگرمیاں ہنوز جاری تھیں۔ آئے دن دونوں کی شکایتیں ادھر ادھر سے موصول ہوتی تھیں جو اگر بے جی تک پہنچتیں تو وہ اسے سرزنش کر کے میاں جی سے چھپا جاتیں اور میاں جی کے پاس پہنچنے والی شکایتوں پر اس کی ٹھیک ٹھاک کھنچائی ہوتی' لیکن وہ خاصی ڈھیٹ واقع ہوئی تھی۔

طلال کے فرسٹ ایئر کے ایگزام شروع ہو گئے تھے اور وہ مکمل طور پر پڑھائی میں غرق تھا۔ اگلے دن کیمسٹری کا پیپر تھا۔ جب رائل بلیو لان کے سوٹ میں بالکل فریش اور تر و تازہ چندا اس کے کمرے میں آن دھمکی۔ اپنی سارے بالوں کی اس نے سر کے اوپر پونی بنا رکھی تھی' جو اس کے بات کرنے پر ادھر ادھر حرکت میں آتی تو یہ منظر طلال کو بہت دلچسپ لگتا۔

"چلو باغ جناح میں بھنورے دیکھنے چلتے ہیں۔"

سخت دوپہر کو اس کے منہ سے یہ عجیب سی فرمائش سن کر وہ ہکا بکا رہ گیا اور اس کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھ کر چندا کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ہاں ہاں' بہت مزا آتا ہے۔" اس نے اسے ترغیب دی۔

"جی نہیں' میرا کل پیپر ہے۔ مجھے کہیں نہیں جانا' تم کامران کے ساتھ چلی جاؤ۔" اس نے صاف انکار کر دیا تو وہ ناگواری سے بولی۔

وہ چلا بھی جاتا لیکن اس کی ممی نے اسے کمرے میں لاک کر دیا ہے اور خود باہر بیٹھی پہرہ

ے رہی ہیں۔ مجھے بھی انہوں نے بھگا دیا۔

"کیوں؟"

"اس کا بھی کل کیمسٹری کا پیپر ہے نا۔"

"تو ظاہر ہے کہ وہ پیپر کی تیاری چھوڑ کر کیسے جاسکتا ہے' اس کے مستقبل کا معاملہ ہے۔" للال نے اسے سمجھایا لیکن وہ بات کاٹ کر بولی۔

"وہ بالکل جاسکتا ہے۔ اگر اس کی خونخوار ممی اسے کمرے سے نکال دیں۔ وہ میری کوئی ات نہیں ٹالتا' تمہاری طرح تھوڑی ہے۔" اس نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھائی تو وہ کچھ سوچ کر کھڑا ہو گیا۔

"او کے' ٹھیک ہے لیکن میرے پاس صرف ایک گھنٹہ ہے۔ اس سے مزید ایک منٹ بھی نہیں۔" اس نے کھڑے ہو کر انگلی اٹھا کر وارننگ دی تو چندا کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ جلدی ولی۔

"ہاں ہاں' کیوں نہیں۔ ہم یوں گئے اور یوں آئے اور ویسے بھی چار بجے میاں جی کے اٹھنے کا ٹائم ہوتا ہے۔ ہم بس تین چار کیریاں توڑیں گے اور آ جائیں گے۔"

"کیا......؟" وہ چلتے چلتے رکا اور مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔ "تم تو کہہ رہی تھیں کہ بھنورے دیکھنے جانا ہے۔"

"ہاں تو ساتھ میں دو چار کیریاں بھی توڑ لیں گے تو کیا حرج ہے۔" اس نے اتنے ہلکے پھلکے انداز میں کہا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اختلاف نہ کر سکا اور واقعی ایک گھنٹہ پندرہ منٹ کے بعد وہ کامیاب دورہ کر کے گھر واپس آ چکے تھے' جو باغ جناح سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ اس دورے سے ان دونوں کے تعلقات میں تو بہتری آئی تھی لیکن طلال کو ایک گھنٹہ مزید رات کو جاگنا پڑا۔

امتحانات سے فراغت ملتے ہی وہ فوراً گاؤں چلا گیا تھا' جہاں ابا اور بے بے اس کے بے چینی سے منتظر تھے اور ایک مہینہ چٹکی بجاتے گزر گیا تھا اور اگلے ماہ اس نے اکیڈمی جوائن کرنی تھی' اس لئے واپس آ گیا اور یہاں آتے ہی اسے معلوم ہوا کہ چندا بھی کچھ بہتر نمبر لے کر اگلی کلاس میں ہو چکی ہے اور جب رزلٹ آیا تو اس کے اپنے کالج میں سب سے زیادہ نمبر البتہ پورے لاہور بورڈ میں اس کی دوسری پوزیشن تھی۔ بے جی کی خوشی دیدنی تھی۔ انہوں نے

دیگیں پکا کر بانٹی تھیں اور اگلے سال بھی اس نے اپنی پوزیشن برقرار رکھی تھی اور ان دنوں جب وہ انجینئرنگ کالجز میں داخلے کیلئے معلومات لیتا پھر رہا تھا' ان دنوں کامران اپنی FSC میں آنے والی سپلی کی تیاری میں مگن تھا۔

''طلال۔'' وہ جو اپنے کمرے میں انجینئرنگ کا پراسپیکٹس پڑھنے میں مگن تھا' جب وہ بغیر دستک دیئے اندر داخل ہوئی۔ ریڈ اور بلیک سوٹ میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ اگرچہ اس کے مزاج میں کچھ لاپروائی کا عنصر ابھی بھی شامل تھا' لیکن تھوڑا سا دھیما پن اور ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ اب دوپٹہ لاپروائی سے گلے میں ڈالنے کی بجائے وہ پھیلا کر لیتی تھی۔

''کیا ہوا؟'' اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ فرسٹ ایئر میں کون سے مضمون رکھوں۔ میں نے میاں جی سے کہا کہ کامران سے مشورہ کر لیتی ہوں لیکن انہوں نے مجھے جھاڑ دیا کہ وہ نالائق خود پاس ہوا نہیں' تمہیں کیا مشورہ دے گا؟'' اس کا موڈ خاصا خراب تھا۔ طلال اس کے چہرے سے اس کی پریشانی کا اندازہ کر سکتا تھا۔

''پھر تم اب کیا چاہتی ہو؟''

''بس تم مجھے بتا دو کہ میں کون سے مضامین رکھوں۔'' وہ قدرے لاپروائی سے بولی۔

''بھئی جس میں تمہارا انٹرسٹ ہے' وہ مضمون رکھ لو۔''

طلال کی بات پر اس نے ناگواری سے اسے دیکھا اور دوٹوک انداز میں بولی۔

''پڑھائی میں میری دلچسپی کا تمہیں اندازہ ہے ہی اور میری ذہانت کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ میاں جی میری شادی کر دیں گے تو خدا کی قسم! ساری کتابیں ایک طرف رکھ کر آرام سے زندگی انجوائے کروں' کیبل دیکھوں' گانے سنوں اور ہلا گلا کروں۔ مجھے پڑھنے پڑھانے کا قطعاً کوئی شوق نہیں۔''

طلال نے تاسف بھرے انداز میں اسے دیکھا جو سامنے پڑی کرسی پر بے تکلفی سے بیٹھے ہوئے اپنی دونوں ٹانگیں سامنے پلنگ پر ٹکا چکی تھی اور اب تو دونوں کی آپس میں کافی گپ شپ ہوتی تھی' لیکن وہ بنیادی طور پر اپنی پڑھائی میں گم رہنے والا محتاط سا لڑکا تھا۔

''اچھا..... اکنامکس کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''

طلال نے کچھ سوچ کر پوچھا' لیکن اس نے یہ کہہ کر کہ ''سوچ لو میں پڑھ سکتی ہوں کہ

نہیں؟'' اسے امتحان میں ڈال دیا تھا۔

''سائیکلوجی کے متعلق کیا ارادہ ہے؟'' طلال واقعی مشکل میں پڑ گیا تھا۔

''مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے۔ ویسے نام سے تو دلچسپ سبجیکٹ لگ رہا ہے لیکن میں نے صرف امتحانوں کے دنوں میں پڑھنا ہے بس' چلے گا۔'' وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

''بس اس کے ساتھ سوشیالوجی اور اسلامیات اختیاری رکھ لو۔'' طلال کے فیصلہ کن انداز پر وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

''ویسے کیا واقعی تمہیں کوئی بھی شعبہ پسند نہیں ہے؟ ڈاکٹرز' انجینئرز' پائلٹ' بینکرز وغیرہ وغیرہ۔'' طلال کے لہجے میں حیرت تھی' وہ ایک دم ہنس پڑی۔

''نہیں' خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ بس ان سب میں پڑھنا بہت پڑھتا ہے نا۔'' اس نے اصل وجہ بتائی۔

''اچھا اگر بغیر محنت کئے تمہیں کوئی اعزازی ڈگری ملے تو کون سی لینا پسند کرو گی؟'' طلال نے تجسس بھرے لہجے میں پوچھا۔ یہ لاابالی اور سرپھری سی لڑکی اسے بہت حیران کن لگتی تھی۔

''تو میں لاء کر کے سول جج بنتی' مجھے ججز بہت اچھے لگتے ہیں۔ ہر کوئی ان کا احترام کرتا ہے اور ڈرتا ہے۔'' وہ آنکھیں بند کئے بڑے مزے سے بول رہی تھی۔

''بس اس لئے؟'' طلال کی حیرت میں کمی نہ ہوئی۔

''نہیں' شاید اس لئے کہ میرے بابا بھی سول جج تھے اور بہت سینئر سول ججز میں ان کا شمار ہوتا تھا۔''

''اوہ.....'' طلال کو ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔

''ویسے تم انجینئرنگ کے بجائے لاء کیوں نہیں پڑھتے اور پھر پیپرز دے کر تم بھی سول جج بن جانا۔ قسم سے بہت اچھے لگو گے۔'' چندا کے ذہن میں اچانک جھماکا ہوا' اور وہ آنکھیں کھول کر جوش وخروش سے اسے دیکھنے لگی' جو حیران ہو کر اس کا مشورہ سن رہا تھا۔

''یقین کرو طلال! تمہاری موجیں ہو جائیں گی۔ سرکاری گھر ملے گا' کیا ٹھاٹ اور موجیں ہوں گی۔'' وہ اسے خواب دکھا رہی تھی۔ ''اور پھر سارے گاؤں کے لوگوں پر تمہارا رعب ہوگا اور میں بھی اپنی کلاس فیلوز کو بتاؤں گی کہ یہ میرا کزن ہے۔'' چندا بڑے اشتیاق

بھرے لہجے میں اسے بتا رہی تھی۔

"لیکن میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں۔" وہ کچھ پریشان نظر آنے لگا۔

"تو اب سوچ لو اس میں حرج کیا ہے۔" اسے اب غصہ آنے لگا تھا۔

"لیکن میاں جی کیا کہیں گے؟" اس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"پورے ڈفر ہو تم' میاں جی نے کیا کہنا ہے؟ تمہارا مستقبل ہے' تم کچھ بھی سوچ سکتے ہو؟" وہ بڑے پراعتماد انداز سے اسے حوصلہ دلا رہی تھی جو خاصے تذبذب کا شکار تھا۔

"مروتم۔" وہ غصے میں آگئی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ "تم کبھی بھی فیصلہ نہیں کر سکتے' تم سے اچھا تو کامی ہے۔ بڑے بڑے فیصلے چٹکی بجا کے کر لیتا ہے۔ میں اسے یہ آئیڈیا دوں گی اور وہ مان بھی لے گا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکلی تھی اور زور سے دروازہ بند کر کے گئی تھی' جو اس کے خراب موڈ کی عکاسی کر رہا تھا۔

اور پھر ساری شام سوچتے ہوئے اور پھر کچھ جھجکتے ہوئے میاں جی کے کمرے میں گیا جو اسے کشمکش کا شکار دیکھ کر الجھ گئے تھے۔ جب اس نے انہیں انجینئرنگ میں داخلہ نہ لینے کا بتایا تو ان کے چہرے کا رنگ بڑی تیزی سے بدلا تھا اور جب اس نے اپنا اگلا ارادہ انہیں بتایا تو دکھ برقی لہروں کی طرح ان کی چہرے پر دوڑنے لگا۔ وہ اس سے کچھ کہہ ہی نہیں سکے اور سب کچھ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تو وہ خاصا مطمئن ہوگیا تھا اور پھر واقعی اس نے بی اے میں داخلہ لے لیا تھا اور کامی نے اس کی اس بے وقوفی کا خاصا مذاق اڑایا تھا جبکہ چندا اس کے ساتھ کھڑی لاپروائی سے ہنستی رہی' جس کا طلال کو خاصا دکھ ہوا تھا' لیکن وہ کندھے جھٹک کر اپنے کمرے میں آگیا۔

❖❖❖

وہ تھرڈ ایئر میں تھا' جب بے بے کے اچانک انتقال کی خبر آئی۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گاؤں پہنچ گیا تھا۔ بے بے کے گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا' وہ ان کی میت دیکھ کر زاروقطار رویا تھا۔ اس کا دل کسی طور نہیں سنبھل رہا تھا۔ وہ ان کا...... اکلوتا بیٹا تھا اور ماں باپ دونوں کو اسے پڑھانے کا جنون کی حد تک شوق تھا اور پچھلے دو تین سالوں سے تو وہ اپنی پڑھائی میں بہت مگن تھا' لیکن جب اسے وقت ملتا فوراً گاؤں کی طرف بھاگتا اور دوسرے تیسرے دن فون پر تو ضرور بے بے سے بات کرتا۔ اب بے بے کا بے جان وجود دیکھ کر اس کا دل کسی

نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ میاں جی شہر سے ان کے جنازے میں شریک ہونے آئے تھے۔

اور تیسرے دن بے جی اور چندا کو اپنے گھر دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ بے جی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تو آنسو ایک دفعہ پھر آنکھوں میں مچل گئے۔

"صبر بیٹا! صبر۔" بے جی کا اپنا دل بھی بھر آیا تھا۔

اور پندرہ دن کے بعد وہ شہر واپس آیا تو اس کا دل پڑھائی سے اچاٹ سا ہوگیا تھا۔ میاں جی کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر اسے سمجھاتے اور اس دن وہ کہہ رہے تھے۔

"بیٹا! تمہارے باپ کو سب کہتے ہیں کہ یہ چوہدری جلال دین کا منشی ہے لیکن اس نے اس وقت میرا ساتھ دیا' جب میری دنیا اندھیر ہوچکی تھی۔ اکلوتے بیٹے اور بہو کی ایکسیڈنٹ میں موت نے میری کمر توڑ دی تھی۔ مجھے زندگی میں کوئی کشش محسوس نہیں ہوتی تھی۔ پورے تین ماہ میں حویلی سے باہر نہیں نکلا تھا اور اس وقت تمہارا باپ تھا جس نے بہت ایمانداری اور خلوص سے میرا ساتھ دیا۔ حالانکہ بے شمار لوگوں نے میرے ساتھ دھوکے کئے کہ چوہدری صدمے کے زیر اثر ہے' اسے کیا پتا چلے گا لیکن تمہارے باپ نے ہر سازش میں میرا ساتھ دیا۔ میرے لئے وہ سگے بھائیوں کی طرح ہے اور اس کی اولاد کی حیثیت سے تم میرے لئے بہت اہم ہو اور تم اپنے باپ کی امیدوں کا واحد مرکز ہو۔ اپنا نہ سہی بوڑھے باپ کا خیال کرو۔ دیکھو کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے؟"

اور اسی دن شام کو وہ...... نہا دھو کر میاں جی کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھنے گیا اور واپسی پر بے جی نے اس کیلئے حلوہ بنا رکھا تھا۔ کچن میں ان کے ڈانٹنے کی آواز باہر تک آرہی تھی۔

"چندا! تم نے اگر مزید حلوہ نکالا تو چمٹا مار کر تمہارا ہاتھ توڑ دوں گی۔"

"کیوں' میرا ہاتھ کیا فالتو آیا ہے؟" اس نے دوبدو جواب دیا۔

"دو دفعہ پلیٹ بھر کر نکال چکی ہے' حلوہ' یہ اب طلال کا حصہ ہے۔"

"کیوں طلال کیا آسمان سے اترا ہے؟" وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی۔

"میں کہتی ہوں چندا! زبان سنبھال کر بات کیا کر۔ تیری زبان کے آگے تو لگتا ہے خندق ہے۔ بغیر سوچے سمجھے بولتی ہے۔ لوٹھا کی لوٹھا ہوگئی ہے' مگر عقل نام کی کوئی چیز نہیں۔" بے جی کو غصہ آگیا تھا۔

"لو میں نے کیا کیا ہے؟" وہ ناراض انداز میں بولی۔

"بن ماں کے بچے کیلئے میں نے حلوہ بنایا تھا اور تمہارا پیٹ بھر گیا ہے' لیکن نیت نہیں بھر رہی۔ شرم کرلے' جب اس کی ماں گاؤں سے کبھی گڑ والی کھیر تو کبھی زردے پکا کر بھیجتی تھی' تب بھی ندیدوں کی طرح تو ان پر ٹوٹتی تھی۔ اب میں نے بنایا ہے تو تب بھی اس کا بھی حصہ کھائے جا رہی ہے۔"

"لو وہ تو صرف بن ماں کا بچہ ہے جبکہ میں تو بن ماں کے ساتھ ساتھ بن باپ کی بچی بھی ہوں۔ صرف پانچ سال کی تھی جب ماں باپ انتقال کر گئے' مجھے تو ان کی شکلیں بھی یاد نہیں' لیکن میں تو ایسے روتی نہیں پھر رہی جیسے وہ اتنا بڑا ہو کر کمروں میں چھپ چھپ کے روتا ہے۔" اس کے بچکانہ لہجے پر میاں جی انتہائی خجالت کا شکار ہو گئے' تب ہی وہ غصے سے بولے۔

"چندا! تم باہر آؤ گی یا میں اندر آؤں؟"

اندر بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ "اب زبان چلاؤ۔" بے جی نے غصے سے اسے للکارا جو بھیگی بلی کی طرح اپنے کمرے کی طرف چل پڑی تھی' وہ حقیقتاً میاں جی کے غصے سے خائف رہتی تھی اور ان کے سامنے اس کی اچھی خاصی بولتی بند ہو جاتی تھی۔

❖❖❖

اس دن کالج میں کوئی فنکشن تھا اور طلال نے پہلی دفعہ پینٹ کوٹ پہنا تھا اور ٹائی مشکل سے باندھی تھی اور وہ بار بار ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لے رہا تھا۔ حالانکہ آئینہ بتا رہا تھا کہ پینٹ کوٹ اس کے لمبے قد اور بھرے بھرے جسم اور چوڑے شانوں پر کافی سوٹ کر رہا ہے لیکن ایک جھجک سی اس پر حاوی ہو رہی تھی اور اسی وقت چندا اونچی آواز میں باہر ہی بولتی آ رہی تھی۔

"طلال! میاں جی کہہ رہے ہیں کہ جاتے ہوئے مجھے مل کے جانا اور اگر چاچی سکینہ تم سے پوچھے کہ اس نے تمہیں پان چراتے ہوئے مجھے دیکھا ہے تو صاف انکار کر دینا۔" اس کے باقی لفظ منہ میں ہی رہ گئے تھے۔

"واؤ....." وہ گھوم پھر کر توصیفی نظروں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

"بہت ہینڈسم لگ رہے ہو۔" چندا کے کمنٹس پر وہ بری طرح جھینپ گیا۔

"قسم سے لگ ہی نہیں رہا کہ تم وہی چار سال پہلے والے پینڈو سے طلال ہو جس کی

آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں بے تحاشا تیل ہوتا تھا۔ اب اور بڑے سٹائل آ گئے ہیں تمہیں۔" وہ ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہی تھی۔

"خیر اب اتنا بھی پینڈو نہیں تھا میں اور ویسے بھی پینڈو ہونا کوئی بری بات نہیں۔ پینڈو لوگ بہت خالص اور کھرے ہوتے ہیں۔" چندا کی ستائشی نظروں اور توصیفی لہجے سے طلال کے اندر خود بخود اعتماد آ گیا تھا اور پھر جس طرح میاں جی اور بے جی نے بڑے غور سے اور تعریفی نظروں سے اسے دیکھا' وہ جھینپ گیا تھا۔

اور پھر گیٹ تک وہ اسے چھوڑنے آئی تھی۔ اسی وقت کامران اندر داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹکا اور پھر استہزائیہ لہجے میں ہنسا۔ "واہ جی واہ' کوا چلا ہنس کی چال اپنی چال بھی بھول گیا۔"

"فی الحال تو تم نیچے دیکھ کر چلو ورنہ راستے میں پڑے اس گملے سے تمہاری چال بھی بدل جائے گی۔" طلال نے دوبدو اسے جواب دیا۔

"مجھے سنگ مرمر پر چلنے کا سلیقہ آتا ہے۔" کامران نے طنز کیا۔

"حالانکہ جو مزا اپنی مٹی پر چلنے کا ہے' وہ سنگ مرمر میں کہاں؟" طلال بھی خاصا تیز ہو گیا تھا۔ اب کے کامران نے اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھا۔

"خیر ہے' کہیں ڈیٹ شیٹ پر جا رہے ہو؟"

"ہاں تھرڈ ایئر کی رومیصہ نے مجھے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔" طلال نے اس کی کالج کی گرل فرینڈ کا نام لے کر اسے چڑایا۔

"شٹ اپ۔" وہ بری طرح چڑ گیا۔

"یہ رومیصہ کون ہے۔" چندا نے تجسس بھرے لہجے میں دریافت کیا تو طلال نے طنزیہ نظروں سے کامران کو دیکھا۔ "بتا دوں؟" اس کا انداز سراسر چڑانے والا تھا' مگر اس سے پہلے ہی کامران بول اٹھا۔

"کوئی نہیں' ہماری کلاس فیلو ہے۔" کامران نے دانستہ اپنا لہجہ سرسری بنایا۔

"ہاں کامی نے اسے اپنی بہن بنا رکھا ہے۔" طلال آنکھوں میں شرارت لئے کہہ رہا تھا جبکہ کامران دانت پیس کر رہ گیا اور پھر چندا کا بازو پکڑ کر اسے غصے سے گھورتا اندر کی طرف چل پڑا۔

❖❖❖

وہ اس دن لان میں لیموں کے درخت کے نیچے انگلش لٹریچر کی کتاب کھولے مگن تھا' جب بے جی انکل فیضی کے گھر سے چندا کا بازو پکڑے باہر ہی سے غصے سے بولتی آرہی تھیں۔ ان کے کڑے تیور اور چندا کے چہرے پر گھبراہٹ اور بے چینی دور ہی سے نظر آرہی تھی۔

"آلینے دو آج زمینوں سے تمہارے میاں جی کو' تمہارا علاج میں کرواتی ہوں۔ چھٹانک بھر کی لڑکی نے ہمیں تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔ شرم و حیا کس چڑیا کا نام ہے' اس کی خبر نہیں اور سارا دن پیروں میں پہیے لگے رہتے ہیں۔"

"آپ خوامخواہ مجھے ڈانٹ رہی ہیں۔" چندا نے احتجاج کرنا چاہا' مگر بے جی نے زوردار دھموکا رسید کیا اور اسی وقت چاچی سکینہ جو گھر کی مکینوں کی خاندانی ملازمہ تھی' ہانپتی کانپتی باہر نکلی۔

"بی بی جی! اب اس نے کیا کیا ہے؟"

"نہ پوچھو سکینہ! اس لڑکی نے تو میرا دماغ پلپلا کر کے رکھ دیا ہے۔ ہر وقت میاں جی سے کہتی ہوں' جوان ہوتی لڑکی کے بارے میں کچھ سوچو' مگر میری بات پہ کوئی کان دھرے تب نا۔ سب اپنے حال میں مست ہیں۔ اگر میں اپنی آنکھیں اور کان کھلے نہ رکھوں تو بیڑا غرق ہوجائے اس کا۔" بے جی کی آواز مزید بلند ہوئی۔

"ہائے ہائے' پتا بھی تو چلے کیا' کیا ہے بچی نے؟ آپ خوامخواہ خود کو ہلکان کیے جارہی ہیں؟" بے جی نے ایک ناراض نظر ساتھ کھڑی چندا پر ڈالی جو لاپروائی سے سامنے لگے امرود کے درخت پر چڑھی گلہری کی طرف متوجہ تھی۔ بے جی کے دھموکے نے اسے بلبلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ شکوہ کناں نظروں سے اب انہیں دیکھ رہی تھی۔

"میں کہتی ہوں کہ سکینہ! پتا نہیں یہ میرے بیٹے کی اولاد ہمارے کس گناہ کی سزا ہے' منہ پر جھوٹ بولتی ہے۔ صبح مجھے کہنے لگی کہ انکل فیضی کے گھر میں دوپہر کو میلاد ہے' میں وہاں چلی جاؤں۔ ماتھا تو میرا تب ہی ٹھنکا تھا کہ کامران کی ماں عذرا کو خدا نے اتنی توفیق کیسے دے دی' پھر سوچا کہ ہدایت کی بات ہے' اللہ جب دے۔ وہ تو شام میں' میں نے سوچا کہ چلو دعا میں میں بھی شریک ہوجاؤں۔ وہ تو گیٹ پر ہی مجھے چوکیدار نے بتایا کہ گھر پر کوئی نہیں ہے۔ میرا تو مانو دل دھک کر کے رہ گیا۔ اس نامراد کا پوچھا تو وہ موا مجھے بتانے لگا کہ کامی میاں کے ساتھ

پیچھے خالی پلاٹ میں وہ شیطان کی سواری "موٹر سائیکل" چلانا سیکھ رہی ہے۔" بے جی نے ایک اور جھانپڑا اس کی کمر پہ رسید کیا۔

"کیا......؟" چاچی سکینہ کا بھی منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "توبہ میری توبہ۔" انہوں نے گال پیٹے۔ "قیامت کی نشانیاں ہیں۔ اے لڑکی! تجھے پتا ہے کہ زمانہ کتنا خراب ہے؟" چاچی سکینہ کو تو اس کا یہ کارنامہ سن کر دھچکا لگا تھا۔

"ہاں تو آپ کو بتا کر جاتی تو آپ نے کون سا جانے دینا تھا؟" وہ کھسیا کر بولی۔

"یہ کون سا طریقہ ہے کہ اللہ رسولؐ کے نام پر جھوٹ بول کے اس لونڈے سے موٹر سائیکل سیکھی جارہی ہے۔ آج آلینے دو میاں جی کو' تمہاری ٹانگیں ان ہی سے تڑواؤں گی۔" بے جی کا غصہ کسی طور کم نہیں ہورہا تھا۔ طلال نے بڑی دلچسپی سے اسے دیکھا جو اندر جانے کو پر تول رہی تھی۔

"تم کیوں ہنس رہے ہو؟ تمہیں شرم آنی چاہئے کسی کا مذاق اڑاتے ہوئے؟" اس کی نظر اچانک مسکراتے ہوئے طلال پر پڑی تو اپنا سارا غصہ جو وہ بے جی اور چاچی سکینہ پر نہیں نکال سکتی تھی' اس کی طرف منتقل کردیا۔

بے جی نے سخت غصے سے پہلے چندا کو اور پھر چاچی سکینہ کو دیکھا جو اچنبھے سے خود بھی سامنے کھڑی چندا کو دیکھ رہی تھیں۔

"دیکھا؟ دیکھا سکینہ؟ اس لڑکی کی چار ہاتھ کی زبان۔ اسے تو چھوٹے بڑے کا کوئی لحاظ ہی نہیں۔ کچھ شرم کرلے کم بخت' تجھ سے کتنے سال بڑا ہے' تیرے بڑے بھائی کی جگہ ہے۔" چندا کے ستارے آج کل گردش میں تھے۔ تب ہی ایک دھموکا مزید کھا کر وہ بلبلا اٹھی اور کھا جانے والی نظروں سے طلال کو دیکھا اور بے زاری سے بولی۔

"بھائی کی جگہ ہے نا؟ بھائی تو نہیں ہے نا؟ اور جب اللہ نے بھائی نہیں دیا تو آپ خدائی کاموں میں کیوں مداخلت کرتی ہیں اور زبردستی رشتے بنارہی ہیں۔ کوئی نہیں ہے بھائی وائی میرا۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں اور دھڑ دھڑ کرتی اندر کی طرف بھاگی۔ دروازہ ایک دھاکے سے بند ہوا۔

بے جی اس کی فراٹے بھرتی زبان دیکھ کر ششدر سی کھڑی رہ گئیں۔ ان کے چہرے پر اتنی سراسیمگی اور گھبراہٹ تھی کہ طلال اور سکینہ دونوں کو اس پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔

رات کا کھانا کھا کے وہ یونہی بے جی کے پاس آ بیٹھا جو کروشیہ ہاتھ میں پکڑے بیل بنانے کے بجائے کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔ میاں جی کی یہ کوٹھی باہر سے بڑی جدید اور نئے طرز تعمیر کی حامل تھی جو چندا کے والد نے اپنی پسند سے تعمیر کروائی تھی جبکہ فرنٹ سے کوئی بھی اندازہ نہیں کرسکتا تھا کہ بیک پر اس کی طرز تعمیر بالکل گاؤں میں بنے گھروں کی طرح ہوگی۔

گیٹ عبور کرتے ہی دائیں بائیں وسیع وعریض لان اور اس کے بعد لابی اور پھر دائیں طرف ڈرائنگ روم اور بائیں طرف مہمان خانہ تھا اور کوریڈور کے اختتام پر ٹی وی لاؤنج اور ڈائننگ ہال مشترکہ تھا اور ساتھ میں کچن بھی لیکن وہ کم کم استعمال ہوتا تھا اور ٹی وی لاؤنج سے ایک دروازہ صحن کی طرف کھلتا تھا اور سرخ اینٹوں والے اس صحن اور بڑے بڑے برآمدوں کے پیچھے قطار میں بنے ہوئے کمرے تھے اور کچن یہاں بھی تھا جو کہ زیادہ تر استعمال ہوتا۔ اس کے علاوہ صحن میں لیموؤں، امرود اور آم کے درخت بھی قطار میں لگے ہوئے تھے۔ بے جی کا زیادہ وقت یہیں گزرتا تھا اور میاں جی کی کرسی اور حقہ بھی یہیں برآمدے میں ہوتے۔

طلال اب گھر کا ایک فرد بن چکا تھا، اس لئے آرام سے پورے گھر میں گھومتا لیکن وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارنا پسند کرتا یا پھر میاں جی کے ساتھ مہمان خانے میں ہوتا، جہاں پر روز دو چار لوگ گاؤں سے کسی نہ کسی کام سے ضرور آتے۔

"بے جی کیوں پریشان ہیں؟" وہ فکرمندی سے ان کے پاس کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"یہاں بیٹھو، میرے پاس۔"

"پتہ نہیں اس وقت ان کے لہجے میں کیا تھا کہ وہ کسی معمول کی طرح سر جھکائے ان سے کچھ فاصلے پر تخت پر بیٹھ گیا۔

"بس بیٹا! پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہیں، ان سے فرار ممکن نہیں۔" وہ پلکیں جھپک کر آنسو روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے گلوگیر لہجے میں بولیں۔

"بس چندا کی طرف سے پریشانی ہے مجھے اور میاں جی نے لاڈ اور پیار میں کبھی کوئی کمی نہیں رکھی کہ بن ماں باپ کی بچی ہے، صرف پانچ سال کی تھی جب میرے پاس آئی۔ اسے گاؤں میں مچھر کاٹتے تھے۔ بھینسوں سے بو آتی تھی اور صرف اور صرف اس کی خاطر ہم لوگ شہر میں بنی اس کوٹھی میں منتقل ہوگئے۔ ہمارے اکلوتے بیٹے کی نشانی تھی، ہمیشہ اپنے کلیجے سے لگا کر رکھا لیکن اب سوچتی ہوں کہ کہاں کمی رہ گئی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو

پڑیں۔

"کیا ہوگیا ہے بے جی؟ ابھی بچی ہے، ٹھیک ہوجائے گی۔ اس عمر میں ساری لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔" طلال نے تسلی دی تو وہ بھڑک اٹھیں۔

"رہنے دو سب لڑکیاں کب ایسی ہوتی ہیں؟ خود اٹھارہ سال کی عمر میں، میں ایک بچے کی ماں تھی۔ کبھی یہ رنگ ڈھنگ نہیں تھے اور پھر گاؤں میں بچیاں مجھ سے قرآن پڑھنے آتی تھیں۔ ایسے لچھن تو کسی کے نہیں تھے۔ تمہارے میاں جی کی پورے گاؤں میں ایک عزت ہے، نام ہے۔ مجھے تو سوچ سوچ کے ہول اٹھتے ہیں کہ جو ملازم یہاں کوٹھی میں کام کرتے ہیں، وہ گاؤں جا کر اس کے "کارنامے" جب سناتے ہوں گے لوگ تو ہنستے ہوں گے کہ جلال دین کی پوتی اس کا خوب نام روشن کرے گی۔"

"بے جی! لوگوں کے پاس اتنا فضول ٹائم نہیں ہوتا کہ ایسی باتیں سوچیں۔ آپ فکرمند نہ ہوں، خود ہی ٹھیک ہوجائے گی۔" طلال کو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ انہیں کیسے تسلی دے۔

"اے بیٹا! مجھے اعتراض اس کی شرارتوں پر نہیں، اب دوسری "حرکات" پر ہے۔ وہ جو بات بات پر جھوٹ بولتی ہے اور اوپر سے اس نے اب ایک نیا کام شروع کیا ہے، مجھے تو بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔"

"کیا مطلب؟" جلال نے چونک کر ان کا شرمندہ شرمندہ چہرہ دیکھا۔

"بس بیٹا! اپنے تک بات رکھنا، میں کسی ملازم یا میاں جی سے اپنا دکھ بیان نہیں کرسکتی۔" وہ تھوڑا سا جھجکیں تو طلال نے ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی۔

"سخت بے وقوف اور جذباتی لڑکی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بچپن کے زیادہ لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ پہلے پڑوسیوں کے آم، جامن اور سکینہ کے پان شرارت سے چراتی تھی اور اب اس نے کبھی میرے تو کبھی میاں جی کے پیسوں پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کردیا ہے۔"

"کیا....." طلال کو دھچکا لگا۔

"ہاں بیٹا!" وہ تاسف بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔ "پہلے پہل تو میں سمجھی تھی کہ شاید میں رکھ کر بھول جاتی ہوں، لیکن اب ایک دو دفعہ میاں جی بھی جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہے تھے کہ پتا نہیں پیسے کہاں خرچ کرکے بھول جاتا ہوں اور پھر ایک دن تو میں نے اسے میاں جی کے کرتے سے رنگے ہاتھوں پانچ سو روپے نکالتے دیکھا۔ میرا تو اوپر کا سانس اوپر

اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ وہ غسل خانے میں تھے۔ میں نے اس لئے شور نہ مچایا کہ خاندانی ملازم کیا سوچیں گے' البتہ اس کی خوب کھچائی کی۔ اس وجہ سے وہ اب مجھ سے کتراتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا علاج کروں اس کا؟"

"لیکن وہ اتنے پیسوں کا کرتی کیا ہے؟" طلال کو ایک اور سوچ نے پریشان کیا۔

"بیٹا! کرنا کیا ہے۔ کالج میں سہیلیوں کے ساتھ اڑاتی ہوگی۔ اوپر سے اسے اس بات کا مان کم ہے کہ چوہدری جلال دین کی پوتی ہوں جن کے کئی مربع زمین ہے۔ بس کالج میں شوخیاں مارتی ہوگی۔" آج بے جی خاصی دکھی اور اکتائی ہوئی بیٹھی تھیں' جو طلال کے ساتھ اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر گئیں۔ کچھ انہیں یقین تھا کہ یہ شریف اور کم گو سا لڑکا کہاں بات کرے گا۔

❖❖❖

وہ اپنے کمرے میں کمپیوٹر پر مصروف تھا جو اس نے کچھ دن پہلے ہی لیا تھا۔

"طلال! تمہارے پاس پانچ سو روپے ہوں گے؟" چندا نے جھانکتے ہی پوچھا۔

"کیوں؟" طلال نے کڑے تیوروں سے پوچھا اور کچھ بے جی کی باتوں کا بھی اس پر غصہ تھا۔

"بس مجھے کچھ ضرورت تھی۔" اس نے شان بے نیازی سے جواب دیا اور پھر اس کے گھورنے پر فوراً وضاحت دینے لگی۔ "جلدی واپس کردوں گی' مر کیوں رہے ہو۔"

"میاں جی سے جا کر لے لو۔" طلال کو نہ جانے کیوں غصہ آ گیا تھا اس کے انداز پر۔

"کیسے لے لوں؟ ابھی پچھلے ہفتے تو ان سے ہزار روپیہ لیا تھا۔" چندا کے منہ سے پھسلا اور وہ گڑبڑا گئی اور فوراً وضاحت دینے لگی۔ "اصل میں کالج میں فن فیئر تھا نا' اس لئے خرچ ہوگئے۔"

"تو اب کیا کرنا ہے؟" وہ کی بورڈ چھوڑ کر اس کا جائزہ لینے لگا جو سرخ ہاف سلیو سوٹ پر دوپٹہ لاپروائی سے گلے میں ڈالے شاید ہلکی ہلکی لپ سٹک لگائے ہوئے تھی' تب ہی اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ طلال کو یاد آیا بے جی صبح سے گاؤں گئی ہوئی تھیں اور یہ میک اپ ان کی غیر موجودگی کا کرشمہ تھا۔

"بتاؤ نا کیا کرنے ہیں؟" اس کے ملیح چہرے اور سحر انگیز آنکھوں سے نظریں چراتے ہوئے اس کا لہجہ اب کے دھیما تھا۔

"اصل میں کامران کی اپنے ڈیڈی سے لڑائی ہوگئی ہے۔ وہ آج کل غصے میں گھر چھوڑ کر اپنے دوست کے ساتھ ہوسٹل میں رہ رہا ہے۔ اسے ضرورت تھی۔"

چندا کی اطلاع پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا اور وہ اس کے کڑے تیوروں سے گھبرا کر

ایک دفعہ پھر وضاحت دینے لگی۔ "بھئی واپس کر دے گا نا میں لے کر دوں گی اور پھر تم نے تو مجھے دینے ہیں۔"

"تم کہاں سے "ڈاکہ" مار کر واپس کرو گی؟" طلال کے طنزیہ لہجے پر اس کے چہرے کا رنگ اڑا اور اگلے لمحے وہ غصے میں تپ کر بولی۔

"دینے ہیں تو دے دو' زیادہ باتیں مت کرو۔ میں بے جی سے بھی لے سکتی تھی لیکن وہ گاؤں گئی ہوئی تھیں اور اب تم سے کام آن پڑا ہے تو تم پہاڑ پر چڑھ کر بیٹھ گئے ہو۔"

اس نے طنزیہ نظروں سے سامنے تپی تپی کھڑی چندا کو دیکھا' جیسے کہہ رہا ہو کہ "مجھے پتا ہے کہ بے جی تمہیں کیسے دیتیں؟" لیکن پھر سوچ کر اپنے والٹ سے پانچ سو روپے نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

"یہ پہلی اور آخری دفعہ ہیں۔"

"اونہہ۔" اس نے غصے سے پکڑے اور دھپ دھپ کرتی کمرے سے باہر نکل گئی۔

طلال نے کرسی سے ٹیک لگائی اور آنکھیں بند کرلیں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ میں جی کی حق حلال کی کمائی "ناجائز ذرائع" سے حاصل کر کے "کس" پر لٹائی جا رہی ہے' لیکن وہ اس معاملے میں بے بس تھا۔

شام کو وہ اپنی اسائنمنٹ بنا کر فارغ ہوا تو سکینہ چاچی جس کو نہ جانے کیوں سارے ملازم "چاچی" کہتے تھے اور سب کی دیکھا دیکھی اس نے بھی کہنا شروع کر دیا۔ وہ ایک پلیٹ لے کر تھکی ہاری اندر داخل ہوئیں۔

"یہ لو بیٹا! ساری دوپہر لگ کے گجریلا بنایا ہے۔ مجھے تو چندا نے جب آ کر بتایا کہ طلال گجریلا کھانے کی فرمائش کر رہا ہے' میں نے فوراً گاجریں چھیلنا شروع کر دیں کہ کہیں تم نے شام کو بی بی کے واپس آنے پر یہ گلہ کر دیا کہ سکینہ چاچی سر درد کا بہانہ کر کے گجریلا بنانے سے انکاری ہیں تو وہ کیا کہیں گی؟ اب فٹافٹ کھا کے بتاؤ کہ کیسا بنا ہے؟"

طلال اس اچانک حملے پر ہکا بکا رہ گیا کہ اس نے کب چندا سے گجریلا کھانے کی فرمائش کی جبکہ چاچی سکینہ بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ طلال سے اپنے تاثرات چھپانا دشوار ہونے لگے۔

"اے بچے! کیا مسئلہ ہے؟ مجھے بتاؤ؟ میں بھی تمہاری ماں کی جگہ ہوں۔"

"کچھ نہیں چاچی!" وہ مدھم سا گویا ہوا اور ایک گہری سانس بھر کے پلیٹ پکڑی اور ایک نظر ادھیڑ عمر چاچی کی طرف دیکھا۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ خرابی طبیعت کے باوجود وہ چندا کے جھوٹ پر ساری دوپہر اس کی خاطر لگی رہیں۔

"کیا بنے گا اس لڑکی کا؟" وہ تاسف بھرے انداز میں سوچنے لگا' میٹھا گجریلا بھی اس کے اندر کی تلخی کو کم نہ کر سکا۔

"تم اتنے زیادہ جھوٹ کیوں بولتی ہو؟" رات کو وہ اس کے سر پر تھا جو اسٹار پلس کے کسی ڈرامے میں کھوئی ہوئی تھی' ساتھ ہی مونگ پھلی کے خالی چھلکوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور رات کا کھانا کھا کر برتن بھی وہیں ٹرے میں اوندھے پڑے تھے۔ بے جی آج رات گاؤں میں رک گئی تھیں' اس لئے عیاشی ہو رہی تھی' ورنہ وہ اس کے ٹی وی دیکھنے کے سخت خلاف تھیں' جو اس نے ضد کر کے کیبل کی صورت میں لگوا رکھا تھا۔

"کون' میں جھوٹ بولتی ہوں؟" اس کا انداز سراسر مذاق اڑانے والا تھا۔

"نہیں میں۔" وہ چڑ کر بولا۔

"تمہارا تو خیر مجھے پتا نہیں' ویسے چھوٹا موٹا جھوٹ بول کے اگر کوئی بڑا فائدہ ہو رہا ہو تو کوئی مضائقہ بھی نہیں۔" اس کی فلاسفی سن کر طلال کا دماغ کھول اٹھا۔ "ہاں اس چھوٹے موٹے جھوٹ سے اگر کوئی بندہ ہرٹ ہو رہا ہو یا کسی کو نقصان ہو رہا ہو تو تمہارا اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بندے کو سمجھ داری اور ہوشیاری سے رہنا چاہئے تاکہ کوئی اس کے ساتھ ایسا نہ کر سکے۔" اس کی منطق بھی نرالی تھی۔ "لیکن اگر تم جیسا عیار بندہ ہو تو ساری سمجھ داری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔" طلال کی طنزیہ نظروں پر وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" اس نے حیران ہو کر طلال کے سرخ چہرے کو دیکھا۔

"اپنے آپ سے پوچھو تم نے کیا کیا ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر اس سے بھی زیادہ سخت لہجے میں کہا تو چندا کا رنگ تیزی سے اڑا۔

"تم نے ایک ہفتہ پہلے میاں جی سے دو ہزار روپے میرے نام پر لئے کہ طلال نے کہا ہے کہ مجھے ضرورت ہے اور آپ سے مانگتے ہوئے اسے شرم آتی ہے اور پھر رمضو چاچا سے مختلف سی ڈیز انڈین فلموں کی منگوائیں اور جب میاں جی نے پوچھا تو جھوٹ بول دیا کہ طلال

نے منگوائی تھیں‘ وہ تو آج میاں جی نے تھوڑی دیر پہلے مجھے ڈانٹا کہ تمہیں اگر کسی چیز کی ضرورت ہو یا پیسوں وغیرہ کی تو مجھے ڈائریکٹ کیوں نہیں کہتے‘ میری تو شرم کے مارے آنکھیں نہ اٹھیں‘ دل چاہا زمین پھٹے اور اس میں سما جاؤں اور پھر دوپہر کو تم نے سکینہ چاچی کو بخار کی حالت میں اٹھا کر گجریلا بنوایا میرے نام پر‘ تمہیں ڈوب کر مرجانا چاہئے اتنے جھوٹ اور فراڈ کرتے ہوئے۔“ وہ سخت طیش میں تھا۔

چندا پر جیسے کوئی بم گرا تھا۔ وہ پریشان نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی‘ اس نے کہاں اس کا یہ روپ دیکھا تھا وہ شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتے ہوئے مڑا اور وارننگ دی۔

”آئندہ میرے نام پر ایسی فضول حرکت کی تو میں میاں جی کو تمہارا سارا کچا چٹھا کھول کر بتا دوں گا اور یہ بھی بتا دوں گا کہ تم اکثر کالج واپسی پر کامران کے ساتھ بائیک پر کبھی آئس کریم پارلر تو کبھی پیزا ہٹ جاتی ہو۔“

چندا نے پھٹی پھٹی نظروں سے طلال کی پشت کو دیکھا تھا‘ وہ حقیقی معنوں میں دہل سی گئی تھی۔

✤✤✤

پورے پندرہ دن کے بعد طلال نے اسے دیکھا سفید چکن کے سوٹ میں بے جی کے ساتھ نماز پڑھتی وہ اسے خاصی مختلف لگی تھی اور پھر خاموشی سے چاچی سکینہ کے ساتھ کھانے کے برتن لگاتی اور رات کو میاں جی کے پاس کتابیں رکھے اس میں بہت واضح تبدیلی آئی تھی اور پھر میاں جی کے ساتھ اسے مصروف دیکھ کر وہ چپکے سے بے جی کے پاس آن بیٹھا۔

”میرے مولا نے لگتا ہے میری دعائیں سن لیں‘ اب تو اس لڑکی میں بڑی تبدیلی آئی ہے‘ میری ساری باتیں ماننے لگی ہے اور نماز بھی شروع کر دی ہے اور شکر ہے کہ وہ منحوس لبو اب نہیں آتا‘ لگتا ہے کہ چندا کے ساتھ اس کی لڑائی ہوگئی ہے‘ میں نے تو اس سے چھٹکارے کیلئے وظیفہ کرنا تھا‘ مگر اس نے خود ہی کم آنا شروع کر دیا‘ زہر لگتا تھا مجھے وہ مسٹنڈا۔“

طلال کو بے جی کے انداز پر ہنسی آگئی‘ اس نے بہت غور سے میاں جی کو اخبار سناتی چندا کو دیکھا‘ جو کریم کلر کے سوٹ میں خاصی سوبر لگ رہی تھی۔

”اصل میں بیٹا! فیضی صاحب کے ساتھ شروع سے ہمارا ملنا ملانا ہے‘ لیکن ان کے گھر کے طور طریقے مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے‘ ماں نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے اور

باپ ہے تو ہر روز ایک نئی لڑکی کے ساتھ اس کا آنکھ مٹکا مشہور ہو رہا ہے‘ اوپر سے اللہ نے بیٹے بھی پورے چار دے دیئے‘ اگر کوئی بیٹی ہوتی تو شاید آنکھ میں حیا آجاتی۔“ بے جی کو وہ آج کافی دنوں بعد یاد آیا تھا‘ اس لئے شروع ہوگئیں۔

”پھر جب ہم لوگ یہاں شفٹ ہوئے تو ان کے دونوں چھوٹے بیٹے کامی اور دانی ہماری چندا کے ہم عمر تھے اور سارا سارا دن اس کا دل لگائے رکھتے اور ہم نے اسی وجہ سے منع نہیں کیا‘ دن رات کا آنا جانا تھا لیکن کیا پتا تھا کہ لڑکوں کے ساتھ رہ رہ کر ہماری لڑکی بھی درختوں پر چڑھنا‘ کنچے کھیلنا اور گلی ڈنڈا اور کرکٹ تک سیکھ جائے گی ان کم بختوں نے میری چندا کو بگاڑا تھا۔“

طلال کا بہت دل چاہا کہ ان سے کہے کہ ”اس وقت آپ کہاں ہوتی تھیں“ لیکن وہ چپ رہا‘ ان کی دل آزاری کرنا اسے اچھا نہیں لگا‘ تب ہی آہستگی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

✤✤✤

موسم بدل گیا تھا‘ اب وہ فورتھ ایئر میں آگیا تھا اور اس دفعہ تھرڈ ایئر میں اس کی بورڈ میں تیسری پوزیشن تھی‘ جس کا میاں جی نے خاصا برا منایا تھا‘ لیکن اس سال وہ شروع سے ہی محنت کا ارادہ کیئے ہوئے تھا‘ پچھلے سال بے بے کی وفات نے اس کا پڑھائی سے دل اچاٹ کردیا تھا‘ لیکن اس سال اس کا ارادہ تھا کہ میاں جی کے سارے گلے شکوے مٹا دے گا‘ چندا بھی سیکنڈ ایئر میں آگئی تھی۔

طلال کچھ دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ چندا کے انداز کچھ بدل سے گئے تھے۔ اکثر وہ اس کے کمرے میں پائی جاتی اور بعض دفعہ تو اس کی واڈروب اور کمرے کی سیٹنگ بھی تبدیل کردیتی اور اکثر رات کو اب اسے کمرے میں دودھ کا گلاس دینے ملازمہ کی جگہ وہ خود آجاتی اور بہانے بہانے سے اسے مخاطب کرتی‘ طلال کو لگا تھا کہ وہ اپنی سابقہ ساری کوتاہیوں پر خاصی شرمندہ تھی اور اس کا اظہار اکثر اس کے رویے سے ہوتا تھا اور اسی وجہ سے طلال نے بھی اسے دوبارہ شرمندہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

اس دن وہ انگلش لٹریچر کی کوئی اسائنمنٹ بنانے میں مگن تھا‘ جب فالسے کا شربت لئے وہ اندر داخل ہوئی‘ گلاس ٹیبل پر رکھ کر وہ سائیڈ والی خالی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"طلال! یہ محبت کیا ہے؟"

"دماغ کی خرابی ہے۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا' دماغ اسائنمنٹ میں الجھا ہوا تھا۔

"طلال! میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں۔" اس کے احتجاجی انداز پر وہ چونکا اور اسے دیکھا جو فیروزی کلر کے سوٹ میں خاصی تیار شیار دمک رہی تھی اور چہرے پر گلابیاں گھلی ہوئی تھیں' طلال نے ٹھنڈی آہ بھر کر کتاب بند کردی۔ یہ تو طے تھا کہ اس کی موجودگی میں پڑھائی نہیں ہوسکتی' اس نے وال کلاک کی طرف دیکھا' دوپہر کے تین بج رہے تھے اور یہ ٹائم میاں جی اور بے جی دونوں کے آرام کرنے کا تھا۔

"بتاؤ نا؟" چندا نے پھر اصرار کیا۔ "اگر کسی کو کسی سے محبت ہوجائے تو اس کا اظہار کیسے کرنا چاہیے؟"

"ظاہر ہے منہ سے۔" طلال ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

"یہ کیا فضول بات ہے' آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟" وہ ناراض ہوئی۔

"خیر ہے یہ "تم" کی بجائے آپ' آپ کرکے کیوں بات ہورہی ہے؟ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟"

"نہیں دماغ خراب ہے۔" وہ جل کر کھڑی ہوگئی جانے کیلئے۔

"اوہو بھئی کیا ہوگیا ہے انگارے کیوں چبا رہی ہو' ذرا بیٹھو اور آرام سے بات کرو۔" طلال نے فوراً صلح جویانہ انداز اپنالیا تھا' چندا نے اسے گھور کر دیکھا اور پھر بیٹھ گئی۔

"اچھا بتاؤ' کس کو محبت ہوئی ہے؟ کس سے؟" اس نے بمشکل سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا طلال کو شاک لگا اور اس نے کھوجتے لہجے میں کہا۔

"پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں کیسے محسوس ہوا کہ جو احساسات تمہارے اندر پل رہے ہیں وہ محبت ہے؟"

"بس میرا دل کرتا ہے کہ ایک ہی شخص کو سوچوں' ایک ہی شخص سے بات کروں اور اس شخص کو دیکھوں وہ سامنے ہو تو مجھے زندگی بہت خوبصورت اور دلکش لگتی ہے اور میرا دل ایک انوکھی لے پر دھڑکتا ہے۔"

"کیا؟" طلال گنگ سا اسے دیکھنے لگا' اسے ہرگز اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"کون ہے وہ شخص؟" اس کا دل بیٹھنے لگا' وہ بڑے مدھم لہجے میں بولا تھا۔

"اس بات کو آپ چھوڑیں۔" وہ کچھ محتاط ہوئی۔

"کیا کامران؟" طلال نے اپنی طرف سے بہت درست نام لیا۔

"نہیں!" اس نے شدت سے نفی کی۔

"پھر؟" وہ الجھ گیا۔

"آپ نہیں جانتے کیا؟" وہ بڑے ذومعنی لہجے میں بولی تھی' طلال نے سمجھتے ہوئے بھی نفی میں سر ہلایا' اس کے دماغ میں آندھیاں چل رہی تھیں' وہ چندا سے اس قدر ہمت اور جرأت کی توقع نہیں کررہا تھا' اس کے انداز تو پہلے ہی اسے بوکھلائے دے رہے تھے۔

وہ جانے کیلئے کھڑی ہوئی دروازے کے پاس جاکر مڑی اور شوخی سے لبریز لہجے میں بولی۔

"اگر آپ نے اس شخص کو دیکھنا ہو تو ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑے ہوکر دیکھ لیجئے گا۔"

وہ کمرے سے جاچکی تھی' لیکن طلال منظور اپنی جگہ پر بیٹھا رہ گیا تھا' وہ ایک لمحے کو خوفزدہ ہوا اور اگلے ہی لمحے اس نے اپنے دماغ سے تمام اندیشوں کو جھٹک دیا' اس کے زندگی کے دائرے کے اردگرد بڑے خوبصورت رنگ پھیلے تھے' مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کرلیا تھا' وہ اسے اچھی تو شروع سے لگتی تھی لیکن درمیان میں اس کی کامران کے ساتھ حد سے بڑھی دوستی اور پھر مختلف حرکات نے اسے بدظن کردیا تھا' لیکن اب اس کے تمام انداز اس کے من کو بھا رہے تھے۔

❖❖❖

زندگی طلال منظور کیلئے بہت خوبصورت ہوگئی تھی' اب کالج سے آنے کے بعد اس کا سارا وقت کوٹھی میں گزرتا تھا' پہلے تو وہ جناح لائبریری چلا جاتا تھا سٹڈی کیلئے' لیکن اب اس کا زیادہ تر وقت گھر کے دالان میں گزرتا تھا' جہاں وہ بیٹھے بیٹھے چندا کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھ سکتا تھا' وہ بھی کالج سے آنے کے بعد۔ اس کے آگے پیچھے تتلی کی طرح گھومتی رہتی اور طلال کی کسی بات سے انکار تو گویا بھول ہی گئی تھی۔

طلال نے اسے کامران کے گھر جانے سے منع کر دیا' اس نے بات مان لی۔

طلال نے اسے فضول ڈرامے اور موویز دیکھنے سے ٹوکا' اس نے T.V دیکھنا ہی چھوڑ دیا۔"

طلال نے اسے کوکنگ سیکھنے کی طرف راغب کیا' وہ کئی کئی گھنٹے گرمی میں سکینہ چاچی کے ساتھ لگی رہتی۔

طلال کو سوبر' سنجیدہ اور سلجھی ہوئی لڑکیاں اچھی لگتی تھیں' وہ دو ماہ میں اسی سانچے میں ڈھل گئی۔

وہ تو اس کا دیوانہ ہو گیا تھا' چندا کا ہر روپ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا' جس کی وجہ سے وہ اب آنکھیں بند کر کے اس کی ساری باتیں ماننے کو تیار تھا۔

وہ اس کا کمپیوٹر اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ طلال نے اسے منع نہیں کیا' اس کا سیل فون زیادہ تر اس کے استعمال میں رہنے لگا تو طلال نے اپنے لئے نیا خرید لیا۔ وہ بے دھڑک اس کے والٹ میں سے پیسے لے لیتی' طلال کو اس کے اس انداز میں اپنائیت محسوس ہوتی تھی۔

اس کا اب لاء میں ایڈمیشن ہو گیا تھا' وہ بہت جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کیلئے بے تاب تھا' اب تو چندا بھی تھرڈ ایئر میں آ گئی تھی اور میاں جی کا اس کے گریجویشن کرنے پر فوراً بعد شادی کا ارادہ تھا' اس دن وہ اپنے کسی دوست کے ساتھ "کنگ ایڈورڈ" میں کسی کام سے موٹر سائیکل پر جا رہا تھا جب انارکلی بازار میں گارمنٹس کی ایک شاپ پر اسے کامران کے ساتھ کھڑی لڑکی پر چندا کا گمان ہوا' لیکن پھر اپنا وہم جان کر وہ دوسری جانب متوجہ ہو گیا۔

شام کو اس نے سرسری طور پر چندا سے ذکر کیا تو اس کے چہرے کا رنگ تیزی سے اڑا' وہ فوراً پشت پھیر کر آٹا گوندنے لگی۔

"کمال کرتے ہو' میرا انارکلی میں کیا کام۔" اس کا لہجہ دھیما تھا۔

"ہاں' میں نے بھی یہی سوچا تھا۔" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں کہہ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا تو چندا نے سکون کا سانس لیا۔

"ارے چندا یہ چوڑیاں کیا نئی لی ہیں۔" بے جی کے حیران لہجے پر طلال نے ایک سرسری سی نظر اس کی گوری کلائیوں میں پڑی سرخ چوڑیوں پر ڈالی۔

"جی بے جی! میری کالج کی دوست نے گفٹ دی ہیں۔" وہ گھبرا کر وضاحت دینے لگی۔ اس دن وہ رات کو دودھ کا گلاس اس کی ٹیبل پر رکھنے کیلئے آئی تو اس کے گلے میں جھولتی گولڈ کی زنجیر کے اندر خوبصورت سے لاکٹ نے چونکا دیا' وہ چابی کی شکل کا لاکٹ تھا۔

"چندا! یہ تم نے کہاں سے لیا ہے؟" اس کے عجیب سے لہجے پر وہ چونکی۔

"یہ کیا؟"

"بھئی یہ لاکٹ؟"

"یہ؟" وہ گھبرا گئی۔ "یہ تو میری دوست حرا نے مجھے گفٹ کیا ہے۔"

"کیا؟" اسے خاصی حیرت ہوئی۔ "اتنا مہنگا گفٹ؟"

"ہاں خاصے امیر والدین کی بیٹی ہے' لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ بے چینی سے بولی۔

"بس یونہی دو دن پہلے میں عامر کے ساتھ جیولر کی شاپ پر گیا تھا وہیں کا ای اس طرح کے لاکٹ پر خاصی بحث کر رہا تھا' اس لئے مجھے یاد رہ گیا۔"

"کیوں؟ بحث کیوں کر رہا تھا؟" وہ اپنے دوپٹے سے اس کی تصویر والے فریم کا شیشہ صاف کرتے ہوئے بظاہر سرسری لیکن دھڑکتے دل کے ساتھ بولی تھی۔

"اصل میں اس کے اپنے گروپ کے ایک لڑکے کو بھی وہی لاکٹ پسند آ گیا تھا اور دونوں اسے خریدنے کیلئے جھگڑ پڑے تھے اور ان کی بحث سے کافی لوگ ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تب ہی مجھے یاد رہ گیا۔"

"پھر کس نے خریدا وہ لاکٹ؟"

"پتا نہیں ہم لوگ تو وہاں سے نکل آئے تھے' خیر چھوڑو یہ بتاؤ کہ میاں جی زمینوں سے آ گئے؟" اس کے ٹاپک بدلنے پر چندا کے چہرے کا رنگ نارمل ہو گیا تھا' وہ اب میاں جی کے متعلق بتانے لگی۔

میاں جی کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوا تھا بے جی' چندا اور سب گھر والے بوکھلائے ہوئے تھے' خود طلال کے پیروں کے نیچے سے بھی زمین نکل گئی تھی' وہ اپنی پڑھائی بھول کر ہر وقت ہاسپٹل میں ان کے ساتھ رہتا' وہ خاصے کمزور ہو گئے تھے۔

اس دن وہ ہسپتال سے گھر آیا تو کچن میں کامران کو چندا کے بالکل قریب کھڑے دیکھ

کر اس کا دماغ کھول گیا‘ وہ بڑی بے تکلفی سے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

طلال کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر چندا کے چہرے کا رنگ فق ہوا تھا‘ دم بخود اور ساکت کامی نے مڑ کر اسے دیکھا اور فوراً وضاحت دی۔ ”میں میاں جی کے بارے میں پوچھنے آیا تھا۔“ طلال کو اب اندازہ ہوا کہ وہ اس کے منہ لگنے سے دانستہ پرہیز کرتا ہے اور کیوں کرتا ہے؟ یہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اس نے بغیر جواب دیئے شیلف سے گلاس اٹھایا اور فریج سے بوتل نکال کر پانی ڈالنے لگا۔

”میاں جی کی طبیعت کیسی ہے؟“ چندا نے کچھ سنبھل کر پوچھا‘ وہ بہت غور سے اس کا ناراض چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”کافی بہتر ہے۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔

”کھانا بن گیا ہے‘ کون لے کر جائے گا؟“ اس نے پھر پوچھا۔

”میں! اور ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔ ”میں منہ ہاتھ دھو کر آتا ہوں‘ تم پیک کردو۔“

وہ پندرہ منٹ کے بعد آیا تو کامران جا چکا تھا‘ کچن کے سٹول پر بیٹھی چندا کسی گہری سوچ میں گم تھی‘ اسے دیکھ کر وہ چونکی۔

”آپ مجھ سے ناراض ہیں؟“

”نہیں۔“ وہ دانستہ منہ پھیر کر بولا۔

”وہ تھوڑی دیر پہلے ہی آیا تھا۔ بلیوی میاں جی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔“ چندا کے نرم اور التجائیہ انداز پر اس کا دل پسیجا‘ اس نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔ ”میں نے تم سے پوچھا؟“

”آئی ایم سوری طلال!“ اس کا لہجہ بھیگ گیا۔ طلال کے دل کو کچھ ہوا‘ اس نے مڑ کر اس دشمن جاں کو دیکھا اور بے بسی سے بولا۔

”مجھے وہ تمہارے پاس کھڑا اچھا نہیں لگتا۔“

چندا نے گہرا سانس لیا اور میاں جی کیلئے کھانا ٹفن میں ڈالنے لگی‘ وہ بالکل خاموش تھی۔ طلال نے بھی ٹفن اٹھایا اور ایک بھرپور نظر اس دشمن جاں پر ڈالی۔

”سوری یار! تمہارے معاملے میں‘ میرا دل کوئی کمپرومائز نہیں کرتا۔ اسے میری چاہت

سمجھ لو یا مجبوری۔“ وہ کچن سے جا چکا تھا چندا اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

❖❖❖

میاں جی گھر واپس آ گئے تھے‘ لیکن گھر میں عیادت کرنے والوں کا ہر وقت ہجوم لگا رہتا‘ طلال کے والد بھی صبح و شام زمینوں کے حساب کتاب کیلئے یہیں پائے جاتے تھے اور میاں جی پتا نہیں سارا دن لیٹے کیا سوچتے رہتے‘ جو تفکر کے بادل ان کے چہرے پر بسیرا کیئے رہتے‘ حالانکہ طلال کے انہیں صبح و شام دلاسا دیتے تھے‘ لیکن میاں جی کا دل ان دنوں پتا نہیں کون کون سے اندیشوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اس رات بے جی کو بلا کر کچھ مشورے کیئے تھے‘ جن میں سرفہرست چندا کی شادی کا مسئلہ تھا‘ جس کی وجہ سے وہ بوکھلائی پھر رہی تھی۔ بے جی کے سامنے تو اس نے خوب احتجاج کیا تھا اور انہوں نے اسے صاف صاف میاں جی سے بات کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

”میاں جی......!“ اس نے دروازہ کھول کر جھانکا‘ اتفاق سے وہ اکیلے ہی تھے ”میں آ سکتی ہوں؟“

میاں جی لیٹے ہوئے تھے‘ انہوں نے آنکھوں پر رکھا ہوا بازو ہٹایا اور چونک کر اسے دیکھا بے جی کے ذریعے اس کے خیالات سے آگاہی تو ہو گئی تھی‘ لیکن اس معاملے میں اب وہ بے بس تھے۔

”میاں جی! مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔“ وہ روہانسی سی ہو رہی تھی۔

”ہوں...... لیکن یہ مت کہنا کہ تم ابھی شادی کرنا نہیں چاہتیں۔ اس کے علاوہ جو کہنا چاہتی ہو کہو۔“ وہ سائیڈ سے اپنا چشمہ اٹھا کر اپنے صافے سے صاف کرنے لگے۔

چندا نے ایک احتجاجی نظر اپنے بہت زیادہ محبت کرنے والے لیکن قدرے سخت گیر دادا کو دیکھا اور بھیگے لہجے میں بولی۔

”لیکن میاں جی! مجھے پڑھنا ہے کم از کم بی اے تو کرنے دیں۔“ اس کی آواز جیسے کنویں سے برآمد ہوئی تھی۔

”دیکھو بیٹا! میری طبیعت تمہارے سامنے ہے اور جو سچ پوچھو تو مجھے اپنی سانسوں کا اب اعتبار نہیں‘ میری ایک وسیع و عریض جائیداد اور زمینوں کے معاملات ہیں‘ میں چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں کسی سمجھدار بندے کے سب کچھ حوالے کر جاؤں جو لالچی نہ ہو‘ خوف خدا رکھتا ہو

اور تمہارا خیال رکھے ورنہ زمینداری میں سو دشمن اور سو سجن ہوتے ہیں۔ تمہیں اور تمہاری بے جی کو تو لوگ میرے بعد بیچ کھائیں گے' اس لئے میں جو کروں گا تمہاری بہتری کیلئے کروں گا' بہتر ہے کہ تم بڑوں کے معاملات میں مت بولو۔'' ان کے مضبوط لہجے پر اس نے گالوں پر اتری نمی صاف کی اور خفگی سے سر جھٹکا۔

میاں جی نے اس کے انداز پر اپنی مسکراہٹ چھپائی اور سائیڈ ٹیبل پر بڑا اخبار اٹھا لیا جو اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید بات کرنا نہیں چاہتے' وہ پاؤں پٹختی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

❖❖❖

چہرہ دونوں ہاتھوں کے پیالے میں لئے وہ کسی سوچ میں گم تھی' جب وائٹ ٹریک سوٹ میں ملبوس' تمتماتا ہوا چہرہ لئے طلال ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوا اور پھر چند لمحوں کیلئے تھم سا گیا۔

''میاں جی کے ساتھ مذاکرات کیسے رہے؟'' وہ گلا کھنکھار کر بولا تو وہ چونکی اور برا سا منہ بنایا۔

''میاں جی نے پہلے کبھی میری کوئی بات مانی ہے جو اب مانیں گے۔'' وہ ناراض لہجے میں گویا ہوئی۔

''اس کا مطلب ہے کہ مذاکرات ناکام ہوگئے۔'' اس نے غور سے اس کا بیزار چہرہ دیکھا۔

''جی ہاں!'' چندا نے ریموٹ سے ٹی وی آن کیا۔

''تو کون خوش نصیب آج کل زیر غور ہے آپ کی ہم سفری کیلئے؟'' طلال نے بوجھل دل کے ساتھ دانستہ خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

''کم از کم آپ نہیں ہیں۔'' اس کے تلخ لہجے پر بہت دیر تک وہ کچھ کہنے کے قابل ہی نہ رہا اور پھر قدرے آزردگی سے بولا۔

''مجھے معلوم ہے کہ میں اتنا خوش قسمت نہیں ہوں اور پھر مخمل میں ٹاٹ کا پیوند کہاں لگتا ہے' سب کہنے کی باتیں ہیں۔'' اس نے گویا اپنا ہی مذاق اڑایا تو چندا نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا جو پچھلے کچھ دنوں سے خاصا پریشان سا تھا۔

''میں نے بہت کہا کہ بی اے تو کر لینے دیں' لیکن وہ نہیں مانے۔'' چندا نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''ہاں میں نے بھی سوچا تھا کہ مجھے بھی کچھ ٹائم مل جائے گا لیکن......'' طلال کو اپنی آواز خود اجنبی سی لگی۔

''کیوں؟'' اس نے یونہی پوچھا۔

''تاکہ خود کو تمہارے قابل بنا سکوں۔'' طلال نے اتنی گہری اور بھرپور نظر سے اسے دیکھا تھا کہ وہ دو سیکنڈ بھی اس کی آنکھوں میں نہ دیکھ پائی اور گھنی پلکیں بے اختیار رخساروں پر آن گری تھیں۔

''اب کیا ہوگا؟'' چندا نے اضطراب کے عالم میں انگلیاں چٹخاتے ہوئے پوچھا۔

''میں خود میاں جی سے بات کروں؟'' طلال نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔

''دماغ خراب ہے آپ کا' ایک منٹ میں وہ آپ کو یہاں سے دربدر کر دیں گے۔'' اس نے بے اختیار منع کیا۔

''چلو دیکھتے ہیں۔'' وہ محتاط انداز میں بولا اور پھر لب چباتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

میاں جی کی جیسے ہی طبیعت سنبھلی وہ گاؤں چلے گئے۔ آج کل گندم کی کٹائی ہو رہی تھی اور ان کا وہاں ہونا بہت ضروری تھا اور اگلے دو دن بھی ان کا وہیں رہنے کا ارادہ تھا۔ بے جی کی طبیعت آج کل ناساز تھی' کچھ موسمی بخار تھا' وہ سر شام دوائی کھا کے لیٹ جاتی تھیں' اس دن اس کا بھی گاؤں جانے کا ارادہ تھا اور وہ گھر میں چندا کو بتا کر آیا تھا کہ کالج سے سیدھا گاؤں چلا جائے گا' لیکن اس دن اس کی طبیعت خاصی بے چین سی تھی اور دل کسی طور بھی قابو نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ کالج میں ہی اس نے گاؤں جانے کا ارادہ فی الحال کینسل کیا اور دو تین کلاسز لے کر گھر آ گیا اور سیدھا کمرے میں آ کر سو گیا۔ مغرب کی اذان کے وقت اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو بخار میں جلتے محسوس کیا' ابھی تک کسی نے بھی اس کے کمرے میں جھانک کر نہیں دیکھا تھا اور وہ شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ وہ گاؤں چلا گیا ہے۔

وہ بمشکل اٹھا' منہ ہاتھ دھویا اور باہر جانے کی ہمت نہیں ہوئی اور پھر دوبارہ لیٹ گیا' کافی نقاہت سی محسوس ہو رہی تھی اور دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو رات کے دس بج رہے تھے وہ کافی بہتر محسوس کر رہا تھا۔ سلیپر پہن کر وہ باہر نکلا تو سارا گھر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ بے

جی کے کمرے میں جھانکا تو وہ سو رہی تھیں' ان کے کمرے میں ایک طرف چاچی سکینہ بھی گہری نیند میں تھیں۔ کچن میں آ کر اس نے دودھ نکالا اور نیم گرم کر کے پیا تو کچھ توانائی محسوس ہوئی۔

اس نے چندا کے کمرے میں جھانکا تو وہ خالی تھا' اس نے دیکھا واش روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے۔ دو تین کمروں میں جھانکنے کے بعد وہ ٹی وی لاؤنج میں آیا تو وہ بھی سنسان تھا' اسے خاصی حیرت ہوئی کہ اتنی رات گئے وہ کہاں گئی' ڈرائنگ روم بھی ویران تھا' اب کہ اسے پریشانی ہوئی' الگ تھلگ بنی انیکسی کی لائٹ جلتے ہوئے دیکھ کر وہ تجسس سے مجبور ہو کر ادھر نکل آیا۔ انیکسی کے ایک کمرے کی کھڑکیاں لان کی سائیڈ پر کھلتی تھیں وہاں سے آتی کامران کی آواز سن کر اسے دھچکا لگا' تھوڑا سا سائیڈ پر ہو کر اس نے کھڑکی سے اندر جھانکا پردہ ہٹا ہوا تھا۔ سامنے کارپٹ پر صوفے کے ساتھ ٹیک لگائے بے تکلفی سے دونوں ٹانگیں پھیلائے کامران بیٹھا ہوا تھا جبکہ اس کے ساتھ لاپروائی سے گلے میں دوپٹہ ڈالے اس کے کندھے پر سر رکھے چندا کو دیکھ کر اس کا خون کھول اٹھا...... دونوں ایک دوسرے میں گم تھے' اس کا دل چاہا کہ وہ دروازہ کھول کر ان کے سر پر پہنچ جائے اور دونوں کو شوٹ کر دے' لیکن اس سے پہلے ہی کامران کی آواز نے اسکے قدم روک لئے۔ وہ بڑے تنفر بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"یار! اب بس کرو اس پینڈو پروڈکشن کے ساتھ محبت کا ڈرامہ' جو اپنی اوقات بھولے بڑے اونچے اونچے خواب دیکھنے لگا تھا۔ میں تو بس اسے سبق سکھانا چاہتا تھا۔ بہت بڑھ چڑھ کر اسے طنز کرنے آ گئے تھے نا' اب کوئی بات کرے تو ٹھیک ٹھاک بے عزتی کر دینا۔"

"یار! میں کہاں کر رہی تھی یہ ڈرامہ؟ تم ہی نے اصرار کیا تھا ورنہ میرا اسٹینڈرڈ اتنا بھی لو نہیں کہ اپنی زمینوں کے منشی کے بیٹے کے ساتھ محبت وحبت شروع کر دوں۔" چندا کا لہجہ خاصا زہر آلود تھا' باہر کھڑے طلال کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

"ویسے یار! ایک بات تو میں مان گیا تم ایکٹنگ اتنی زبردست کرتی ہو کہ دل چاہتا ہے کہ تمہیں آسکر ایوارڈ سے نواز دوں اور جھوٹ اتنی خوبصورتی سے بولتی ہو کہ سچ بے چارہ شرمندہ ہو جاتا ہے۔" اس کی چوڑیوں سے کھیلتا ہوا وہ خوشگوار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"بکواس بند کرو۔ تمہارے لئے بولتی تھی۔" وہ استحقاق بھرے انداز میں ایک شان سے گردن اٹھا کر بولی۔

"ہاں یہ بات تو میں مانتا ہوں کہ تم نے میرے لئے بہت کچھ کیا ہے' کبھی اپنے بڈھے دادا کے والٹ پر ہاتھ صاف کیا تو کبھی خرانٹ سی دادی کو ہاتھ کی صفائی دکھائی' بس یار! ڈیڈی سے لڑائی ہو جائے تو وہ فوراً جیب خرچ بند کر دیتے تھے۔ اس لئے تمہیں تکلیف دیتا تھا' ویسے آخری دنوں میں تو تم نے اس لمبو طلال کی جیب بھی خاصی ہلکی کروائی تھی میری خاطر' ایسے ہی تو میں تمہارا دیوانہ نہیں ہوں۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"اچھا اب بتاؤ کہ میں میاں جی کو کیسے سمجھاؤں۔ وہ میری شادی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔" وہ قدرے نروٹھے انداز میں بولی تھی۔

"یار! ایک تو میں تمہارے اس بڈھے کنجوس دادا سے بہت تنگ ہوں' کم بخت ہارٹ اٹیک کا جھٹکا بھی برداشت کر گیا' ورنہ ان کی ساری جائیداد کی اکلوتی وارث تم بن جاتیں اور ہم دونوں عیش کرتے' لیکن خیر کرتا ہوں میں ڈیڈ اور مما سے بات' حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ اتنی جلدی میری شادی کرنے کے حق میں نہیں ہوں گے' ابھی تو میرا بی ایس سی بھی کلیئر نہیں ہے' لیکن تمہاری خاطر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہوگا۔" وہ بڑی والہانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اور اگر وہ نہ مانے؟" چندا کے لہجے میں اندیشے جھلک رہے تھے۔

"تو کوئی بات نہیں۔" اس نے ہاتھ جھاڑے۔ "ہم کورٹ میرج کر لیں گے' پھر یہ اولڈ مین اور اولڈ لیڈی کیا کر لیں گے۔" کامران نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن کامی' یہ اچھی بات نہیں ہے۔" چندا نیم رضامندی سے بولی۔

"یار! تمہارے لئے میں اہم ہوں یا باقی لوگ؟ اور پھر محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے؟" وہ برا مان کر بولا۔

"تمہارے لئے تو میں ساری دنیا چھوڑ سکتی ہوں۔ پتا نہیں تم نے مجھ پر کیا جادو کر دیا ہے کہ مجھے دنیا کا کوئی بندہ بھی تم سے زیادہ اچھا نہیں لگتا۔" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"یار! یہ محبت کا جادو ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا تھا اور اس کے ہاتھ بڑی بے تکلفی سے اس کی گردن میں پڑی چین سے کھیل رہے تھے۔

"ویسے تمہاری خوبصورت گردن نے میرے تحفے کی قیمت میں اضافہ کر دیا ہے۔" وہ ڈھیٹ عاشقوں کی طرح بولا تو چندا کو اچانک یاد آیا۔

"یہ لاکٹ خریدتے ہوئے تمہیں طلال نے دیکھا تھا اور جب اس نے ذکر کیا تو میری تو

جان ہی نکل گئی اور پھر ایک دفعہ اس کو انارکلی میں ایک لڑکی پر میرا گمان بھی ہوا تھا' وہ تو شکر ہے کہ میں کبھی رنگے ہاتھوں نہیں پکڑی گئی۔"

"تو پھر کیا تھا۔" وہ لاپروائی سے بولا۔ "تم تو ہزار دفعہ کالج سے میرے ساتھ مختلف جگہوں پر جاتی رہی ہو' اگر دیکھتا تھا تو دیکھ لے' میں کون سا اس سے ڈرتا ہوں' زہر لگتا ہے مجھے یہ لمبو' جب دیکھو تمہارے میاں جی اسی کی مثالیں دے دے کر مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے تھے اور کالج میں بھی چار نمبر کیا زیادہ آگئے موصوف گردن اکڑا اکڑا کر چلا کرتے تھے۔ اب جب منہ کے بل گرے گا تو میں اس سے پوچھوں گا کہ اب بتاؤ بورڈ میں تو ٹاپ کرتے تھے' اس میدان میں پاس ہو کر تو دکھاؤ۔"

وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا اور اس سے زیادہ سننا طلال کے بس سے باہر تھا۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا واپس اپنے کمرے میں آیا اور بیگ میں کپڑے اور کتابیں ڈالیں اور جو جو چیز بیگ میں آئی وہ ڈالی اور باہر نکل آیا......

انیکسی کے پاس آ کر رکا...... اسی وقت کامران اور چندا باہر نکلے تھے' اسے اپنے سر پر دیکھ کر دونوں کا رنگ اڑا تھا۔ چندا تو بہت ہی گھبرا گئی تھی۔ اس کے روئیں روئیں میں اضطراب کی کیفیت پنہاں تھی' طلال نے ایک نظر اسے دیکھا۔

اس ایک نظر میں غصہ' دکھ' تاسف اور بے اعتباری کے رنگ نمایاں تھے۔

"محبت اور جنگ میں ہر چیز جائز نہیں ہوتی۔ اس کے بھی کچھ اصول اور ضابطے ہوتے ہیں اور اچھا دشمن وہ ہوتا ہے جو سامنے سے آ کر وار کرے' پیٹھ پیچھے وار کرنا کمزوری اور کم ظرفی ہوتی ہے اور اپنے پیاروں کو دھوکہ دینے والوں اور ان کی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کے حصے میں ہمیشہ خسارہ ہی آتا ہے' اس کا اندازہ بہت جلد تم لوگوں کو ہو جائے گا۔"

اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے بھی کامران کے استہزائیہ قہقہے نے اس کا تعاقب کیا تھا۔ اسے معلوم نہیں کہ گاؤں تک کا سفر اس نے کیسے طے کیا' سارے راستے دل اور آنکھوں نے ماتم کیا تھا' خوابوں نے بین ڈالے' خواہشوں نے دامن پکڑا اور اس رات وہ اس جذباتی' بے وقوف اور ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والی خود غرض لڑکی کی محبت کو کہیں راستے میں ہی چھوڑ آیا تھا۔

وہ پورا ایک ہفتہ گاؤں میں بخار میں جلتا رہا اور پھر ابے کو اس کی حالت کے پیش نظر اس

کی تمام باتیں ماننا پڑیں' وہ خاموشی سے ان کو لے کر ملتان آ گیا تھا' لاہور سے ملتان کی یونیورسٹی میں اس کی مائیگریشن بہت مشکل سے ہوئی تھی' شروع شروع میں ابے نے اس سے اس اچانک ہجرت کے بارے میں بہت پوچھا اور وہ ٹالتا رہا اور ایک دن اسے پھوٹ پھوٹ کر روتے دیکھ کر ابے نے دوبارہ کبھی نہیں پوچھا تھا۔ اس نے شام کو پارٹ ٹائم ایک جاب بھی تلاش کر لی تھی اور وکالت کے بعد اس نے کچھ عرصہ پریکٹس بھی کی اور پھر ججز کے امتحان میں وہ ٹاپ ٹین میں شامل تھا۔

اسے سول جج بنے پہلا سال تھا جب کچھ بیمار رہنے کے بعد ابے کا انتقال ہو گیا۔ اپنی زندگی میں انہوں نے بہت کوشش کی' طلال شادی کر لے لیکن اس کا عورت ذات سے اعتبار ہی اٹھ گیا تھا۔

اب چھ سال کے بعد عروج فاطمہ عرف چندا کو دیکھ کر ان کے زخموں کے سارے ٹانکے ادھڑ گئے تھے' اس جذباتی اور بے وقوف لڑکی کے حصے میں خسارہ ہی آیا تھا۔

اس کا خلع کا کیس کچھ عرصہ چلا اور کامران کی طرف سے مصالحتی کوششیں ناکام ہو گئی تھیں اور اس دن عدالت میں منصف کی کرسی پر انہیں دیکھ کر کامران شاکڈ رہ گیا تھا' وہ آنکھوں میں سارے جہان کی حیرت اور خوف لئے دیکھ رہا تھا' جیسے جج اسے پھانسی کی سزا سنانے والا ہو۔ اس کی دوسری بیوی ایک ابنارمل بچہ جنم دینے کے بعد کچھ پیچیدگیوں کا شکار ہو کر دوبارہ ماں نہیں بن سکتی تھی' اس لئے وہ چندا کو نہیں چھوڑنا چاہتا تھا لیکن چندا شاید اب اس کی حقیقت سے باخبر ہو چکی تھی اس لئے وہ ایک لمحے کو بھی اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی اور آخر کار فیصلہ چندا کے حق میں ہو گیا تھا اور اس لمحے کامران کی آنکھوں میں اس قدر بے بسی' شکست اور شرمندگی کے رنگ نمایاں تھے کہ طلال کے دل سے سارے ملال کے رنگ دھل گئے' اسے لگا کہ جیسے اس کی چھ سالوں کی طویل اذیت کا مداوا ہو گیا ہو۔

❖❖❖

اس دن موسم پھر صبح سے ہی خراب تھا' پہلے زوردار آندھی نے ہر چیز کو مٹی مٹی کر دیا اور پھر بارش سے ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو گیا تھا' بوگن ویلیا کے پتے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے......

وہ کوفت زدہ انداز میں رفیق کو پائپ لگا کر برآمدہ دھوتے ہوئے دیکھ رہے تھے' جب

چندا کا فون آیا اور بے جی کی آواز سن کر ان کے دل کو کچھ ہوا وہ اونچی آواز میں رو رہی تھیں۔

اور اگلے آدھے گھنٹے کے بعد ان کی گاڑی چوہدری جلال الدین کی کوٹھی کے آگے تھی، جس کا رنگ مدھم پڑ گیا تھا اور گیٹ کا رنگ و روغن بھی جگہ جگہ سے اکھڑا ہوا تھا۔

اور ٹھیک اگلے پندرہ منٹ بعد وہ بے جی کا جھریوں بھرا کمزور ہاتھ پکڑے اپنے آنسوؤں کو پی رہے۔ سب کچھ ویسے کا ویسا تھا' وہی برآمدے میں پڑا میاں جی کا بڑا تخت' کونے میں مرغیوں کا ڈربہ' صحن میں لگے لیموں اور امرودوں کے درخت اور نیم کے درخت کی موٹی شاخ پر چندا کا جھولا اور ان کے کمرے کی سیٹنگ بھی ویسی کی ویسی تھی' جو چیزیں وہ جلدی میں چھوڑ گئے تھے کچھ جوتے' سوٹ' ڈائری' کتابیں سب ویسی ہی تھیں۔

"میاں جی کہتے تھے کہ ضرور طلال کو کوئی بات بری لگی ہے جو وہ اچانک چلا گیا۔ وہ کہتے تھے کہ وہ بہت خوددار اور سمجھ دار بچہ ہے' لیکن ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم کیوں چلے گئے اور پھر ان کو پتا چلا کہ منشی منظور دین اور تم دونوں گاؤں چھوڑ گئے ہو تو سمجھو کہ وہ کئی دن تک تمہاری تلاش کرواتے رہے اور پھر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ ان کو تم لوگوں کے جانے کا بہت صدمہ ہوا تھا۔ وہ اکثر تمہیں یاد کرتے تھے۔" وہ بڑے دکھ سے بے جی کی باتیں سن رہے تھے جو آبدیدہ لہجے میں ان سے مخاطب تھیں۔

"اس کے بعد چندا کی حرکات نے ان کی کمر توڑ دی تھی' اس کے جذباتی اور غلط فیصلے پر انہوں نے بہت طوفان اٹھایا۔ وہ اس کامی کم بخت کے ساتھ اس کی شادی کے بالکل بھی حق میں نہیں تھے' ان کا کہنا تھا کہ جس طرح اس کا باپ کرپٹ اور لالچی ہے ویسا ہی بیٹا ہوگا' لیکن اس نے پتا نہیں چندا کو کیا گھول کر پلا رکھا تھا' جو اس کی مت ماری گئی۔ اسے اپنے بوڑھے دادا اور دادی کی عزت کا بھی خیال نہ رہا اور پھر پتا چلا اس نے کامران کی باتوں میں آ کر عدالت میں جا کر شادی کر لی ہے' میاں جی نے تو اسے اپنی جائیداد سے عاق کر دیا تھا......"

"کیا؟" طلال کو ایک دم شاک لگا۔

"پھر......؟" وہ سوالیہ نظروں سے بے جی کو دیکھنے لگا' چندا شاید کہیں اندر تھی۔

"بس بیٹا! وہ کم بخت' لالچی تو اس کی جائیداد کے چکر میں تھا اور میاں جی ٹھہرے زمانہ شناس' وہ تو اس کا مقصد جان گئے تھے' بمشکل ایک سال اکٹھے رہے اور پھر وہ ظالم چندا کو مار پیٹ کر یہاں بھجوا دیتا کہ جاؤ اپنے دادا سے اپنا حصہ لے کر آؤ' لیکن میاں جی نے بھی اپنا دل

سخت کر لیا تھا۔ اس گھر کے دروازے تو چندا کیلئے کھول دیئے تھے لیکن کہتے تھے کہ ساری جائیداد کسی ٹرسٹ کو دے جاؤں گا لیکن اس لالچی کو نہیں دوں گا' بس اسی مار پیٹ اور لڑائی جھگڑوں میں تین سال گزر گئے ایک بیٹا ہوا جو ذہنی طور پر بیمار تھا' ایک سال کے بعد وہ بھی وفات پا گیا اور پھر اس کم بخت نے تنگ آ کر ایک اور امیر گھرانے کی لڑکی پھنسا کر شادی کر لی' تب چندا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس کا گھر چھوڑ کر آ گئی اور تب اس کی آنکھیں اچھی طرح کھل گئی تھیں......" بے جی دوپٹہ آنکھوں پر رکھے رو رہی تھیں' وہ خاصی کمزور اور بوڑھی ہو گئی تھیں۔

"بس بیٹا! کچھ چیزیں وقت بہت اچھی طرح انسانوں کو سکھا دیتا ہے اور پھر تمہارے میاں جی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب چندا دوبارہ اس منحوس کے جال میں نہیں پھنسے گی' تب انہوں نے اپنی زندگی میں ساری جائیداد اس کے نام کر دی اور پھر میاں جی کے انتقال کے بعد اس گھٹیا انسان کو جب پتا چلا کہ اس جائیداد کی تنہا وارث پھر چندا بن گئی ہے تب اس کی رال دوبارہ ٹپکنے لگی' وہ مصالحت کی کوششیں کرنے لگا لیکن اب بچی کو اس کی خصلتوں کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو گیا تھا' بس اسی وجہ سے عدالت سے طلاق لے لی تاکہ وہ اسے دوبارہ تنگ نہ کر سکے۔" بے جی کو بہت عرصے کے بعد کوئی اپنا ملا تھا' تب ہی وہ اپنا دکھ ان کے سامنے کھولتی گئیں۔

"مجھے رات چندا نے تمہارے بارے میں بتایا تو سمجھو۔ میرے تو دل کو پنکھے لگ گئے' میرا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ رات کو ہی اڑ کر آ جاؤں۔ صبح سے بچی کو کہہ رہی تھی کہ نمبر ملا کر دو لیکن وہ تو عجیب ہی باتیں کر رہی تھی۔" بے جی اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں بول رہی تھیں۔ طلال نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"مجھ سے کہنے لگی بے جی' وہ بہت بڑا افسر بن گیا ہے' سرکاری گھر میں رہتا ہے' اس سے ملنے کیلئے پہلے ٹائم لینا پڑتا ہے۔ اس کے پاس کہاں ٹائم ہوگا کہ آپ سے ملنے آئے؟ ہیں بچے ایسا ہی ہے؟" ان کے معصوم لہجے پر طلال کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بے جی ایسا بھلا ہو سکتا ہے؟" انہوں نے ان کے دونوں ہاتھ محبت اور عقیدت سے تھامے اور دھیمے لہجے میں گویا ہوئے۔

"میاں جی کا احسان تو میں ساری زندگی نہیں بھول سکتا اور میں آج کل جو بھی ہوں ان

ہی کی وجہ سے ہوں' مجھے یاد ہے کہ ابے کے اندر تعلیم کا شوق پیدا کرنے والے بھی وہی تھے اور بے بے مجھے شہر بھجوانے پر راضی نہیں تھیں' لیکن میاں جی کے سامنے بولنے کی ان میں ہمت نہیں تھی اور پھر جس طرح آپ دونوں نے اپنی زمین کے منشی کے بیٹے کو اپنے گھر میں محبت اور مان دیا' میں تو مر کر بھی یہ احسان نہیں بھلا سکتا۔''

''اے لو جھلا ہو گیا ہے کیا؟ میاں جی نے کب تمہیں کسی ملازم کا بیٹا سمجھا؟ بہت پیار کرتے تھے تم سے' اور جب تم نے وکالت کرنے کا ارادہ کیا تو کہنے لگے مجھے ایسا لگا کہ چندا کا باپ دوبارہ میرے سامنے آن کھڑا ہوا ہے۔ انہوں نے تو تمہارے لئے بہت کچھ سوچا تھا...... حتیٰ کہ تمہارا اور چندا کے رشتے تک کے بارے میں سوچ لیا تھا لیکن......''

بے جی کا دل بھر آیا۔ اس انکشاف پر حیرت سے طلال کو جھٹکا ہی تو لگا تھا' انہوں نے بے یقینی سے بے جی کو دیکھا' جن کو آج اپنے آنسوؤں پر اختیار ہی نہیں تھا۔

''بے جی!'' وہ حیرت زدہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

''ہاں بیٹا! جن دنوں وہ ہسپتال میں تھے انہوں نے مجھ سے ذکر کیا تھا اور پھر جب تم اچانک گھر چھوڑ کر چلے گئے تو وہ کافی عرصے تک بڑے حسرت بھرے لہجے میں مجھ سے اس خواہش کا تذکرہ کرتے رہتے تھے' خیر یہ تو اللہ کے کام ہیں وہ ہی جانے۔'' وہ ایک لمحے کو خاموش ہوئیں' پھر تجسس بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''اور تم سناؤ کتنے بچے ہیں تمہارے؟''

''بے جی! شادی ہی نہیں کی۔'' وہ زبردستی مسکرائے۔

''کیا؟'' بے جی کو جھٹکا لگا۔ ''آئے ہائے کیوں؟ کیا بڑھاپے میں کرنی ہے؟''

''بس بے جی شادی تو دل کی خوشی کا نام ہے' جب دل ہی مر گیا تو کیسی شادی؟'' انہوں نے کھانے کی ٹرے ٹیبل پر رکھتی چندا کو دیکھ کر تاسف بھرے لہجے میں کہا' وہ بالکل خاموش تھی' سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ کچن کی کھڑکی سے دونوں کی باتیں کافی دیر سے سن رہی تھی۔

''لڑکے! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟'' بے جی ہکا بکا ان کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

''کہیں کوئی چکر وکر تو نہیں؟'' بے جی کے رازدارانہ انداز پر طلال کو ہنسی آ گئی۔

''استغفر اللہ بے جی' میں آپ کو ایسا لگتا ہوں۔''

''لگتے تو نہیں ہو لیکن بندے کا کون سا پتا چلتا ہے۔'' بے جی سادگی سے بولیں۔ وہ

ہنس دیئے۔ کھانا کھانے اور چائے پینے کے دوران بے جی نے بتایا کہ وہ لوگ اب گاؤں میں شفٹ ہونے والے ہیں' اس کوٹھی کو کرائے پر دینے کا ارادہ ہے جبکہ زمینوں کی دیکھ بھال کرنے کی بجائے پچھلے دو سال سے ٹھیکے پر دے دی تھیں اور گاؤں والی حویلی کی دوبارہ مرمت کروالی تھی۔

اور شام کو جب وہ ایک بھرپور دن گزارنے کے بعد باہر نکلے تو چندا گیٹ تک انہیں چھوڑنے آئی' سامنے لان میں لگے آم کے درخت کو انہوں نے بڑی دلچسپی سے دیکھا' اس کی گھنی چھاؤں کے نیچے بیٹھ کر وہ پڑھا کرتے تھے۔ مہندی کی باڑ سوکھ گئی تھی اور لان بھی جھاڑ جھنکاڑ سا محسوس ہو رہا تھا۔

''اور تم نے اب آگے کیا سوچا ہے؟'' وہ چلتے چلتے رکے تھے اور اپنے ساتھ چلتی چندا کو غور سے دیکھا' جو کافی سنجیدہ اور سوبر سی لگ رہی تھی' آنکھوں کے نیچے حلقے نمایاں تھے۔

''کچھ نہیں بس گاؤں میں ایک سکول کھولا تھا اب جا کر اسے خود سنبھالوں گی۔'' وہ خشک سے انداز میں بولی۔

''کون تم......؟'' حیرت سے ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا' وہ اس کی پڑھائی سے دلچسپی سے اچھی طرح آگاہ تھے اور شاید اسے بھی اس حیرت کے پیچھے موجود کہانی کا انداز تھا' تب ہی مسکراتے ہوئے بولی۔

''میں نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگلش کر رکھا ہے۔''

''کیا......؟'' اس انکشاف پر وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا' جو سامنے درخت پر بیٹھی تنہا چڑیا کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''یہ انقلاب کیسے آیا؟'' وہ خوشگوار حیرت سے بولے تھے جبکہ چندا نے سرد آہ بھری اور زبردستی مسکراتے ہوئے بولی۔ ''طلال منظور صاحب! زندگی بہت کچھ بندے کو سکھا دیتی ہے اور آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ جو لوگ اپنوں کو دھوکہ دے کر ناجائز فائدہ اٹھائیں' ان کے حصے میں خسارہ ہی آتا ہے۔ میں نے سوچا کہ ماضی کو یاد کروں تو سوائے ندامت اور شرمندگی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اس لئے اپنے حال کو بہتر کرلوں تاکہ زندگی میں کبھی مڑ کر دیکھوں تو اپنے بے شمار غلط اور جذباتی فیصلوں کے درمیان کوئی ایک چیز تو اطمینان بخش ہو۔'' اس کے چہرے پر ندامت اور دکھ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"اور پھر میں نے سوچا کہ عروج فاطمہ کیا ساری زندگی خود سے محبت کرنے والوں کو دکھ ہی دیتی آئے گی؟ میں نے جو کچھ کیا مکافات عمل کے تحت اس کا نتیجہ بھگتا' بہت سارے دلوں کو توڑا اور اس کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھا اور میں نے زندگی میں ایک چیز سیکھی ہے کہ ہمارے کسی بھی غلط فعل کو ہم ہزار جھوٹی تسلیاں دے کر خود کو مطمئن کرنے کی کوشش کریں۔ غلط چیز غلط ہی ہوتی ہے اور پھر زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے' بس اللہ مجھے معاف کردے...... ایم اے انگلش کرنا میاں جی کا خواب تھا' جو وہ میرے حوالے سے دیکھتے تھے' بس سوچا کہ مجھ سے خالص اور بے غرض محبت کرنے والوں کا کچھ تو مجھ پر حق بنتا ہے اور بس اسی سوچ نے مجھ سے سب کچھ کروا لیا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو چمکے تھے' لیکن بڑی مہارت سے اس نے چھپا لئے تھے۔

"تم کسی دن میرے سکول آنا اور دیکھنا کہ میں پرنسپل کی سیٹ پر کیسی لگتی ہوں؟" وہ زبردستی ہنستے ہوئے بولی تھی' طلال نے بڑے تاسف بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"تو کیا یہ طے ہے کہ عروج فاطمہ اس سیٹ پر ضرور بیٹھے گی؟"

"ہاں کیوں؟" وہ چونکی اور یقین دلانے والے انداز میں بولی' قسم سے میں اب اتنی نالائق نہیں ہوں اور ہاں......" وہ پلٹی اور اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ "میں ابھی آئی۔" دو منٹ کے بعد وہ باہر تھی" یہ تمہاری ڈائری میرے پاس امانت تھی۔"

طلال نے غور سے نیلی جلد والی ڈائری کو دیکھا جو اس نے ان دنوں باقاعدگی سے لکھنا شروع کی تھی' جب چندا اس کی زندگی میں آئی تھی...... اس کے ورق ورق پر اس کی ان کہی محبتوں کی داستانیں رقم تھیں' اس نے بوجھل دل کے ساتھ ڈائری کھولی۔

اس کے بہت سارے صفحات پر لکھے الفاظ مٹے ہوئے تھے' ان پر گرے خشک آنسوؤں کو وہ اب بھی محسوس کر سکتے تھے' وہ سمجھ سکتے تھے کہ کسی کو ان لکھے گئے الفاظ نے رلا دیا تھا۔

طلال نے گہری نظروں سے اپنے سامنے لب کچلتی چندا کو غور سے دیکھا' چھ سالوں نے اسے مکمل طور پر تبدیل کر دیا تھا۔

"کیا میری خالص اور سچی محبت کا اتنا بھی حق نہیں کہ یہ الفاظ میں نے جس کیلئے لکھے وہ اسے سنبھال کر رکھے۔" ان کے گلے پر چندا نے بے اختیار دیکھا اور فوراً نظریں چرائیں۔

"میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ ان کو مزید اپنے پاس رکھوں' ان الفاظ نے مجھے گزشتہ

چھ سال تازہ ہوا کے جھونکے دیئے ہیں۔ مجھے زندگی کی بدصورتیوں سے نپٹنے کیلئے توانائی دی تھی۔ مجھے کچھ مہینوں میں ہی ان کے خالص ہونے کا اندازہ ہو گیا تھا۔ لیکن ایک جھوٹی' جذباتی اور خود غرض لڑکی کا ان پاکیزہ جذبات پر کوئی حق نہیں۔" وہ امڈتے ہوئے آنسوؤں پر اختیار کھو بیٹھی تھی۔

طلال نے آگے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا اور بمشکل بولے۔

"وہ لڑکی جتنی بھی جھوٹی' جذباتی اور خود غرض کیوں نہ ہو لیکن اس ڈائری پر گرے اس کے آنسوؤں کے خالص ہونے کی گواہی میرا دل دے رہا ہے......" وہ کچھ دیر کو رکے......" اور یقین کرو محبت خود غرض نہیں ہوتی' میں نے زندگی کے ہر لمحے میں تمہارے لئے دائمی خوشیوں کی دعا مانگی تھی' میری محبت کا ظرف بھی بڑا تھا اور ہے...... اور گاؤں کے سکول میں سیٹ اور میرے چھوٹے سے گھر کے مالکانہ حقوق تمہارے ہاتھ میں ہیں جسے چاہو' منتخب کر لو' لیکن ایک بات کا خیال رکھنا اس سکول میں اس سیٹ پر اور بھی بہترین لوگ آسکتے ہیں' لیکن میرے گھر کے دروازے پہلے بھی کسی کیلئے نہیں کھلے تھے اور تمہارے علاوہ بھی کسی پر نہیں کھلیں گے۔"

موسم میں ایک تبدیلی آئی تھی...... آسمان پر پھیلی گھٹا اب جوش میں آکر برسنے کو مچل گئی تھی' کچھ ننھی ننھی بوندیں دونوں پر آن گری تھیں۔

چندا کا دل تیزی سے دھڑکا تھا...... اس کی آنکھ سے پانی کا ایک قطرہ چھلک کر کندھے پر رکھے اس کے ہاتھوں پر آن گرا تھا۔ طلال نے بہت محبت سے اس قطرے کو اپنے ہاتھ پر دیکھا تھا۔

وہ روتے روتے ایک دم ہنسی تھی...... اپنے سامنے کھڑے شخص کی اعلاظرف محبت سے وہ اور کتنا منہ موڑتی۔

"تم تو کبھی بھی نہیں چاہتے کہ عروج فاطمہ کسی معزز سیٹ پر بیٹھے۔" اس نے بازو کی پشت سے اپنی آنکھیں صاف کیں تو اس اعتراف پر طلال کا دل کھل اٹھا۔

"یقین کرو! میں اپنے ملازم رفیق سے بہت زیادہ تنگ ہوں اور اپنے گھر میں سے اسے نکالنے کا اس سے بہتر طریقہ مجھے کوئی اور نظر نہیں آیا۔" وہ شرارت بھرے لہجے میں بولے۔

"مجھے سکول کے بچوں کے مستقبل کی خاطر یہ فیصلہ کرنا پڑا۔ یہ قربانی دینا پڑی کہ ایک

نالائق پرنسپل......"

اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی ڈائری چندا نے کھینچ کر ان کے کندھے پر ماری تھی' وہ ایک لمحے کو بوکھلا گئے اور اگلے ہی لمحے وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے' دروازے میں کھڑی بے جی نے یہ منظر بہت محبت سے دیکھا تھا' انہیں لگا تھا کہ ان کی بے وقوف پوتی کی زندگی میں نئے موسموں کو آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

❖❖❖

اے عشق ہمیں برباد نہ کر

مجھے دشمہ حیدر سے چڑ کب؟ کیوں؟ اور کیسے ہوئی؟

میں نہیں جانتا' لیکن یہ بے زاری' کوفت اور جھنجھلاہٹ کا رشتہ خاصا پرانا ہے' کبھی کبھی میرا دل کرتا ہے کہ میں اس فضول' احمق' بے ہودہ اور خود کو "پھنے خان" سمجھنے والی لڑکی کی گردن مروڑ دوں یا پھر مچھر کی طرح مسل کر رکھ دوں اور اگر کوئی جادو ٹونہ ہاتھ آئے تو اس اسٹوپڈ لڑکی کو مکھی بنا کر دیوار پر چپکا دوں' جس نے مجھے سر سے پیر تک سلگا کر رکھ دیا تھا۔ بعض اوقات مجھے اپنے وجود سے چنگاریاں سی نکلتی محسوس ہوتی تھیں۔

کبھی کبھی میرا دل کرتا کہ میں اسے کسی پرانی حویلی کے تہہ خانے میں اس وقت تک سزا کے طور پر بند رکھوں جب تک اسے زندگی بسر کرنے کا سلیقہ نہ آ جائے' اس پانچ فٹ سات انچ کی اونٹ جیسی لمبی لڑکی نے میرا سکون برباد کر کے رکھ دیا تھا' حالانکہ وہ انتہائی عام سی شکل و صورت کی مالک تھی البتہ نین نقش خاصے تیکھے تھے اور اپنے لمبے قد کی وجہ سے وہ بہت ساری لڑکیوں میں ممتاز نظر آتی تھی......

مجھے نہ جانے کیوں خوامخواہ ہی اس پر غصہ آتا' اور میرا دل کرتا کہ اس فضول لڑکی کی کم سے کم ٹانگیں تو میں ضرور توڑ دوں' کیونکہ مجھے مرد مار ٹائپ لڑکیوں سے بہت الجھن ہوتی تھی' مجھے ایسی لڑکیاں زہر لگتی تھیں' لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں دشمہ حیدر کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

اس لئے کہ وہ مجھے یعنی ریان علی کو بالکل نہیں جانتی۔

مجھے اس سے چڑ کیوں ہوئی؟ ذرا ٹھہریے! اس کیلئے مجھے زیادہ نہیں بس اڑھائی سال پیچھے جھانکنا پڑے گا۔

جب لندن کی ایک غیر معروف سڑک پر میں نے اسے ہیوی بائیک اڑاتے دیکھا وہ فل اسپیڈ سے ایک اور بائیک کا پیچھا کر رہی تھی' جس پر دو سیاہ فام اسے مسلسل چڑا رہے تھے اور پھر اچانک وہ ہوا جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ ایک دم بائیک ان سیاہ فاموں کی بائیک کے آگے لا کر اسے روکنے میں کامیاب ہوگئی تھی اور اگلے دس منٹ میں وہ پانچ فٹ سات انچ کی لڑکی ان دو بھاری بھرکم سیاہ فاموں کی اچھی خاصی ٹھکائی کر کے لندن کی اس سنسان سڑک پر اب بالکل خالصتاً لاہوری سٹائل میں پنجابی میں انہیں گالیاں دے رہی تھی اور وہ بھاگتے ہوئے مڑ مڑ کر اس کی طرح خوف اور بے یقینی سے دیکھ رہے تھے' جیسے وہ دبلی پتلی سی لڑکی نہیں بلکہ "جن" ہو......

اور کچھ فاصلے پر اپنی بائیک کے ٹائر بدلتے ہوئے میں نے یہ منظر بڑے ہکا بکا انداز میں دیکھا تھا' میلی بدرنگ' جینز پر بے ہنگم پرنٹ والی شرٹ پہنے' اب وہ شرٹ کی آستین سے اپنا منہ صاف کر رہی تھی' اس کے چہرے پر غصے اور اشتعال کے رنگ نمایاں تھے' بڑی بے خوفی سے اس نے اپنے بوائے کٹ بالوں میں ہاتھ پھیرا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے دو انگلیاں منہ میں رکھ کر زوردار آواز میں وسل بجائی اور پھر لاپروائی سے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بائیک پر بیٹھی اور اگلے ہی لمحے وہ اسے جیٹ جہاز کی طرح اڑائے جا رہی تھی اور میں کسی حد تک حیران نظروں سے اس پٹاخہ لڑکی کو دیکھتا رہ گیا۔

اس سے پہلے کہ میں اسے بھول جاتا' اگلی دفعہ ٹھیک چار مہینے دس دن کے بعد اسے میں نے آسٹریلیا میں پاکستان اور انڈیا کا کرکٹ میچ دیکھتے ہوئے وی آئی پی انکلوژر میں دیکھا۔ وہ خوامخواہ اونچی آواز میں بے ہنگم سا شور مچا رہی تھی اور اردگرد بیٹھے ہوئے 'لوگ' کوفت اور بیزاری کا شکار ہو رہے تھے جبکہ وہ ان کی جھنجھلاہٹ سے بے نیاز ہر فضول شارٹ پر تالیاں بجا بجا کر اپنی ہتھیلیاں سرخ کر رہی تھی۔ اپنے چہرے پر پاکستانی پرچم پینٹ کئے' پی کیپ پہنے' گرین ٹراؤزر اور وائٹ شرٹ میں اسے دیکھتے ہی میرے ذہن میں جھماکا ہوا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوگیا کہ یہ ٹارزن کی جانشین وہی پھولن دیوی ہے جس نے اچھے خاصے ہٹے کٹے مردوں پر جوڈو کراٹے کے وار کر کے انہیں بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔

تیسری دفعہ میں نے اسے "نیشنل سینٹر فار پرفارمنگ آرٹ" بمبئی کے خوبصورت ترین آڈیٹوریم کے ایک پلے میں پرفارم کرتے ہوئے دیکھا' اس دن میں اور میرا فرینڈ سفیر ایک

کامیاب بزنس ڈیل کے بعد یونہی وہ پلے دیکھنے چلے آئے تھے' جس کے ان دنوں خاصے چرچے تھے۔

اس پلے میں اسے ہندوستانی سٹائل میں ساڑھی باندھے ایک کلاسیکی رقاصہ کا کردار ادا کرتے دیکھ کر میرا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میوزک کی تال پر اٹھنے والے اس کے پاؤں اور جسمانی اعضاء کی حرکت میں مکمل ہم آہنگی دیکھ کر ایک لمحے کو تو میں بھی مبہوت رہ گیا' اس کی پرفارمنس چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ اس نے اس فن کو سیکھنے میں کتنا عرصہ لگایا ہوگا؟ لیکن نہ جانے کیوں اس پلے میں اسے دیکھ کر مجھے اس پر بے تحاشا غصہ آیا تھا اور سفیر میرے خراب موڈ کو ناسمجھی کے انداز میں دیکھ کر صرف کندھے اچکا کر رہ گیا اور اس دن ہم ڈرامہ ادھورا چھوڑ کر ہال سے اٹھ آئے تھے اور وہیں مجھے معلوم ہوا کہ اس کا نام "وشمہ حیدر" ہے اور اس کا تعلق پاکستان سے ہے۔

چوتھی دفعہ میں نے پھر اسے پاکستان کے شہر "ٹیکسلا" میں دیکھا' میں کچھ غیر ملکی فرینڈز کو میوزیم دکھانے لایا تھا اور میرے وہم و گمان کی آخری سرحدوں پر بھی نہیں تھا کہ میرا اس سے پھر ٹاکرا ہو جائے گا' بلیو ٹراؤزر پر اس نے وائٹ ٹاپ پہن رکھی تھی اور ایک اسپینش لڑکے کا بازو بے تکلفی سے پکڑے وہ ایک دفعہ پھر میرا دماغ خراب کر گئی تھی۔

وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر میوزیم کے پائیں باغ میں لگے پیپل کے درخت کے بارے میں بہت جوش و خروش سے اسپینش زبان میں پاس کھڑے لڑکے کو بتا رہی تھی کہ یہ درخت خاص طور پر سری لنکا سے لا کر لگایا گیا ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس درخت کی ایک جڑ ہے' جس کے نیچے بیٹھ کر مہاتما بدھ نے "نروان" حاصل کیا تھا۔

میں نے بے تحاشا امڈ آنے والے غصے پر قابو پانے کی کوشش کی اور کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا' جس کے کندھے پر وہ واہیات اسپینش لڑکا بڑی بے تکلفی سے ہاتھ رکھے بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا یا پھر سننے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔

اس سے پانچویں مگر پہلی تفصیلی ملاقات ملک کے مشہور و معروف صنعتکار خالد اعوان کے بیٹے کے ولیمہ میں ہوئی۔ بلیک ڈنر سوٹ میں محض حاضری لگوانے کے چکر میں وہاں آتے ہوئے میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ پٹاخہ اور آفت لڑکی جو نہ جانے کیوں میرے لئے کوفت اور بیزاری کا سبب بن رہی ہے اب وہاں بھی موجود ہوگی۔

میں خالد صاحب کے بیٹے اور اپنے بزنس پارٹنر ارسل کو مبارکباد دینے کیلئے سٹیج کی طرف بڑھ رہا تھا' جب بلیک سلیولیس بلاؤز اور شیفون کی ساڑھی میں بڑی نزاکت سے سیڑھیاں اترتی وشمہ کو دیکھ کر مجھے شاک لگا تھا۔

وہ آج کچھ خاص لگ رہی تھی۔ کافی دیر تک تو میں اس کے متناسب وجود سے اپنی نظریں ہی نہ ہٹا سکا جبکہ وہ کسی منسٹر کے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے ملکی سیاست پر خاصا کھلا ڈلا تبصرہ کر رہی تھی اور اس کے اردگرد ملک کی کریم کا ہجوم تھا۔

''یہ کیا چیز ہے؟'' میں نے طنزیہ لہجے میں اپنے ساتھ کھڑے معیز سے پوچھا اور اپنا لہجہ دانستہ سرسری رکھا جبکہ نظریں ابھی بھی اس پر تھیں۔

''کون یہ؟'' معیز نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ اس نے بہت الجھی نظروں سے اب مجھے دیکھا تھا' وہ لڑکیوں کے معاملے میں میری حد درجہ محتاط طبیعت سے اچھی طرح آگاہ تھا۔

''تم وحشہ حیدر کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟'' اسے شاید یقین نہیں آیا تھا۔

ہاتھ میں پکڑے ڈرنک کے گلاس کو اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے میرے صبر کو مزید آزمایا...... اور کچھ دیر بعد خوش دلی سے کہا۔

''حیرت ہے کہ تم وشمہ حیدر کے بارے میں نہیں جانتے؟''

''کیوں یہ چیف منسٹر ہیں' جن کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔'' میں تلخ ہوا۔

''چیف منسٹر نہ سہی' منسٹر کی بیٹی تو ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

''کیا مطلب؟'' اب کے میں حقیقتاً چونکا...... جبکہ وہ بڑے نارمل انداز میں کہہ رہا تھا۔

''یار! تم اتنے لاعلم ہو یا پھر پوز کر رہے ہو......؟'' معیز نے سراسر مجھے چڑایا۔

''تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا۔'' میرے لہجے میں چھپی سنجیدگی اور ہلکی سی خفگی پر وہ محتاط ہوا۔

''ویسے حیرت ہے یار! تم خالد اعوان کے اس بیٹے کا ولیمہ اٹینڈ کرنے آئے ہو جس کے تمہارے بزنس میں ففٹی پرسنٹ شیئرز ہیں اور تمہیں یہ بھی خبر نہیں کہ ارسل خالد کی شادی منسٹر حیدر علی کی بیٹی شانزے کے ساتھ ہوئی ہے اور حیدر علی اعوان کے بیٹے فیصل اعوان کا نام بزنس ٹائیکون کے حوالے سے لیا جاتا ہے اور فیصل سے تمہارے اچھے خاصے ٹرم ہیں اور اس کی تینوں بہنیں شانزے' علیزہ اور وشمہ کم از کم ہمارے سرکل میں کسی تعارف کی محتاج نہیں...... اور

تم کہہ رہے ہو کہ تم وشمہ کو نہیں جانتے...... حیرت ہے؟'' معیز نے بے اختیار قہقہہ لگایا' جیسے وہ میری لاعلمی سے بے حد محظوظ ہوا ہو۔

''اس میں اتنی بھی حیرانی کی بات نہیں ہے' تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں سٹڈیز کے سلسلے میں پچھلے پندرہ سال سے امریکہ میں ہوں اور میرا حلقہ احباب بھی خاصا سلیکٹو ہے اور میں پاپا کی طرح زیادہ سوشل بھی نہیں' انکل حیدر سے تو میری کافی دفعہ ملاقات ہوئی ہے لیکن ان کی فیملی میں' میں صرف فیصل کو جانتا ہوں' باقی ممبرز کے بارے میں مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی۔'' میں نے دل ہی دل میں اسے گالیاں دیتے ہوئے بظاہر لاپروائی سے کہا۔

''تو پھر ایک دم کیسے دلچسپی پیدا ہو گئی؟''

معیز کے معنی خیز لہجے پر میرا دل چاہا کہ اسے اٹھا کر ہال سے باہر پھینک دوں۔

''کچھ نہیں یار! ان محترمہ کو بمبئی کے ''نیشنل سینٹر فار پرفارمنگ آرٹ'' کے آڈیٹوریم میں ایک بے ہودہ سا رول کرتے دیکھا' اس لئے پوچھ بیٹھا' غلطی ہو گئی معاف کر دو۔'' میرے تاثرات نے معیز کو اچھا خاصا کنفیوژ کر دیا تھا۔

''اوہ سوری یار!'' اس نے قدرے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ ''اصل میں تمہارے فادر کے حیدر علی سے اتنے گہرے ٹرمز ہیں کہ میں سمجھا کہ تم مذاق کر رہے ہو' خیر چھوڑو' تم نے یقیناً وشمہ کو وہیں دیکھا ہو گا کیونکہ اسے ڈرامہ' تھیٹر' مصوری' مجسمہ سازی اور فنون لطیفہ سے خاصا لگاؤ ہے اور ان سے متعلقہ ایجوکیشن کے سلسلے میں وہ پوری دنیا گھوم چکی ہے اور سننے میں تو یہ بھی آیا تھا کہ کلاسیکل رقص کی باقاعدہ تربیت کیلئے کچھ عرصہ انڈیا میں رہی ہے' بہت کمال کی لیکن بہت موڈی لڑکی ہے اور حد درجہ ضدی بھی' تب ہی حیدر صاحب اس کے معاملے میں بے بس ہیں۔''

''یہ تو کوئی قابل فخر بات نہیں۔'' میں نے ناگواری سے کہا۔ ''اور ایسی صورت میں جب آپ کی فیملی کا شمار ملک کی بہت اہم فیملیز میں ہوتا ہو اور ''اعوان گروپ آف انڈسٹری'' کا ملک کی پہلی دس انڈسٹریز میں نام آتا ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو لیکن حیدر صاحب کے باقی تین بچے تو بزنس میں حد درجہ انوالو ہیں شانزے' علیزہ اور فیصل تینوں نے بزنس سے متعلقہ ایجوکیشن ابراڈ سے ہی کمپلیٹ کی ہے۔''

معیز نے فوراً صفائی دی جبکہ میں کندھے اچکا کر رہ گیا...... مجھے اس کے متعلق مزید جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

اسی فنکشن کے اختتام پر میں پاپا کے پاس کھڑا انکل وحید کو اپنی جرمن فرم کے ساتھ ہونے والی میٹنگ کی تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا کہ ارسل خالد' وشمہ حیدر کے ساتھ وہاں آ گیا' ارسل نے اپنا دایاں بازو اس کی کمر میں ڈال رکھا تھا۔

''ہائے ریان! یہ ذرا میری سالی آدھی گھر والی سے ملو۔''

''ہائے!'' میں نے سرسری لہجے میں کہا۔

''اچھا تو یہ ہیں انکل افتخار علی کے اکلوتے صاحبزادے' جن کے آج کل بزنس کمیونٹی میں خاصے چرچے ہیں۔'' اس نے دلچسپی سے کہا جبکہ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''ویسے انکل! بیٹا آپ کا خاصا ہینڈسم ہے۔'' اس کی پاپا کے ساتھ بے تکلفی مجھے ایک آنکھ نہیں بھائی۔

میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ مذاق اچھا کر لیتی ہیں۔''

''یہ مذاق نہیں ہے؟ کیوں ارسل؟'' اس نے بے دھڑک ہو کر پاس کھڑے ارسل سے کہا' جس کی آج اپنے ولیمہ پر باچھیں خوامخواہ کھلی ہوئی تھیں۔

''میری یہ مجال کہ اپنی سالی آدھی گھر والی کی کسی بات سے انکار کر سکوں؟'' ارسل کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''قسم سے ارسل! تم ایک نمبر کے رن مرید شوہر ثابت ہو گے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں۔'' ارسل کی شوخیاں مجھے زہر لگ رہی تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ یہ آپ کے برادران لاء ہوتے ہیں اور عمر میں کافی بڑے بھی۔''

میرا انداز خاصا جتانے والا تھا' وہ ایک لمحے کو چونکی اور پھر ہنستے ہوئے بے ساختہ بولی۔

''اگر آپ کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ میں اس گھامڑ کی ریسپیکٹ نہیں کر رہی تو ایسا میں مر کر بھی نہیں کر سکتی' کیونکہ موصوف نہ صرف میرے بہنوئی بلکہ فرسٹ کزن بھی ہوتے ہیں اور کچھ عرصہ پہلے مجھے پٹانے کے چکروں میں بھی تھے اور پھر میری طرف سے نو لفٹ کا

بورڈ دیکھ کر میری سسٹر شانزے کی طرف متوجہ ہو گئے' کیونکہ وہ خاصی اسٹوپڈ ہے اور اس کا ثبوت آج ان دونوں کا ولیمہ ہے۔''

وہ خاصے منہ پھٹ انداز میں اپنی بات کہہ کر قہقہہ لگا کر ہنسی تھی جبکہ پاپا اور انکل وحید کے سامنے بے تکلفی کا یہ مظاہرہ کم از کم مجھے خاصا ناگوار گزرا تھا اور میں نے اپنی ناگواری کو زبردستی کی مسکراہٹ میں چھپایا۔

''وشمہ! مجھے لگتا ہے کہ تم آج سارے سیکریٹ آؤٹ کرنے کے موڈ میں ہو اور اس خطرناک موڈ میں' میں تمہیں کم از کم ان لوگوں کے سامنے کھڑا نہیں کر سکتا جن کی میرے بارے میں بہت اچھی رائے ہے۔''

وہ بازو پکڑ کر زبردستی دوسری طرف بڑھ گیا جبکہ وہ ہنسنے لگی۔

''بہت شرارتی لیکن بہت ذہین لڑکی ہے۔'' پاپا کے کمنٹس پر میں نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

پاکستان آنے کے بعد میری مصروفیات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور میں نے اکلوتے ہونے کے اسٹیٹس کو جتنا عرصہ انجوائے کرنا تھا کر لیا اور اب میرے اوپر ذمہ داریوں کا ایک پہاڑ آن گرا تھا' میرے پاپا کا بزنس خصوصاً لیدر گارمنٹس کی دنیا میں ایک نام تھا اور کام کے حوالے سے ہمارا ایک معیار تھا...... میں اور ماہم' ہم دو ہی بہن بھائی تھے۔ ماہم مجھ سے پانچ سال چھوٹی اور فائن آرٹس کی طالبہ تھی...... اور پاپا کی حد درجہ لاڈلی جبکہ میں مما کی جان تھا اور امریکہ میں ہونے کے باوجود مما ہر تیسرے ماہ ملنے خود پہنچ جاتی تھیں۔

میں شروع ہی سے خاصا کم گو اور خشک مزاج قسم کا بندہ ہوں اور کبھی کبھی تو مجھے خود پر بھی حیرت ہونے لگتی' اس دور میں جب میرے ایج فیلوز لڑکے چار چار لڑکیوں میں دلچسپی رکھتے تھے' مجھے اس ٹاپک سے حد درجہ بیزاری اور کوفت ہوتی تھی' حالانکہ میری کئی کلاس فیلوز لڑکیوں نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا' لیکن میری ریزرو اور خشک طبیعت سے اکتا کر خود ہی پیچھے ہٹ گئیں۔ مجھے رائیڈنگ' گیمز' بکس اور کمپیوٹر سے دلچسپی تھی' میں صرف اور صرف اپنی کمپنی انجوائے کرنے والا بندہ تھا' لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں آدم بے زار تھا' میری سلیکٹو لوگوں سے دوستی تھی' جن میں سرفہرست سفیر تھا' جو ان دنوں میری طرح اپنے پاپا کا بزنس سنبھال رہا تھا اور دوسرا سعد تھا جس کی یو این او کے فنانس سے متعلقہ ڈیپارٹمنٹ میں جاب

تھی اور وہ آج کل امریکہ ہی میں تھا۔

❖❖❖

میں اپنے بزنس کی دنیا میں خاصا مصروف تھا' تب ہی میرے ذہن سے وہ وقتی طور پر محو ہوگئی تھی' لیکن اس دن اپنے گھر کے وسیع وعریض لان میں اسے پاپا اور ماہم کے ساتھ بے تکلفی سے شام کی چائے پیتے دیکھ کر مجھے دھچکا لگا' حالانکہ لگنا نہیں چاہئے تھا کیونکہ اتنا علم تو مجھے ہوگیا تھا کہ وہ حیدر انکل کی بیٹی ہے جو پاپا کے نہ صرف بہترین دوست تھے بلکہ ان کے بیٹے کے ساتھ میری کچھ پراجیکٹس میں پارٹنرشپ بھی تھی' اس حوالے سے اس کی میرے گھر میں موجودگی کوئی غیر معمولی بات تو نہیں تھی۔ اس سے اتنی ملاقاتوں میں اب مجھے اتنا اندازہ تو ہوگیا تھا کہ وہ خاصی الٹرا ماڈرن اور آؤٹ سپوکن لڑکی ہے' حالانکہ جس کلاس سے اس کا تعلق تھا اس میں یہ بات قطعاً معیوب نہیں سمجھی جاتی' لیکن اسی کلاس سے تعلق ہونے کے باوجود ہمارے گھر میں ان باتوں کا خاصا خیال رکھا جاتا تھا۔ مما خاصی ڈیسنٹ ڈریسنگ کرتی تھیں اور یہی حال ماہم کا بھی تھا۔

''بھئی تم کہاں چپکے چپکے اندر جارہے ہو؟'' پاپا نے مجھے تیزی سے اندر کی طرف بڑھتے دیکھ کر ٹوکا۔

میں نے فوراً شرمندہ ہوکر وضاحت کی۔

''ایکچوئلی پاپا میں نے سوچا کہ ذرا فریش ہوکر آتا ہوں۔''

''اچھے خاصے فریش اسمارٹ اور ہینڈسم تو لگ رہے ہیں۔'' وہ شرارتی لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ آپ کی نظر خاصی ویک ہے۔'' میں نے طنز کیا۔

''ارے بالکل بھی نہیں۔'' وہ خوش دلی سے ہنسی۔ ''ہینڈسم لوگ تو مجھے چار میل دور سے بھی نظر آجاتے ہیں۔ یاد نہیں انکل! اس دن کلب میں میجر صارم کو میں نے ایک میل کے فاصلے پر بھی دیکھ لیا تھا۔'' اس کا شوخ لہجہ مجھے اندر تک سلگا گیا تھا جبکہ نگٹس پر ہاتھ صاف کرتے پاپا نے بڑا بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

''یس مائی ڈیئر!'' پاپا نے سر ہلایا' ماہم بھی مسلسل مسکرا رہی تھی جبکہ مجھے اپنا آپ اس سچویشن میں خاصا اکورڈ لگ رہا تھا۔

''بھائی! بیٹھیں نا میں نے آج بہت مزے کے نگٹس اور فش پکوڑے بنائے ہیں۔'' ماہم نے محبت بھرے لہجے میں مجھے اندر جانے سے روکا اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گیا۔

''ہاں بھئی۔ ماہم آج اپنے پاپا کی ہار کو سیلبریٹ کررہی ہے۔'' اس نے ایک دفعہ پھر پاپا کو چھیڑا تو میں نے الجھن بھری نظروں سے پاپا کو دیکھا جو خاصی رغبت سے اب گجریلے پر ہاتھ صاف کررہے تھے۔

''انکل! اب آپ مان جائیں کہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں اور اب مزید مجھ سے نہیں جیت سکتے۔''

''خبردار لڑکی! بوڑھا مت کہنا' بوڑھا ہوگا تمہارا باپ۔'' پاپا نے شرارتی لہجے میں وارننگ دی۔

''جی ہاں! وہ بھی نہیں مانتے' یہ سارے بوڑھے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں' ہے نا ماہم؟'' اب اس نے خاموش بیٹھی ماہم کو تبھی گھسیٹا جبکہ وہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے خوش دلی سے بولی۔

''نابابا نا مجھے تو اس مسئلے سے دور ہی رکھیں۔''

''کیوں ریان! آپ کیا کہتے ہیں؟''

''جی!'' میں نے حیرت سے اسے دیکھا' مجھے ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ مجھ سے مخاطب ہوگی' میری حیرت پر وہ ایک لمحہ چونکی...... الجھن بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور پھر ٹھنک کر بولی۔

''یہ آپ کی ٹھوڑی پر تل ہے نا......؟''

''کیا مطلب؟'' میں نے گڑبڑا کر اسے دیکھا جبکہ وہ بڑے ہموار لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ''اصل میں پہلی مرتبہ جب میں نے آپ کو شانزے کے ولیمہ میں دیکھا تھا تب آپ کی فرنچ کٹ تھی' اس لئے نظر نہیں پڑی۔''

''پھر......؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا' وہ کچھ پزل ہوئی۔

''اوکے بچو! انجوائے یور کمپنی' مجھے ایک بزنس ڈنر میں جانا ہے۔'' پاپا ایک دم کھڑے ہوگئے اور پھر مسکراتی نظروں سے وشمہ کی طرف دیکھا۔

''اوکے سویٹ ڈاٹر! نیکسٹ ٹائم تم اپنے ینگ انکل کو اسنوکر میں نہیں ہرا سکوگی' اس لئے

مکمل تیاری کے ساتھ آنا۔" پاپا کے شرارتی لہجے پر نہ جانے مجھے کیوں لگا کہ وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ پاپا کے پیچھے ہی ماہم بھی میرے لئے تازہ چائے کا آرڈر دینے چل پڑی۔ اب ہم دونوں اکیلے تھے۔

"آپ کا اسٹار کون سا ہے؟" وہ تجسس بھرے انداز میں بولی۔

"لیو۔لیکن میں اسٹارز پر یقین نہیں رکھتا۔" میں نے بے تاثر انداز میں کہا۔

"ڈیٹ آف برتھ؟" میری بے زاری کو خاطر میں لائے بغیر وہ بولی۔

"دس اگست۔"

اس کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ دوڑم تھا' اس نے بے یقینی کے عالم میں مجھے دیکھا۔

"تم پرفیوم کون سا استعمال کرتے ہو؟" اس نے مدھم آواز میں پوچھا۔

"ہیوگو باس۔" میں نے بے زاری سے جواب دیا۔ اس کے اس انٹرویو سے مجھے کوفت ہونے لگی تھی جبکہ میرے جواب سے اب وہ بالکل خاموش ہو چکی تھی۔

"میں سمجھ نہیں پایا کہ تم کیا پوچھنا چاہ رہی ہو؟" مجھے اس کی خاموشی سے الجھن ہوئی' اس کے چہرے پر ایک رنگ آکر ٹھہر گیا۔

"کیا تمہیں میوزک پسند ہے؟"

"ہوں!" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہاری کتنی لڑکیوں سے دوستی ہے؟" وہ پلکیں جھپکائے بغیر گہری نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایک بھی نہیں' میں لڑکوں کی کمپنی میں زیادہ انجوائے کرتا ہوں۔" میرے سپاٹ لہجے پر وہ گویا سانس لینا بھول گئی' وہ اب ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھوں کو رگڑ رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آرہا۔" وہ جیسے کسی خلا سے بولی تھی۔

"کس بات پر؟" میں نے فوراً پوچھا۔

"یہ سب کچھ بہت حیران کن ہے؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ نو نیور امپاسبل۔" وہ بڑبڑائی۔ اس کے ہونٹوں پر موجود مسکراہٹ مجھے بہت عجیب لگی' مجھے یقین ہوگیا تھا کہ اس لڑکی کے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہے۔ میں نے بیزاری سے سوچا۔

"بھاڑ میں جائے' میرا دماغ تو نہ خراب کرے۔"

وہ اچانک اٹھی اور ٹھیک دو منٹ کے بعد وہ اپنی بلیک شیراڈ آندھی طوفان کی طرح اڑائے لے جا رہی تھی اور باہر آتی ماہم نے بہت عجیب انداز سے یہ منظر دیکھا تھا۔ میں خوامخواہ شرمندہ ہو گیا۔

✣ ✤ ✣

اگلے دن میں اپنی فرم کے ہیڈ آفس میں ارسل کے ساتھ اپنے نئے پراجیکٹس کو ڈسکس کرنے میں مصروف تھا۔ کچھ دیر پہلے ہی ہم نے ایک کورین کمپنی کے ساتھ ایک کامیاب ڈیل کی تھی' جس کی وجہ سے ہم دونوں کے موڈ خاصے خوشگوار تھے۔ فیصل حیدر بھی وہیں موجود تھا۔ ہم تینوں ینگ گائز کی اڑان سے بزنس کمیونٹی میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی' ہم نے بہت جلدی اور تیزی سے تجربے کار بوڑھے لوگوں کو کئی معاملات میں کک آؤٹ کر دیا تھا......ہم تینوں خاصے پرجوش و متحرک تھے۔

لنچ سے فراغت کے بعد ہم چائے پینے میں مگن تھے' جب میرے آفس کا دروازہ دھڑ سے کھلا' بلیک جینز پر مسٹرڈ ملگجی سی شرٹ میں وہ اچانک اندر آئی تھی۔

سوجے ہوئے پپوٹے اور اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں اس کی خرابی طبیعت کی نشاندہی کر رہی تھیں۔

"وشی تم!" سب سے پہلے فیصل کی نظر اس پر پڑی' وہ بے چینی سے بولا جبکہ وہ بری طرح ٹھٹکی جیسے اپنے بھائی اور بہنوئی کی یہاں موجودگی کی توقع نہ ہو۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" فیصل بے صبرے پن سے بولا۔

"ہاں ٹھیک ہوں' میں تو ریان سے ملنے آئی تھی۔" وہ اپنی دھن میں کہتے کہتے رک سی گئی' میں جو سرسری انداز سے اسے دیکھ رہا تھا چونک اٹھا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"خیریت؟"

"ہاں خیریت ہی ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں گویا ہوئی اور بے تکلفی سے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گئی' مجھے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا' کیونکہ اس کا چہرہ خاصا سپاٹ اور لہجہ بالکل مدھم تھا۔ فیصل اور ارسل کا ارادہ نئی فیکٹری کیلئے سائٹ دیکھنے کیلئے جانے کا تھا۔ وہ دونوں ہی اکٹھے جانے کیلئے کھڑے ہوگئے' تو میں نے حیرانی سے سامنے الجھی الجھی سی وشمہ کو دیکھا......

میرا دل چاہا کہ وہ بھی ساتھ ہی چلی جائے۔ میں کم از کم اسے کمپنی دینے کے موڈ میں ہرگز نہیں تھا۔

‘‘وشی! تم ہمارے ساتھ چلو گی؟’’ فیصل نے چلتے چلتے رسماً پوچھا۔

‘‘نہیں۔’’ وہ چونکی ‘‘آپ لوگ جاؤ۔ مجھے ریان سے کچھ کام ہے۔’’ اس نے صاف انکار کر کے سامنے پڑا نیوز پیپر اٹھا لیا' ان دونوں نے بھی پھر اصرار نہیں کیا۔

‘‘چائے پیو گی؟’’ میں نے بحالت مجبوری مہمان نوازی کے تقاضے نبھائے۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

‘‘کیسے آنا ہوا؟’’ میں نے اپنا تجسس دانستہ چھپاتے ہوئے لاپروائی سے پوچھا۔

‘‘مجھے لگتا ہے کہ تمہیں میرا آنا اچھا نہیں لگا۔’’ اس نے شاید میرا اندر تک پڑھ لیا تھا۔

‘‘نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔’’ میں نے مروتاً کہا۔

‘‘حالانکہ ایسی ہی بات ہے ریان افتخار علی! تمہارے چہرے پر جھوٹ چھپتا نہیں ہے۔ بہت کھلی کتاب ہو تم۔’’ وہ لگتا تھا کہ آج سارے ہی سچ میرے منہ پر بولنے آئی تھی۔

‘‘کیا ہی اچھا ہو کہ ہم وہ بات کر لیں' جس کیلئے آپ آئی ہیں۔’’

میں نے زبردستی چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا' کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ میں زیادہ دیر تک مروت نہیں نباہ سکتا۔

‘‘اینی ہاؤ لیو دس ٹاپک! ایکچوئلی ہمارا تھیٹر کے حوالے سے آکاش کے نام سے گروپ ہے اور ہم بہت سنجیدہ لیکن قومی اور معاشرتی حوالے سے حساس موضوعات پر ڈرامے بنا کر عوام کے اندر آگہی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں' اسی سلسلے میں دسمبر میں ہم ‘‘سقوط ڈھاکہ’’ کے حوالے سے ایک پلے عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں' اس میں ایک مختصر سا رول ہے لیکن خاصا اہم اور جاندار' وہ میں چاہتی ہوں کہ آپ سے کرواؤں۔ آپ کا زیادہ ٹائم ویسٹ نہیں ہوگا۔ دو چار ریہرسلز ہوں گی اور صرف ایک ہفتہ چلے گا اور بس۔’’

‘‘آپ کو کس نے کہا کہ میں اس پرپوزل کو قبول کر لوں گا؟’’ میں نے بمشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر تذبذب کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔

‘‘میں نے ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا' بس ایک تجویز آپ کے سامنے رکھی ہے' اگر آپ کو

مناسب لگتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ نیور مائنڈ۔’’ دبے ہوئے لہجے میں حد درجہ سنجیدگی تھی۔

‘‘دیکھیں مس وشمہ حیدر! آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میرے بارے میں اس طرح سوچا' لیکن یقین جانیے گا مجھے ان فضولیات سے کوئی دلچسپی نہیں' یہ ڈرامے' تھیٹر وغیرہ کی آج کے دور میں کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ آج کا دور بہت فاسٹ دور ہے اور اب میڈیا اتنا ایڈوانس ہو چکا ہے کہ بچہ بچہ آگہی رکھتا ہے۔ آپ کن چکروں میں پھنسی ہوئی ہیں۔ ان سے نکل آیئے اور پلیز مائنڈ مت کیجیے گا' اگر یہ تجویز آپ کے بجائے کسی اور نے میرے سامنے رکھی ہوتی تو وہ اب تک مجھے اپنے آفس میں نظر نہیں آ رہا ہوتا' لیکن آپ انکل حیدر کی بیٹی ہیں اس حوالے سے میرے لئے قابل احترام ہیں۔’’

میرے سخت اور درشت لہجے پر اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا' وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

‘‘آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ابھی تک مجھے اپنے آفس سے گیٹ آؤٹ ہونے کا حکم نہیں دیا' لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ انکل افتخار جیسے نائس بندے' جنہیں فنون لطیفہ کے تمام شعبوں سے گہرا لگاؤ ہے' ان کا بیٹا اس درجہ تک خشک مزاج ہوگا اور مسٹر ریان علی! میڈیا چاہے جتنا مرضی فاسٹ ہو جائے اس پر چلنے والے چینلز اور خرافات ہماری ثقافت' ہماری روایات اور ہمارے ملی ورثے کو زندہ نہیں رکھ سکتے۔ وہ نسل نو کو گمراہ کر رہے ہیں اور اپنی روایات کو ہمیں خود زندہ رکھنا ہے' ان کی حفاظت کرنی ہے' اپنی ینگ جنریشن کو حقائق سے آگاہ کرنا ہے اور اس سلسلے میں ہر ایک کو اپنا فرض ادا کرنا ہوگا۔’’ اس کے جذباتی لہجے پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ میرے چہرے پر نمودار ہوئی۔

‘‘مس وشمہ حیدر! پہلے ہم اپنا قبلہ تو درست کر لیں' پھر میر کارواں بننے کا شوق بھی پورا کر لیں گے۔ ورنہ یہ تو چراغ تلے اندھیرا والی بات ہے کہ ہم دعوے تو بڑے بڑے کریں لیکن اپنے اعمال پر ہماری نظر نہ پڑے۔ ایسے میں کوئی ہماری بات کہاں مانے گا اور پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔ یہ کلاسیکل رقص کی تربیت کیلئے بمبئی جانا اور گلوکاری کیلئے ریاض کرنا اور مغربی ڈریسز پہن کر اپنی قوم کو سقوط ڈھاکہ کے حقائق سے آگاہ کرنا' سچ کہیں تو بات کہیں بنتی نظر نہیں آتی۔ ہمارا مذہب' ہماری روایات بہت خوبصورت ہیں' اگر ان کے بارے میں لوگوں کو آگاہ کرنا ہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ ہم ‘‘خود’’ بھی آگاہ ہوں ورنہ قول و فعل کے تضاد کے سہارے اگر کسی کو کچھ کہیں گے تو لوگ زیادہ دیر تک ہمیں برداشت نہیں کریں گے۔’’

میں نے کئی دنوں کا غبار آج نکالا تھا' اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا' اس نے سخت خفت زدہ نظروں سے میری طرف دیکھا اور مجھے خاصی کمینی سی خوشی ہوئی۔

اگلے ہی لمحے وہ کچھ بھی کہے بغیر میرے آفس سے باہر تھی اور مجھے کم از کم اس طرح خاموشی سے اس کے جانے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔

اور پھر کافی دن تک سکون ہی رہا اور دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد میری طبیعت بھی خاصی فریش تھی۔ ایک ہفتے کے بعد میں نے اسے اپنی اور فیصل کے مشترکہ سرمائے سے لگائی جانے والی فیکٹری میں دیکھا۔ اس دن دھانی کلر کے شلوار سوٹ میں وہ خاصے معقول حلیے میں تھی اور آفس میں مجھے دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ تیزی سے بدلا تھا' لیکن اس نے بہت جلدی سے اس پر قابو بھی پا لیا۔

"تھینکس گاڈ! وشی تم نے ڈیڈ جی کا مشورہ مان لیا' مجھے تو سخت حیرت ہوئی جب ڈیڈی نے بتایا کہ تم پچھلے ایک ہفتے سے آفس جا رہی ہو۔"

وہ اطمینان سے بیٹھتے ہوئے بولا جبکہ میں نے ناقابل فہم انداز سے دونوں بہن بھائیوں کو دیکھا۔ وشمہ کی فراخ پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔

"میں نے سوچا کہ میں بھی دو جمع دو اور بائیس کر کے دیکھوں اور مجھے بھی اندازہ ہو کہ پیسوں کی دوڑ میں بھاگنے کا کیا نشہ ہوتا ہے' جو روز بروز بڑھتا ہی جاتا ہے' ورنہ ہم فنون لطیفہ سے تعلق رکھنے والے حساس سے لوگ ہیں' جن کی نیتوں کا اندازہ لوگ ان کی ظاہری شخصیت اور حلیے سے لگاتے ہیں اور ان پر قول و فعل کے تضاد کا فتویٰ لگا دیتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم کم از کم انسانوں کو انسان تو سمجھتے ہیں ورنہ......"

وہ استہزائیہ انداز میں اپنی دلی کیفیات کو پس پشت ڈال کر خود اعتمادی سے بولی اور مجھے ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ "کس" کو سنا رہی ہے۔

"واہ یہ کیا بات ہوئی؟" فیصل نے متحیر ہو کر پوچھا" بھئی کیا کہنا چاہ رہی ہو؟"

"چھوڑیں۔" وہ زبردستی ہنسی۔

اشعار کے پردے میں' ہم کن سے مخاطب ہیں وہ جان گئے ہوں گے' کیوں نام لیا جائے۔ میں جی بھر کر بدمزہ ہوا جبکہ فیصل اس کے انداز پر مسلسل ہنس رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ فیصل سے کافی چھوٹی تھی لیکن اس کا انداز گفتگو ہر چھوٹے بڑے کے ساتھ ایک جیسا

ہی ہوتا تھا۔

"او کے مابدولت چلتے ہیں۔" وہ فوراً کھڑی ہوئی تو میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔

"تم ڈیڈی کو کہنا کہ وہ اپنی اس گلاس فیکٹری کے بارے میں بے فکر ہو جائیں' میں ایک بزنس وومین نہ سہی بزنس سے وابستہ لوگوں کے ساتھ تو رہتی ہوں اور دو جمع دو کو بائیس کرنا کبھی نہ کبھی تو مجھے آ ہی جائے گا' خواہ ایک آدھ فیکٹری کی قربانی دے کر ہی سہی۔"

وہ شرارتی لہجے میں کہہ کر رکی نہیں اور میرے لئے تعجب کی بات یہ تھی کہ اس نے مجھے بالکل بھی مخاطب نہیں کیا تھا۔

فیصل نے ہنستے ہوئے کہا۔ "یار! میری یہ سسٹر شروع سے ہی بہت عجیب ہے' بچپن میں اپنے سارے کھلونے سرونٹ کوارٹرز میں رہنے والے بچوں میں بانٹ آتی تھی اور پھر مما سے ڈانٹ کھاتی۔ ایک دفعہ ایک زخمی بلی کا بچہ لے آئی اور مما کو پورے ایک ہفتے کے بعد پتا چلا کہ وہ میلا کچیلا بچہ اس کے روم میں اس کے کمبل میں گھس کر سوتا ہے۔ مما کو تو پورے دو دن اس بات سے ڈیپریشن رہا اور پھر مما کی ڈیتھ کے بعد یہ اور بھی زیادہ حساس ہو گئی تھی' جس کی وجہ سے ڈیڈی نے اس پر کبھی سختی نہیں کی۔ یہ ہم چاروں بہن بھائیوں میں بہت منفرد' مختلف اور بہت نائس ہے' جن دنوں شمالی علاقہ جات میں زلزلہ آیا۔ یہ پورا ڈیڑھ ماہ اپنے گروپ کے ساتھ وہیں رہی ہے اور ہم لوگ ہنستے ہیں کہ یہ "مدر ٹریسا" ہم میں کہاں سے پیدا ہو گئی۔"

فیصل نے ہنستے ہوئے اپنی بہن کی عادت پر روشنی ڈالی' جس سے کم از کم مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور سچی بات تھی کہ مجھے یقین بھی نہیں آتا تھا' تب ہی میں نے فوراً بات پلٹ دی اور اسے پتا ہی نہیں چلا اور اگلے ہی لمحے وہ اپنے نئے پراجیکٹ کی تفصیلات سے مجھے آگاہ کر رہا تھا۔

✤ ✤ ✤

گرمی کی رت اختتام پذیر تھی اور ماحول میں شدید قسم کی آندھیوں کے بعد یکا یک موسم نے پلٹا کھایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے آسمان برس اٹھتا اور ہر طرف جل تھل ہو جاتی' اچانک ہی اس شام تمام دن کی شدید گرمی اور حبس کے بعد موسم بدلا اور دیکھتے ہی دیکھتے سرمئی بادلوں نے آسمان کو لپیٹ میں لے لیا اور ساری فضائیں اجلی ہو کر نکھر گئیں۔

وہ تبھی ایک سہانی اور دلربا سی شام تھی‘ جب انکل حیدر کے ہاں ہونے والے بزنس ڈنر کے بعد محفل موسیقی کا بھی اہتمام تھا اور میری ساری فیملی انوائٹڈ تھی جبکہ انکل حیدر کی دونوں شادی شدہ بیٹیاں اپنی آل اولاد اور شوہروں کے ہمراہ استقبالیے کیلئے گیٹ پر موجود تھیں۔ انکل حیدر کے گھر کا وسیع وعریض خوبصورت لان رنگ برنگی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا اور دور سے دیکھنے پر ایسا لگتا جیسے ننھے ننھے کئی دیئے جلا کر منڈیروں پر رکھ دیئے گئے ہوں......

میں اس گیدرنگ میں اپنے ملنے ملانے والے لوگوں میں بزی تھا جب بلیو سلیولیس شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں خلاف توقع دوپٹہ گلے میں ڈالے کرنل تنویر کے بیٹے کیپٹن طلحہ کے ساتھ کھڑی وشمہ کو میں نے دیکھا......اور مجھے خاصی حیرت ہوئی۔

اور پورے فنکشن میں وہ مجھے الگ تھلگ اور بے زاری سی دکھائی دے رہی تھی‘ اس کی سسٹرز شانزے اور علیزہ اسے بار بار گھسیٹ کر مختلف لوگوں سے ملوا رہی تھیں اور کھانے کے دوران جب میں سفیر کے ساتھ نسبتاً ایک الگ تھلگ کونے میں کھڑا تھا‘ جب ارسل کی مسز شانزے نے اچانک وہاں چھاپہ مارا۔

”ریان! تم میری چھوٹی بہن وشمہ سے ملے ہو؟“ وہ بڑی دلچسپی سے مجھ سے پوچھ رہی تھی جبکہ وہ بے زاری سے سامنے لگی مہندی کی باڑھ پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

”جی بھابی! ایک دو دفعہ ملاقات ہوئی ہے۔“ میں نے ارسل کے حوالے سے انہیں بھابی کہہ کر زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا‘ کیونکہ ارسل کی وجہ سے ان سے کافی ملنا جلنا رہتا تھا۔

”یہ بہت زبردست مصورہ ہے اور اس حوالے سے اس کا کام خاصا منفرد ہے اور تھیٹر کے حوالے سے بھی اس نے کچھ بہت اچھوتے آئیڈیاز سٹیج پر پیش کیے ہیں۔“

وہ بڑے جوش وخروش سے بتا رہی تھیں اور میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ ان سارے بہن بھائیوں کو ان محترمہ کو سر پر چڑھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں۔

”رہنے دیں شانزے! انہیں اس ٹاپک سے کوئی دلچسپی نہیں‘ یہ ان سب چیزوں کو خرافات گردانتے ہیں۔“

اس نے بھرپور طنز کیا جبکہ شانزے کی سخت حیران نظروں سے گھبرا کر میں کھسیا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس موقع پر سفیر نے دوستی کا حق ادا کیا۔

”ارے نہیں نہیں وشمہ! ایسی تو کوئی بات نہیں۔ ریان اچھا خاصا ذوق رکھنے والا بندہ ہے‘ ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی بمبئی میں ہم نے آپ کا ایک پلے دیکھا تھا‘ ہے نا ریان؟“ سفیر نے تائیدی نظروں سے میری طرف دیکھا اور میں نے فوراً گھبرا کر وضاحت کی۔

”جی ہاں اور پورا دیکھ کر ہی اٹھے تھے۔“ میرے طنزیہ لہجے پر سفیر نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا‘ کیونکہ اسے یاد آ گیا تھا کہ اس دن ہم درمیان میں ہی اٹھ آئے تھے اور واپسی پر میں نے سفیر کو خاصا کوسا بھی تھا۔

”کیا؟ بمبئی میں؟ وہ جو نیشنل سینٹر میں ہم نے پرفارم کیا تھا؟“ اس نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا اور اس کا چہرہ چیخ چیخ کر بتا رہا تھا کہ اسے ہماری بات کا یقین نہیں آیا۔

”جی ہاں وہی جس میں آپ نے کلاسیکل رقص کا بھی مظاہرہ کیا تھا۔“ سفیر نے اسے مزید یقین دلایا اور اسے آ بھی گیا۔ تب ہی اس نے مزید اس حوالے سے سوال جواب کرنے سے پرہیز کیا۔

شانزے اسے وہاں چھوڑ کر کسی اور سائیڈ پر نکل گئی تھی جبکہ وہ بھی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

”اور کیا ہو رہا ہے آج کل؟“ سفیر نے اسے کمپنی دینے کی کوشش کی۔

”کچھ خاص نہیں‘ بس فیصل اور ارسل بھائی سے آج کل بزنس کے اسرار ورموز سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں‘ لیکن مجھے لگتا ہے کہ یہ میرے بس کا کام نہیں‘ اس لئے شاید لندن واپس چلی جاؤں۔“ وہ دھیمے لہجے میں گہرا سانس لے کر بولی تھی۔

”اور طبیعت کیسی رہتی ہے آج کل......؟“ سفیر کے سوال پر۔ میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اچھی خاصی ہٹی کٹی لگ رہی تھی‘ بس آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے محسوس ہو رہے تھے۔

”اللہ کا شکر ہے‘ وہ جس حال میں جیسا رکھے۔“ وہ زبردستی مسکرائی جبکہ اس کی اس انکساری پر مجھے خاصی ہنسی آئی‘ سفیر کی سیل فون پر کال آ گئی تھی وہ ایکسکیوز کر کے آگے بڑھ گیا‘ اور اس کو کمپنی دینے کے خیال سے مجھے کوفت ہونے لگی......

”آپ کو مجھ سے چڑ کیوں ہے؟“ اس نے اچانک ہی یہ سوال پوچھ کر مجھے ہکا بکا کر دیا۔

”کیا مطلب؟“ میں گڑبڑا گیا‘ مجھے ہرگز اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" میں نے سنبھل کر وضاحت دی۔ میں لاکھ بولڈ سہی لیکن اپنے فادر کے بیسٹ فرینڈ اور اپنے بزنس پارٹنر کی فیملی ممبر سے یہ بات ڈائریکٹ کرنے کا حوصلہ نہیں کرسکتا تھا۔

"اچھا؟" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی "آپ کو تو جھوٹ بولنا بھی نہیں آتا۔"

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" میں نے مزید جھوٹ بولا۔

"اچھا مجھے تو لگتا ہے کہ مجھے دیکھتے ہی ایک بیزاری اور کوفت کا احساس آپ کے چہرے سے ظاہر ہونے لگتا ہے اور یہ ناپسندیدگی آپ کی آنکھوں سے جھلکتی ہے اور لہجے سے ٹپکتی ہے۔" وہ خاصی منہ پھٹ تھی' اس کا اندازہ مجھے ابھی ابھی ہوا تھا۔

"میں بھلا ایسا کیوں کرنے لگا؟" میں نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی اور وہ سوئمنگ پول کی گرل سے ٹیک لگا کر آرام سے بولی۔

"شاید اس لئے کہ آپ کو جیسی لڑکیاں اچھی لگتی ہوں یا پھر آپ لڑکیوں کو جیسا دیکھنا چاہتے ہوں میں اس مروجہ خاکے پر پورا نہیں اترتی۔"

"اوہ!" میں نے گہرا سانس لیا' اس نے بلکہ ٹھیک تجزیہ کیا تھا اور میں اس کے ٹھیک ٹھاک اندازے پر دل ہی دل میں خاصا متاثر ہوا' لیکن اسے قبول کرنے میں کافی مصلحتیں درپیش تھیں' اس لئے میں نے ایک اور مصلحت کی چادر اس پر تانی اور سنجیدہ لہجے میں دریافت کیا۔

"حالانکہ اس سے مجھے کیا فرق پڑتا ہے؟" یہ سوال پوچھتے ہوئے میں نے خود کو ٹٹولا اور ایک خوفناک انکشاف میرا منتظر تھا کہ اگر وشمہ حیدر ایسی ہے تو اس سے مجھے واقعی کچھ فرق پڑتا ہے اور کیا؟ اور کیوں کے چکروں میں' میں پڑنا نہیں چاہتا تھا ابھی۔

"یہ تو مجھے پتا نہیں' لیکن آپ کے چہرے کے تاثرات جھوٹ نہیں بولتے اور کچھ لوگوں کے چہرے ان کے سارے سیکرٹ آؤٹ کردیتے ہیں' جیسے آپ کا چہرہ اور آپ تو ویسے بھی چیزوں کی ظاہری حالت سے ہی رائے قائم کرلینے کے عادی معلوم ہوتے ہیں اور آپ کے اردگرد کیا ہورہا ہے؟ اور حقیقت کیا ہے؟ آپ ان چکروں میں نہیں پڑتے اور ایسی بے خبری اچھی نہیں ہوتی' بعض دفعہ ناقابل تلافی نقصان ہوجاتے ہیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں اور سامنے کرنل تنویر کے گروپ کی جانب بڑھ گئی۔

کھانے کے بعد محفل موسیقی کا اہتمام تھا اور کھانے سے فراغت کے بعد مما اور پاپا کی تلاش میں' میں نے نظریں دوڑائیں......اور نسبتاً ایک سنسان اور اندھیرے میں ڈوبے گوشے میں کھڑے فیصل کو دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک لڑکی تھی' جس کی پشت میری جانب تھی اور پاس سے گزرتے ہوئے فیصل کی سرگوشی میرے کانوں سے ٹکرائی اور اپنا نام سن کر میں فطری طور پر وہیں کھڑا رہ گیا اور پھر کافی دیر تک وہاں سے ہل ہی نہیں سکا۔

"یار! ڈونٹ وری۔ تم کیوں ٹینشن لے رہی ہو میں ڈیڈی سے بات کرچکا ہوں اور انہوں نے کہا ہے کہ وہ انکل افتخار سے پہلی فرصت میں بات کریں گے اور جہاں تک بات ریان کی ہے تو وہ ایک سینس ایبل بندہ ہے اور جب اسے معلوم ہوگا کہ ہم دونوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں تو یقیناً اس کا ووٹ اپنے دوست سفیر کے پرپوزل کی بجائے میری جانب ہوجائے گا۔"

"لیکن فیصل! ریان بھائی کی سفیر کے ساتھ بہت گہری فرینڈشپ ہے اور ان کے پرپوزل پر رات انہوں نے پاپا کو خوب تسلی کروائی ہے اور مما بھی خاصی ایکسائیٹڈ لگ رہی تھیں۔" ماہم کے بھیگے لہجے نے میرے پاؤں جکڑ لئے تھے۔

"اوہ مائی گاڈ! اتنی بے خبری" میرا سر چکرا گیا۔

"ڈونٹ بی سلی ماہم! یہ رونا بند کرو' میں خود ریان سے بات کرلوں گا اور مجھے معلوم ہے کہ وہ بات انڈرسٹینڈ کرلے گا وہ بہت سلجھا ہوا معاملہ فہم لڑکا ہے اور تم کوئی مڈل کلاس کی روتی دھوتی لڑکی نہیں ہو' جس کی رائے معلوم کئے بغیر اس کی زندگی کا فیصلہ کردیا جائے گا اور پھر مجھ میں کیا کمی ہے؟" وہ خاصا جذباتی ہورہا تھا۔

"اچھا خاصا ایجوکیٹڈ اور ڈیڈی کی جائیداد کا اکلوتا وارث ہوں اور جہاں تک میرا خیال ہے انکل افتخار اور ریان بھی میرے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں۔" میں وہاں کھڑا سوچ رہا تھا کہ اس کا اندازہ بالکل درست تھا۔

اور پھر میں وہاں رکا نہیں اور اس وقت میں مما کے پاس کھڑا تھا' جب بلیک سوٹ میں افسردہ سی سرخ آنکھوں کے ساتھ ماہم وہیں چلی آئی اور مما کی نظر فوراً اس کی آنکھوں پر پڑی تھی اور اس سے پہلے اس نے دانستہ لاپروا لہجے میں وضاحت دی۔

"مما! مجھے لگتا ہے یہ لینسز مجھے خاصا اری ٹیٹ (تنگ) کررہے ہیں؟"

"ہاں تو بیٹا اتار دو نا' یہ بے ہودہ فیشن نے تم لڑکیوں کی مت مار دی ہے اچھی خاصی آنکھوں کا ستیاناس مار دیا ہے۔" مما کے فکر مند لہجے پر میں کہتے کہتے رک گیا۔

کہ آج ماہم نے تو لینز لگائے ہی نہیں' وہ کبھی کبھار شوقیہ بلیو لینز استعمال کرتی تھی۔ مما' کو اچانک مسز فرخ نظر آ گئی تھیں وہ فوراً ان کی طرف بڑھ گئیں اور میں نے بہت غور سے سامنے کھڑی اپنے سے پانچ سال چھوٹی بہن کو دیکھا۔ جس کو آج تک میں بچوں کی طرح ہی ٹریٹ کرتا آیا تھا۔

"ماہم! ادھر دیکھو میری طرف۔" میرے گہرے لہجے پر وہ گڑبڑا گئی۔

میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑا...... جو خاصا ٹھنڈا ہو رہا تھا وہ بری طرح پزل تھی اور مجھے اس کی گھبراہٹ پر پیار آ رہا تھا۔

"کیا ہوا بھائی؟" اس نے گڑبڑا کر پوچھا۔

"کچھ نہیں اور تسلی رکھو تمہاری پسند اور رائے کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے حوصلہ دیا۔

"جی! سخت حیرت سے اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"سفیر میرا بیسٹ فرینڈ سہی' لیکن مجھے اپنی اکلوتی اور معصوم سی بہن سے زیادہ عزیز نہیں۔" میرے دوٹوک انداز پر بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی اور اس کے چہرے پر پھیلنے والی خوشی اور حیرت کے رنگوں نے اسے خاصا دلکش بنا دیا تھا۔ کچھ فاصلے پر کھڑا فیصل لپک کر ہماری طرف آیا تھا۔

"بھئی یہ بہن' بھائی میں کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں؟" اس کے تجسس بھرے انداز پر میں نے ہنستے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا۔

"تم' ہم بہن بھائی پر نظر رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے کیا؟"

"کیا مطلب؟" وہ بوکھلا گیا' میں نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا جبکہ ماہم اب ریلیکس تھی اور بڑی خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ ہم دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"مطلب وطلب کا مجھے نہیں پتا' جو کام کرنے ہیں انسانوں کی طرح ڈائریکٹ اور اسٹریٹ فارورڈ ہو کر کرو ورنہ میں اس بات کا لحاظ زیادہ دیر تک نہیں کروں گا کہ تم میرے کچھ پراجیکٹس میں بزنس پارٹنر بھی ہو اور تمہارے بارے میں ہم جیسی رائے رکھتے ہیں اس سے تم

بخوبی آگاہ ہو۔ اس لیے اب کھل کر میدان میں اتر آؤ۔" میرے دوٹوک انداز پر فیصل پہلے تو کچھ گڑبڑایا اور پھر سنبھل کر بولا۔

"یار! تم ایسے کہہ رہے ہو جیسے کوئی میدان جنگ ہو۔"

میں نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ذومعنی لہجے میں کہا۔ "محبت کا میدان بھی کسی میدان جنگ سے کم نہیں ہوتا۔"

"اوہ!" اسے ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی۔ تب ہی بڑے گہرے لہجے میں بولا۔

"اس میدان میں تمہاری ہمدردیاں کس پارٹی کی طرف ہوں گی' دونوں طرف ہی ہجوم دوستاں ہے؟" فیصل نے بھی اب کھل کر بات کرنے کی ٹھان لی تھی اور اس کے اس انداز پر میرے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ایسے موقع پر میں دوستوں سے زیادہ اپنے بلڈ ریلیشن کو اہمیت دوں گا۔" میں نے ماہم کی طرف دیکھ کر صاف بات کی اور ان دونوں کے چہرے میری اس بات پر کھل اٹھے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم میرا ساتھ دو گے۔" فیصل کا لہجہ خود بخود پر اعتماد ہو گیا۔ "کسی خوش فہمی میں مت رہنا' اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔" میں نے اسے چھیڑا تو وہ دل سے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ میں سٹیج کی طرف آ گیا' جہاں نامور گلوکاروں کے درمیان وشمہ نے مائیک پکڑ لیا تھا اور باوجود اس سے چڑنے کے میں دل ہی دل میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا کہ اسے سر اور لے پر خاصا عبور تھا۔

پروگرام کے دوران ہی فیصل اور ارسل کو پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر تیزی سے بھاگتے دیکھ کر میں نے حیرانی سے سوچا "انہیں کیا ہوا؟"

"یار! انکل حیدر کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

سفیر جو اندر سے آیا تھا اس نے اطلاع دی' حیرت ہے ابھی دو گھنٹے پہلے تو پاپا کے ساتھ خوب قہقہے لگا رہے تھے۔" مجھے یقین نہیں آیا۔

"بس یار! وہ وشمہ کی بہت ٹینشن لیتے ہیں' اب بھی وہ انشاء جی کی غزل انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو گا رہی تھی۔ انکل تو دل پکڑ کر بیٹھ گئے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے ناقابل فہم انداز سے اسے دیکھا۔

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ سخت حیران ہوا۔

"کیا؟" میرا دل انہونی کے خیال سے دھڑکا۔

"یہی کہ وشمہ کو بلڈ کینسر ہے۔" سفیر نے حیرت سے میری طرف دیکھا' مجھے تو ایک دم شاک لگا اور دل تو گویا کچھ لمحوں کیلئے دھڑکنا بھول گیا' میں نے سٹیج پر زندگی کی تلاش میں ہم' موت کے کتنے پاس آ گئے۔

گاتی وشمہ حیدر کو دیکھا...... میرے دل کو حقیقتاً دھچکا لگا۔

"اوہ مائی گاڈ' واقعی مجھے نہیں پتا تھا۔"

"اوہ!" سفیر نے تاسف بھرے انداز سے مجھے دیکھا۔

"وہ تو گزشتہ کئی سالوں سے اس مرض میں مبتلا ہے۔ اسی وجہ سے تو روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اس کا سارا بلڈ چینج ہوتا ہے اور یہ نہ صرف مہنگا بلکہ خاصا اذیت ناک مرحلہ ہوتا ہے' لیکن وہ خاصی بہادر اور ہمت والی لڑکی ہے اور اسی بیماری کی وجہ سے سارے بہن بھائیوں کی لاڈلی اور خصوصاً انکل حیدر کی تو اس میں جان ہے۔" سفیر تو آج صحیح معنوں میں مجھے حیران کرنے پر تلا ہوا تھا' وہ مزید گویا ہوا۔

"اور تمہیں پتا ہے کہ وشمہ کی مدر کی بھی اسی بیماری میں ڈیتھ ہوئی تھی۔"

"کیا؟" مجھے دوبارہ دھچکا لگا۔

"ہاں حیدر انکل انہیں لے کر ساری دنیا میں گھومے' لیکن موت سے پیچھا نہیں چھڑا سکے' آنٹی بہت زندہ دل اور بہت خوبصورت خاتون تھیں۔"

"تمہیں ان سب باتوں کا کیسے پتا چلا' حالانکہ تم بھی میرے ساتھ ہی گزشتہ کئی سالوں سے باہر ہو۔" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"بس یار! ہم اپنے اردگرد کی خبر رکھتے ہیں' تمہاری طرح صرف اپنے ہی دائرے میں نہیں گھومتے۔" سفیر نے مزاحیہ انداز میں کہا۔

"اوہ مائی گاڈ! میرے لئے یہ سب کچھ بہت حیران کن ہے۔" میں نے گہری سانس بھر کے سٹیج پر موجود وشمہ کو غور سے دیکھا اور مجھے اتنے فاصلے پر بھی اس کے چہرے پر پھیلی زردی پہلی دفعہ دکھائی دی تھی اور اس کیلئے میرے دلی جذبات نے اپنا رنگ بدل دیا تھا۔

❖ ❖ ❖

ماہم اور فیصل کی شادی آناً فاناً طے ہو گئی تھی اور اس سلسلے میں میرا کئی دفعہ انکل حیدر کے گھر جانا ہوا' لیکن وہ مجھے کہیں بھی نظر نہیں آئی' حالانکہ میں دانستہ طور پر اس کی تلاش میں تھا لیکن وہ منظر عام سے بالکل ہی غائب ہو گئی تھی' حالانکہ جس دن دونوں کی ڈیٹ فائنل کرنا تھی اس فنکشن میں بھی اس کی عدم شرکت سب کیلئے حیران کن تھی اور پھر مجھے ماہم نے بتایا کہ اس کی طبیعت کچھ بہتر نہیں۔ پتا نہیں کیوں اب میرا دل کرتا تھا کہ میں اس سے ملوں اور اس سے اپنے سابقہ رویے کی معذرت کروں......

اس دن میں' یونہی فیصل کے آفس میں چلا آیا۔ وہ کچھ الجھا الجھا سا تھا' اس کا چہرہ ستا ہوا اور بے زار بے زار سا تھا' حالانکہ وہ خاصا زندہ دل بندہ تھا۔

"خیریت یار؟" میں نے مختصراً پوچھا۔

"بس یار!" وہ زبردستی مسکرایا اور اسی وقت ارسل اندر داخل ہوا جب میں فیصل سے پوچھ رہا تھا۔

"کوئی پرابلم ہے تو تم مجھ سے شیئر کر سکتے ہو۔" میرا لہجہ بدستور نرم مگر اصرار آمیز تھا۔

"چھوڑو یار! پرابلم تو زندگی کا حصہ ہیں' تم ارسل کے ساتھ بیٹھو مجھے وشمہ کو ہسپتال چیک اپ کیلئے لے کر جانا ہے۔" اور وہ جاتے جاتے پلٹا۔ "ارسل! تم ریان کو اچھی سی چائے پلاؤ اور کمپنی دو' میں بس گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک آتا ہوں۔"

اس کے آفس سے نکلتے ہی میں نے دانستہ خوشگوار لہجے میں ارسل کو مخاطب کیا۔

"یہ تمہارے سالے کو کیا ہوا؟"

"کیا؟ فیصل کو؟" وہ چونکا تو میں نے شرارت سے کہا۔

"کیا فیصل کے علاوہ بھی تمہارا کوئی اور سالا ہے؟"

"نہیں یار!" وہ بے اختیار جھینپ گیا۔ "بس وشمہ کی وجہ سے گھر میں ٹینشن پھیلی ہوئی ہے' جس کی وجہ سے وہ اپ سیٹ ہے۔ دوسرے وشمہ کی پچھلے پندرہ دن سے انکل حیدر سے بات چیت بند ہے اور وہ ناراض ہو کر اسلام آباد چلی گئی تھی' کل ہی فیصل اسے منا کر لایا ہے کہ شادی کا موقع ہے اور ہر بندہ اس کا پوچھے گا۔"

"کیا مطلب؟ وہ انکل سے کیوں خفا ہے؟" مجھے سخت حیرت ہوئی۔

ارسل کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں' وہ قدرے خشک مگر بے زار لہجے میں گویا ہوا۔ "ان

باپ بیٹی کے مزاجوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ انکل خالصتاً بزنس مائنڈڈ اور سیاسی ہتھکنڈوں سے صرف اپنے فائدے کیلئے سوچنے والے بندے اور وہ محترمہ انسانیت کی علمبردار' جس کی وجہ سے ان دونوں کا نظریاتی اختلاف اکثر ہی رہتا ہے' پہلے تو آنٹی مفاہمت کروا دیتی تھیں' اب بے چارے فیصل اور شانزے' علیزے کی جان عذاب میں آئی رہتی ہے۔ لیکن وشمہ تو اپنے پوائنٹ آف ویو سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹتی اور اس کی بیماری کی وجہ سے انکل کو ہی کمپرومائز کرنا پڑتا ہے اور کبھی کبھی تو وہ بھی اڑ جاتے ہیں' جیسے کہ آج کل اڑے ہوئے ہیں۔"

میں نے سوالیہ نظروں سے سخت بے زار ارسل کو دیکھا۔

"اصل میں یار! انکل کی شہر سے کچھ فاصلے پر کروڑوں کی زمین ہے اور آبادی بڑھنے کی وجہ سے وہ زمین بھی شہر کا حصہ بن گئی ہے اور اس ویران زمین پر خانہ بدوشوں نے اپنی جھونپڑیاں بنا رکھی تھیں۔ اب جبکہ انکل نے اس زمین پر ایک ہاؤسنگ سکیم شروع کروانے کے ارادے سے ان خانہ بدوشوں کو زمین خالی کرنے کا آرڈر دیا تو وہ لوگ اکٹھے ہو کر انکل حیدر کے گھر آ گئے۔ جہاں خوش قسمتی سے ان کی ملاقات وشمہ سے ہو گئی اور انکل کی یہ بدقسمتی کہ اب وشمہ کا یہ اصرار ہے کہ اس زمین کی ملکیت کے حقوق ان غریبوں کو دے دیے جائیں۔ لیکن انکل انسانیت اور ثواب کے چکروں میں اپنی کروڑوں کی مالیت کی زمین ہرگز گنوانے پر راضی نہیں۔ اس مسئلے کی وجہ سے باپ' بیٹی میں اکثر بحث رہتی تھی' جس کا انجام وشمہ کی ناراضی اور گھر سے واک آؤٹ پر ہوا۔" ارسل نہ جانے آج کس موڈ میں تھا جو انتہائی گھریلو مسئلہ مجھ سے شیئر کر گیا۔

"یہ سب کچھ ٹھیک سہی' لیکن میں انکل کے مؤقف کے ساتھ ہوں' اس قدر قیمتی جگہ مفت میں دینا ہرگز دانش مندی نہیں۔" میں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اوہ میرے یار! ہم سب ہی اس مدر ٹریسا کو یہی سمجھا رہے ہیں لیکن اس کے دماغ کے خانے میں یہ بات نہیں آ رہی۔ رات شانزے کی بھی اس کے ساتھ جھڑپ ہوئی ہے اور میں نے تو صاف صاف کہہ دیا کہ معاذ سے شادی نہ ہونے کی وجہ سے وہ سارے گھر والوں کو بہانے بہانے سے ٹارچر کرتی ہے اور کوئی بات نہیں۔"

"معاذ؟" مجھے ایک اور دھچکا لگا۔ "یہ کون محترم ہیں؟" مجھے وہ لڑکی ہر لمحہ حیران کر رہی

تھی۔

"اوہ تمہیں نہیں معلوم؟" ارسل چونکا تو میں نے نفی میں سر ہلا دیا' وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔

"ڈونٹ وری یار! میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔" میرے تسلی دینے پر اس کے چہرے پر کچھ پرسکون تاثرات نمودار ہوئے۔

"اصل میں یار! اب تمہاری بھی وشمہ کی فیملی کے ساتھ رشتے داری بن رہی ہے فیصل کے حوالے سے" وہ جھجک کر رکا۔

"یار! میں نے کہا نا کہ میں بچہ تھوڑی ہوں جو کوئی احمقانہ حرکت کروں۔" میں نے اسے مزید دلاسا دیا تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔

"بس کوئی ایسی خاص بات تو نہیں ہے۔ وشمہ اپنے کلاس فیلو معاذ میں انٹرسٹڈ تھی اور اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی تھی اور معاذ ان کی فیکٹری میں کام کرنے والے معمولی سے ملازم کا بہت خوددار قسم کا بیٹا تھا اور انکل حیدر مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگانے کے سخت خلاف تھے۔ نتیجتاً ایک زبردست محاذ کے بعد وشمہ کو ملک سے باہر بھجوا دیا گیا۔ وہ کافی عرصہ ناراض رہی اور احتجاجاً اس نے ہمیشہ وہی کام کیا جو انکل کو سخت ناپسند تھا اور پھر آنٹی کی ڈیتھ کے بعد ہی وہ پہلی دفعہ پاکستان آئی...... اب اس میں میچورٹی تو آ گئی ہے لیکن انکل کے ساتھ اس کے نظریاتی اختلافات جوں کے توں باقی رہے' باوجود اس کے کہ وہ ان کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی ہے۔"

"اوہ!" مجھے ساری بات سمجھ میں آ گئی تھی' وشمہ واقعی ایک حیران کن کردار تھی۔

❖❖❖

فیصل اور ماہم کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے اور تب ہی مجھے پتا چلا کہ انکل نے وشمہ کی بات مان کر ان خانہ بدوشوں کو ایک متبادل جگہ دے دی ہے جس کی وجہ سے اس کے اپنے باپ کے ساتھ تعلقات خاصے بہتر ہو گئے تھے' اس دن ماہم اور فیصل کے مایوں کا فنکشن مشترکہ طور پر ہمارے لان میں ارینج تھا' جب زرد کلر کے شلوار سوٹ میں لائٹ سا میک اپ کئے وہ خاصی تھکی تھکی گھر میں لگے فوارے کی سیڑھیوں پر بیٹھی سٹیج پر ہونے والے ہنگامے کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی اور میں خاموشی سے دبے پاؤں اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے چونک کر بہت حیرانی سے میری طرف دیکھا۔

''کیسی ہو؟'' میں نے بڑے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

وہ مسکرائی......اور تھوڑا ٹھہر کر بولی۔

''اس نے پوچھا کہ کیسے ہو
اس خوشی کا حساب کیسے ہو''

میں نے اس کی آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں سے بمشکل نظر چرائی۔ ''خیریت ہے آج بہت خوش دکھائی دے رہی ہو؟''

''ظاہر ہے کہ بڑے بڑے لوگ ہمارا حال احوال پوچھ رہے ہیں' خوشی سے مرجانے کو دل کر رہا ہے۔'' اس کے لہجے میں شرارت کے رنگ نمایاں تھے۔ میں آرام سے اس کے پاس سیڑھیوں پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس نے بہت حیرت سے میری اس حرکت کو دیکھا لیکن خاموش رہی۔

''اور طبیعت کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں' مجھے کیا ہونا ہے؟'' اس نے فوراً نظریں چرائیں اور پھر چونکی

اور بڑی گہری نظروں سے میری طرف دیکھا اور اگلے ہی لمحے اس کی بات نے مجھے ہکا بکا کر دیا۔

''کیا ہوا؟ کسی نے آپ کو میری بیماری کے بارے میں بتا دیا ہے جو اتنا میری ہمدردی کا بخار چڑھا ہوا ہے' ورنہ میں تو وہی وشمہ ہوں جس کو دیکھتے ہی آپ کے ماتھے پر بل پڑ جاتے تھے۔''

''کون سی بیماری؟'' میں نے فوراً سنبھل کر دانستہ لاپروا لہجے میں پوچھا اور اس کے حلق سے نکلے قہقہے نے مجھے اچھی خاصی خفت میں مبتلا کر دیا۔

''مسٹر ریان علی! میں پہلے ہی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ جھوٹ آپ پر سوٹ نہیں کرتا۔''

''اور جو حرکتیں آپ کرتی ہیں' وہ بھی آپ پر سوٹ نہیں کرتیں۔'' میں نے گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ بے ساختہ ہنس پڑی اور بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

''مثلاً کون سی حرکتیں؟''

''یہی لندن کی سڑکوں پر مار کٹائی' سٹیڈیم میں خوامخواہ اودھم مچانا اور فضول قسم کے تھیٹر میں ڈرامے کرنا وغیرہ وغیرہ۔'' میں نے سنجیدگی سے اس کے کارناموں پر روشنی ڈالی' وہ بری طرح چونکی اور کچھ لمحوں تک ہکا بکا کیفیت میں مجھے دیکھتی رہی اور پھر قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔

''تم نے مجھے کہاں لندن کی سڑکوں پر مار کٹائی کرتے دیکھ لیا؟''

''بہت اچھی طرح دیکھا تھا جن کی ایسی کی تیسی پھیر کر تم نے پنجابی میں سرعام انہیں گالیاں بھی دی تھیں۔''

میں نے خود پر قابو پا کر ہلکی مسکراہٹ سے اسے دیکھا جو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھ رہی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ! تم وہاں کہاں تھے؟'' اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔

''تم سے کچھ فاصلے پر براہ راست میں نے یہ شو دیکھا تھا۔'' میرے لہجے میں طنز تھا۔

''پھر تم میری مدد کیلئے کیوں نہیں آئے؟'' اس کی بات پر میں نے بمشکل اپنا غصہ ضبط کیا۔

''مجھے اپنی ٹانگیں تڑوانے کا کوئی شوق نہیں تھا' تمہارا کیا بھروسہ ان کا ساتھی سمجھ کر

میرے بھی ہاتھ پیر توڑ دیتیں۔"

اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "ایسا پاگل سمجھ رکھا ہے مجھے؟ اور ویسے جن کا ذکر تم کر رہے ہو وہ مجھے کافی دنوں سے ڈسٹرب کر رہے تھے اور اس دن ان کو دیکھ کر میرے ہاتھ پیروں میں کھجلی شروع ہوگئی اور اس پھینٹی کے بعد دوبارہ انہوں نے میرے پیچھے آنے کی جرأت نہیں کی۔" اس نے بڑے خوشگوار لہجے میں وضاحت دی۔

"اور وہ جو انگلینڈ کے ٹیسٹ میچ میں تم خوامخواہ ہر فضول شاٹ پر شور مچا مچا کر داد دے رہی تھیں' اس وقت دنیا کی احمق ترین خاتون لگ رہی تھیں۔" میں نے مزید دل کی بھڑاس نکالی۔

وہ ایک دفعہ پھر کھلکھلا کر ہنسی۔ "توبہ ہے تم کہاں کہاں میری جاسوسی کرتے رہے ہو بھئی اس دن وہاں ٹیم کا ہر بندہ تھکا تھکا سا لگ رہا تھا' اگر میں نے ان کی حوصلہ افزائی کر دی تو میرا کیا گیا' ان لوگوں کو مزید کھیلنے کیلئے توانائی مل گئی۔"

"اچھا؟" میں نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا اور بھنا کر کہا۔ "اور وہ جو ٹیکسلا میں کسی اسپینش کے گلے کا ہار بن کر تم ایک ایک چیز کی باریکیاں اور معلومات اس منحوس کو دے رہی تھیں؟"

وہ اس دفعہ بالکل نہیں چونکی اور دانت نکالتے ہوئے بولی۔ "وہ تو میرا بہت اچھا دوست میکائل تھا اور اس کے ساتھ اس کی فرینڈ ڈی سوزا بھی ان دنوں پاکستان آئی ہوئی تھی اور اس دن ڈی سوزا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے میں اور میکائل اکیلے ہی چلے آئے' اب تو ان دونوں کی شادی ہوگئی اور آج کل وہ دونوں سپین چھوڑ کر انگلینڈ ہی شفٹ ہوگئے ہیں۔"

وہ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔ "اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے کافی عرصے سے جانتے ہو؟"

"ہاں اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی وجہ سے تم میرے ذہن میں رہ گئیں' لیکن تب مجھے ذرہ برابر بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم انکل حیدر کی بیٹی ہو۔"

میں نے صاف گوئی سے جواب دیا تو وہ ایک دفعہ پھر ہنس پڑی۔

"اب تمہاری میرے بارے میں کیا رائے ہے؟"

میرے چہرے پر اس کے سوال سے مسکراہٹ دوڑ گئی اور میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"تمہاری حرکتیں بظاہر فضول اور احمقانہ لگتی ہیں' لیکن ہوتی نہیں ہیں' بنیادی طور پر تم ایک بہت اچھی لیکن حساس لڑکی ہو۔"

"شیور؟" اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

"وائے ناٹ!" میں نے پراعتماد انداز سے جواب دیا تو اس کے چہرے پر بڑے دلکش رنگ پھیل گئے' وہ بہت کھل کے مسکرائی۔

"لیکن تم ڈریسنگ بہت فضول کرتی ہو۔" مجھے اچانک یاد آیا۔

"ہاں میں اس کے معاملے میں بہت لاپروا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔

"حالانکہ لڑکیوں کو اس معاملے میں بہت کونشس ہونا چاہئے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس کے فوراً اتفاق کرنے پر مجھے سخت حیرت ہوئی۔

❖ ❖ ❖

مہندی والے دن رسٹ اورنج کلر میں اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی' وہ آج خوب دل لگا کر تیار ہوئی تھی اور بہت عرصے بعد میں نے اسے ایک معقول حلیے میں دیکھا تھا' دونوں بازوؤں میں سوٹ کے ہم رنگ بھر بھر کے چوڑیاں پہنے' بہت نازک جیولری کے سیٹ میں خوبصورت سی بندیا لگائے' وہ ایک نظر دیکھنے میں ہی بہت دلکش لگ رہی تھی اور آج تو مما اور ماہم نے بھی خصوصاً اس کی تعریف کی تھی۔

اور پھر ڈھولک بجاتے' گانے گاتی اور لڈی ڈالتے ہوئے وہ میری نگاہوں کا مرکز بنی رہی۔ رات گئے جب کھانا سٹارٹ ہوا تو وہ نہ جانے کب میرے ساتھ والی خالی چیئر پر آ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے کیا آج مجھے گھور گھور کر دیکھنے کا ٹھیکہ لیا ہوا تھا؟" میرے لئے پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے اس کے شکوے پر مجھے ہنسی آگئی۔

"تمہیں کوئی اعتراض ہے تو بتاؤ؟" میں نے پلیٹ پکڑتے ہوئے گہرے لہجے میں کہا۔

"بھئی آپ کے گھر میں آئے ہوئے ہیں' کیا کہہ سکتے ہیں۔" اس نے انکساری دکھائی۔

"اگر آپ کو برا لگ رہا ہے تو بتا دیں۔ ہم کسی اور کو دیکھ لیتے ہیں۔" میرے شرارتی لہجے پر وہ مسکرائی اور بڑے شاہانہ لہجے میں کہا۔

"ہم سا ہو تو سامنے آئے۔"

"یہ تو آج آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" میں نے توصیفی لہجے میں تائید کی۔

"وشمہ! اب زندگی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"میرا مطلب ہے کہ نیکسٹ پلاننگ کیا ہے فیوچر کے بارے میں؟"

اس کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ دوڑ گیا۔ "ارے ہمیں تو پل کی خبر نہیں' کب عمر کے خیمے اکھڑ جائیں' آپ کون سے فیوچر کی بات کر رہے ہیں؟"

اس کی بات پر ایک لمحے کو تو میں خود بھی لاجواب ہو گیا' لیکن پھر خود کو سنبھالا۔

"بھئی کوئی اپنی عمر لکھوا کر تھوڑی آتا ہے' کسی کو بھی اپنے اگلے پل کی خبر نہیں' لیکن انسان کچھ نہ کچھ تو اپنے بارے میں سوچتا ہے نا۔" میں نے اسے اکسایا۔

"میں نے تو بہت عرصہ ہوا اپنے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا' یوں لگتا ہے کہ خواہشوں کے سارے پرندے اڑ چکے ہیں بس اب ہر طرف اداسی' تنہائی اور ویرانی ہے۔ اب تو ویسے ہی عمر کے نقشے میں رنگ بھرنا ہے۔" وہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

"یہ زندگی گزارنے کیلئے مثبت طرزِ عمل تو نہیں۔" میں نے اسے سمجھانے کیلئے کہا۔

"زندگی صرف سانسوں کے تسلسل کے ساتھ چلنے کا نام نہیں' بعض اوقات ہم بہت خوش باش ظاہر زندگی بسر کر رہے ہوتے ہیں لیکن ہمارا دل مر چکا ہوتا ہے اور پھر کوئی واقعہ کوئی چیز ہمیں وقتی طور پر چونکاتی ضرور ہے لیکن زیادہ اثر انداز نہیں ہوتی اور بس ایسے ہی زندگی گزرتی جاتی ہے۔"

"ایک بات پوچھوں وشمہ! اگر آپ مائنڈ نہ کریں۔"

میں تھوڑا سا جھجکا۔

"ہاں' ہاں کیوں نہیں۔"

"کیا زندگی میں کبھی آپ کو کوئی اچھا نہیں لگا؟ آئی مین لائف پارٹنر کے حوالے سے؟"

وہ جیسے زبردستی مسکرائی اور گہرا سانس بھر کر بولی۔ "لگا تھا معاذ نام تھا اس کا۔" دل کی بات وہ اتنی آسانی سے بتا دے گی مجھے گمان تک نہیں تھا۔

"پھر......؟" میں سنبھل کر گویا ہوا۔

"پھر وہی ہوا جو بے پناہ طبقاتی تضاد رکھنے والے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے۔" اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ وہ انکشاف کیا جو میں پہلے ہی سے جانتا تھا۔

وہ بڑے پراسرار انداز میں مسکرا کر بولی۔ "پتا ہے ریان تمہارا سٹار' ڈیٹ آف برتھ' عادات' زندگی کو گزارنے کے سارے انداز اس سے بہت ملتے جلتے ہیں' جب میں نے پہلی دفعہ تمہیں' تمہارے گھر میں غور سے دیکھا تو میرے دل کی ایک بیٹ مس ہوئی تھی۔"

اب کے چونکنے کی باری میری تھی۔

"اور میرے لئے ہر چیز بہت شاکنگ اور حیران کن تھی' تمہاری اور معاذ کے درمیان اتنی زیادہ مماثلت میرے لئے بہت زیادہ حیرانی کا باعث ہے۔ حتیٰ کہ تم دونوں کی ڈیٹ آف برتھ بھی ایک ہی ہے' اس کی تھوڑی پر بھی تل تھا' وہ بھی بہت سنجیدہ مزاج اور لڑکیوں سے الرجک تھا' لیکن جب میں اس کی لائف میں آئی تو میرے لئے تو یہی بات قابلِ فخر تھی کہ میں اس کی زندگی میں آنے والی پہلی لڑکی ہوں' وہ بہت ذہین' محنتی اور خوددار لڑکا تھا۔ زندگی کے بارے میں اس کے نظریات بہت پختہ تھے۔ وہ بہت زبردست ڈیبیٹر تھا اور ہمیشہ ٹاپ کرتا تھا۔"

"پھر انکل کیوں نہیں مانے؟"

"کمال کرتے ہیں ریان آپ۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "ہماری کلاس میں ایسا کہاں ہوتا ہے' ہم لوگ کسی بھی شخص سے ملنے سے پہلے اس کا بینک بیلنس اور اس کا اسٹیٹس دیکھتے ہیں۔ ہماری کلاس کے اکثر لوگوں کو انسانیت کے معنی تک معلوم نہیں۔ آپ خود سوچیں' اگر ماہم کی پسند فیصل کے بجائے کوئی لوئر مڈل کلاس کا لڑکا ہوتا تو کیا آپ اس کی شادی وہاں کر دیتے۔" اس نے تلخ لہجے میں مجھے آئینہ دکھا کر لاجواب کر دیا۔

میں بالکل خاموش ہو گیا۔

"پاپا نے مجھے زبردستی انگلینڈ بھجوا دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ وقتی جذباتیت ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خود ہی ختم ہو جائے گی لیکن ہر گزرتے دن نے اس جذبے کو مزید مضبوط ہی کیا ہے۔

میں آج بھی وہیں کھڑی ہوں جہاں آج سے چھ سال پہلے کھڑی تھی۔ اب مزید اذیت برداشت نہیں کر سکتی۔" وہ بے بسی سے مسکرائی۔

"تم انکل کو معاذ کیلئے کنوینس کیوں نہیں کرتیں۔" میں نے اس سے پوچھا۔

"بھئی تم ان کو سمجھاؤ کہ وہ ایک اچھا اور خوددار لڑکا ہے۔"

"لیکن اب کوئی فائدہ نہیں۔" وہ اضطرابی کیفیت میں ہونٹ چبانے لگی۔

"کیوں؟ کیا اس نے شادی کر لی ہے؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس کا لہجہ سپاٹ اور بے تاثر تھا۔

"کیا اب وہ تم سے ناراض یا خفا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا اب اس کے والدین کا ارادہ بدل گیا ہے؟" میں نے مزید کہا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"کیا اب تمہارے خیالات بدل گئے ہیں؟" مجھے غصہ آنے لگا۔

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" وشمہ کا چہرہ یکلخت دھواں دھواں ہو گیا۔

"اب تو پاپا بھی بہت پچھتاتے ہیں۔" اس نے مزید انکشاف کیا۔

"پھر آخر مسئلہ کیا ہے؟" میں نے گہری نظروں سے اس کا چہرہ ٹٹولا۔

وشمہ نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے ہوئے اس نے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ اس کا چہرہ ضبط سے سرخ پڑ گیا' کسی انہونی کے احساس نے میرے دل کا احاطہ کیا۔

"اب کچھ بھی نہیں ہو سکتا' کیونکہ آج سے چار سال پہلے معاذ کی نروس بریک ڈاؤن کے نتیجے میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔"

"کیا......!" میں ساکت رہ گیا۔

"اوہ آئی ایم سوری!" تھوڑی دیر بعد میں نے تاسف بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھا' جس کے چہرے پر بے چینی' دکھ اور شکستگی مترشح تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں اب شاید کبھی بھی اس کے سامنے نہیں بول سکوں گا۔

"انسان سوچتا کچھ ہے' چاہتا کچھ ہے' لیکن ضروری نہیں ہے کہ قدرت کا ہر کام انسانوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہی ہو۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں بولی' میں صرف سر ہلا کر رہ گیا......

❖❖❖

فیصل اور ماہم کی شادی کے فنکشن خاصے دھوم دھام سے ٹھیک ٹھاک انداز سے ہو گئے تھے اور باقی فنکشنز میں وہ مجھ سے بہت نارمل انداز میں ملی تھی' جیسے ہمارے درمیان اس ٹاپک پر کبھی کوئی بات نہ ہوئی ہو۔ لیکن میری زندگی کا ضابطہ تبدیل ہو گیا تھا' میں جب کبھی تنہا ہوتا' وہ بھیگی ہوئی آنکھیں میرے وجود کا احاطہ کر لیتیں اور ٹھیک ایک ماہ کے بعد یہ خوفناک انکشاف مجھ پر ہوا کہ وہ میری رگ رگ میں سما چکی ہے اور میں ریان علی جسے وشمہ حیدر سے نفرت اور چڑ تھی' مجھے علم ہی نہیں ہوا کہ میری بے زاری نے کب محبت کی وادی میں قدم رکھ دیا۔ میں اپنے ہی دل کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ میں ہر تیسرے دن ماہم سے ملنے اس کے گھر پہنچ جاتا' لیکن اب اس نے مجھ سے بھاگنا شروع کر دیا تھا اور ایک دن تو اس نے مجھے صاف صاف کہہ دیا تھا۔

"ایک ایسے سفر کا آغاز ہی نہ کرو تو بہتر ہے جس کے راستے کٹھن اور منزل کوئی نہ ہو۔"

"یہ انسان کے اپنے اختیار میں تھوڑی ہوتا ہے۔" میں نے بے بسی سے جواب دیا اور وہ مجھے دیکھ کر رہ گئی۔

ایک بے چینی نے میرے وجود کا احاطہ کر لیا تھا' ایک چبھن تھی جو ہر وقت میرے دل میں ہوتی رہتی' محبت نے بہت کڑا وار کیا تھا مجھ پر' اب مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ تو بہت پہلے ہی سے میرے اندر تھی' تب ہی اس کی حرکتوں پر مجھے غصہ آتا تھا' لیکن اس چیز کا ادراک مجھے بہت دیر بعد ہوا تھا۔

❖❖❖

اس دن میرے منیجر کے والد کی ڈیتھ پر مجھے اچانک جنازے میں جانا پڑا اور میت دفن کرنے کے بعد فاتحہ خوانی کر کے میں شہر خموشاں سے بوجھل دل کے ساتھ واپس آ رہا تھا جب قبرستان کی دائیں دیوار کے ساتھ پیپل کے درخت کے نیچے بنی ہوئی قبر کے پاس کھڑی لڑکی پر مجھے وشمہ کا گمان ہوا' میں اوپر سے چکر کاٹ کر سامنے سے آیا۔

بلیک کلر کے ملگجے سے سوٹ میں بلیک کلر کی شال اوڑھے' سرخ آنکھیں اور چہرے پر افسردگی کی گہری تہہ کے ساتھ وہ بلاشبہ وشمہ حیدر ہی تھی' آنسو ایک لڑی کی صورت میں اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"وشمہ!" میرے تاسف بھرے لہجے پر اس نے چونک کر بے ساختہ اپنی آنکھیں بے دردی سے صاف کی تھیں اور الجھن بھری نظروں سے مجھے دیکھا جبکہ میں قبر پر لگے کتبے کے اوپر لکھے نام معاذ ابن سلیمان کی قسمت پر رشک کر رہا تھا۔ وہ شخص جو اس قبر کے اندر اس باہر کی دنیا سے بالکل بے نیاز تھا اور اسے خبر تک نہیں تھی کہ کوئی گزشتہ کئی سالوں سے اپنے زندگی کے ہر لمحے کو اس کے نام کر چکا ہے۔

"وشمہ! چلو گھر چلیں۔" میں نے آہستگی سے اس کا بازو پکڑا اور اس نے بھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ قبرستان سے باہر اس کا ڈرائیور گاڑی میں موجود تھا' میں نے اسے گھر جانے کا کہا اور وشمہ کو اپنی گاڑی میں بٹھایا' وہ بالکل گم صم سی تھی۔

"وشمہ!" میں نے اسے پکارا۔

"سوری!" اس نے اپنی آنکھیں ٹشو سے صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اصل میں آج معاذ کی برسی تھی۔ میں صبح اس کے گھر بھی گئی تھی۔ اس کی ماں کی طبیعت خاصی خراب تھی' جس کی وجہ سے میں خود بھی اپ سیٹ ہو گئی۔"

"تمہیں پتا ہے کہ جو لوگ تمہارے اردگرد ہیں اور زندہ ہیں' ان کو تمہاری کتنی ضرورت ہے۔" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"پتا نہیں کیوں ریان! مجھے اپنے اردگرد اپنے سے وابستہ لوگوں میں کوئی دلچسپی دکھائی نہیں دیتی۔ پاپا کو دیکھتے ہی مجھے احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی مجھ سے چھینی تھی۔ میرے انگلینڈ جانے پر معاذ بہت ڈسٹرب ہوا تھا۔ وہ سمجھنے لگا تھا کہ رشتے ناطوں سے زیادہ میں دولت کو اہمیت دیتی ہوں' میں نے کئی دفعہ واپس آنے کی کوشش کی لیکن پاپا نے اس معاملے میں اپنا دل سخت کر لیا تھا اور جب اس کی ڈیتھ ہوئی تو مجھے پورے ایک ہفتے کے بعد پتا چلا اور اس کی ڈیتھ کے بعد میں نے پاپا کو خاصا ریلیکس دیکھا۔ لیکن انہیں شاید اندازہ نہیں تھا کہ انہوں نے بہت نقصان کا سودا کیا ہے...... میں ساری دنیا گھومی ہوں' یوگا' رقص' ہر چیز سیکھی کہ شاید کہیں سے مجھے سکون مل جائے' مگر بے چینی ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے۔" وشمہ نے خاصی بے بسی سے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا اور میں نے خود کو اس سے زیادہ بے بس محسوس کیا۔

"وشمہ! نماز پڑھا کرو اور ہو سکے تو عمرہ کر آؤ اور اللہ سے سکون کی دعا مانگو' یقین کرو تم

خود کو بہت ریلیکس محسوس کرو گی۔" میں نے خلوص دل سے مشورہ دیا تو وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

اس دن ماہم گھر آئی تو خاصی پریشان تھی۔ اسی سے معلوم ہوا کہ وشمہ کی طبیعت خاصی بگڑتی جا رہی ہے اور وہ اور فیصل اسے لے کر تفصیلی چیک اپ کیلئے انگلینڈ جا رہے تھے...... میں فوراً اس سے ملنے کیلئے گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ سو رہی ہے' اگلے دن گیا تو معلوم ہوا کہ وہ باہر گئی ہوئی ہے۔

دو دن کے بعد اطلاع آئی کہ وہ شانزے اور ارسل کے ساتھ عمرہ کرنے چلی گئی ہے۔ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی' لیکن میری آواز سنتے ہی وہ کال کاٹ دیتی تھی......

اور پھر آخری دفعہ اس کی مجھے مدینہ سے کال آئی۔

"میں خود کو بہت ریلیکس محسوس کر رہی ہوں' اتنا کہ مجھے اب افسوس ہونے لگا ہے کہ جتنا وقت میں نے "یوگا" سیکھنے میں لگایا' اگر میں اللہ سے رجوع کرتی تو اب تک بہت پرسکون ہو چکی ہوتی۔" اس کی آواز میں گہری طمانیت محسوس کر کے میں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

"ریان! اپنی زندگی کے بارے میں کچھ بہتر سوچو' محبت بعض لوگوں کو اذیت کے سوا کچھ نہیں دیتی' تم چاہو تو ابھی کچھ نہیں بگڑا' فوراً شادی کر لو۔" اس کے مشورے پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"تو ٹھیک ہے تم واپس آ جاؤ' ہم شادی کر لیتے ہیں۔" میں نے اسے چھیڑا تو وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔

"مجھ سے شادی تمہیں دکھ اور کسک کے سوا کچھ نہیں دے گی' کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ میں ساری زندگی تمہارے اندر کسی اور کی پرچھائیاں تلاش کرتی رہوں۔ یہ بہت بددیانتی ہو گی' جو کم از کم میں تمہارے ساتھ نہیں کر سکتی۔ یقین کرو' اس معاملے میں' میرا دل بے بس ہے۔" اس کے لہجے میں گہرے دکھ کی کاٹ تھی' جس نے میرے وجود کو چیر کر رکھ دیا تھا۔

اور پھر شانزے اور ارسل تو پاکستان آ گئے اور معلوم ہوا کہ وہ وہیں سے انگلینڈ چلی گئی ہے۔ وہ مجھ سے بھاگ رہی ہے' اس کا مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا...... اور اس دن میں نے اسے میل کی کہ "میں اگلے مہینے انگلینڈ آ رہا ہوں۔ اس لئے تم کہیں اور چلی جاؤ۔"

اور وہ اکتوبر کی ایک اداس کر دینے والی شام تھی...... فضا میں عجیب سا دکھ ہلکورے کھا رہا تھا اور بے چینی نے میرے وجود کا احاطہ کر رکھا تھا اور اسی دن فیصل کا فون آیا کہ "وشمہ چلی گئی۔"

میں ایک دم سناٹے میں آ گیا......

مجھے یوں لگا کہ جیسے میرا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔

میں اور فیصل اس کی ڈیڈ باڈی لینے گئے تو اس کا چہرہ خاصا پرسکون تھا' وہ مسکرا رہی تھی اور مجھے یوں لگا کہ جیسے مجھ سے کہہ رہی ہو۔

"دیکھا تم نے کہا تھا نا کہ میں آ رہا ہوں' اس لئے تم کہیں اور چلی جاؤ' میں نے تمہاری بات مان لی۔"

❖❖❖

آج وشمہ کی ڈیتھ کو پورے دس سال ہو چکے ہیں۔ وہ ٹھیک کہتی تھی کہ کچھ لوگوں کی قسمت میں محبت صرف اور صرف اذیت اور دکھ ہی لکھتی ہے اور وشمہ کے ساتھ ساتھ میرا شمار بھی شاید ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔

وہ بہت حساس اور بہت خاص لڑکی تھی اور "خاص" لوگوں کے ساتھ زمانہ کچھ اچھا سلوک نہیں کرتا۔ اس نے اپنے اکاؤنٹ میں موجود تمام رقم ایک مدرسے کو ڈونیٹ کر دی تھی' اس کے حصے کی پراپرٹی سے فیصل نے ایک ٹرسٹ قائم کر دیا تھا...... یہ ساری باتیں' یہ ساری چیزیں یقیناً اس کیلئے سکون کا باعث بنتی ہوں گی۔

لیکن میں دس سال گزرنے کے باوجود آج بھی وہیں ہوں۔ ماہم' امی اور پاپا سب مجھ سے اصرار کر کر کے تھک گئے ہیں کہ میں اپنی زندگی کے سفر میں کسی اور کو شامل کر لوں' لیکن اس معاملے میں' میرا دل خود میرے آگے ڈٹ جاتا ہے...... اور وہ کسی کی نہیں سنتا' جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میری محبت بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی ہے...... اور کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک محبت کے بعد ہی دوسری محبت ہو جاتی ہے اور میرا دل کرتا ہے کہ میں چیخ چیخ کر دنیا کو بتاؤں کہ ایسا نہیں ہوتا' ہم پہلے شخص کی پرچھائیاں دوسرے میں ڈھونڈتے رہتے ہیں۔

اور میں کم از کم اپنی محبت کے ساتھ یہ بددیانتی نہیں کر سکتا' تب ہی تو کبھی کبھی تنگ آ کر کہتا ہوں۔

"اے عشق ہمیں برباد نہ کر۔"

❖❖❖

بات عمر بھر کی ہے

پتا نہیں' کیوں اسے پچھلے چند روز سے یہی لگ رہا تھا کہ اس کا اماں کے ساتھ کراچی آنے کا فیصلہ غیر دانشمندانہ ہی نہیں سراسر "احمقانہ" بھی تھا۔

وہ لان چیئر پر بیٹھی افسردہ انداز میں نیم وا آنکھوں سے درختوں کی شاخوں پر بیٹھی چڑیوں کو دیکھ رہی تھی' جو گرمی سے بے نیاز ایک دوسرے سے اٹھکھیلیاں کرنے میں مگن تھیں۔

لان میں بے شمار درخت تھے' لیکن آم کے درخت پر بیٹھا ایک کوا کتر کتر کیریاں نیچے پھینک رہا تھا اور اس کے باقی ساتھی کوؤں نے بھی طوفان بدتمیزی پھیلا رکھا تھا' کنزیٰ نے ایک کترا ہوا آم اٹھا کر درخت پر بیٹھے کوے کا نشانہ لیا' جس کے نتیجے میں سارا غول وہاں سے احتجاجاً واک آؤٹ کر گیا۔ اب وہاں خاموشی کا راج تھا' درختوں کے پتوں کو چھو کر گزرتی ہوا اور دور کہیں۔ درخت پر بیٹھی کوئل کی آواز بھی اس کی سماعت کو گراں گزر گئی تھی۔

قدرے تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے کنزیٰ ٹانگیں پھیلا کر نیم دراز ہو گئی۔ بڑے رقبہ پر مشتمل اس بنگلے کے وسیع و عریض لان میں دور ایک مالی کیاری میں کام کرنے میں مگن تھا اور جس کونے میں وہ تھی وہاں درختوں کا گھنا سایہ اور سناٹا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو ہلکی ہلکی غنودگی اس پر طاری ہونے لگی۔ اچانک کسی کے قدموں کی چاپ اسے اپنے آس پاس ابھرتی محسوس ہوئی۔

"آپ ٹھیک تو ہیں؟"

ایک مردانہ آواز پر اس نے بوکھلا کر آنکھیں کھولیں اور فوراً سنبھل کے بیٹھ گئی۔

"جی......!" وہ حیران ہو کر ماموں شوکت کے پتا نہیں کون سے نمبر والے برخوردار کو دیکھنے لگی۔ ابھی تک اسے ان کی ترتیب اور نام یاد نہیں ہوئے تھے وہ شاید عمر تھے۔

"کنزیٰ! آپ پریشان ہیں؟"

ناسمجھی کے عالم میں سامنے درخت کی شاخ پر بیٹھی نیلی چڑیا کو دیکھتے ہوئے اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا اور پھر بے تاثر لہجے میں بولی۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

"پھر اتنی گرمی میں یہاں لان میں کیوں بیٹھی ہیں؟"

بے یقینی سے اسے دیکھتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا۔ اب کے کنزیٰ نے چونک کر انہیں دیکھا۔ وہ مسلسل اس کے سامنے کھڑے سوال و جواب کر رہے تھے' شاید اس کی کچی نیند سے جاگی سرخ آنکھیں انہیں پریشان کر رہی تھیں۔

"کیوں' گرمیوں میں لان میں بیٹھنا منع ہے؟" کنزیٰ نے تنک کر کہا۔ کچھ لمحے اسے غور سے دیکھنے کے بعد وہ بولے تو ان کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"آپ کو شاید میرا پوچھنا برا لگا؟"

کنزیٰ نے حیرانی سے انہیں دیکھا جو بڑی لاپروائی سے جوتے کی نوک سے لان کی گھاس سے چھیڑ چھاڑ کر رہے تھے۔

"میرا خیال ہے کہ جون کی اس تپتی دوپہر میں باہر بیٹھنا عقل مندی نہیں اور ایسی صورت میں جب لو بھی چل رہی ہو۔"

کنزیٰ نے چونک کر ایک جانچتی ہوئی نگاہ ان پر ڈالی' پھر آہستگی سے گویا ہوئی۔

"آپ تردد نہ کریں' میں آ جاتی ہوں' تھوڑی دیر میں۔"

"پرامس......" کنزیٰ کو ان کا مہربان اور وضع دار قسم کا لہجہ بہت اچھا لگا۔ نیوی بلیو پینٹ اور لائٹ بلیو شرٹ میں ملبوس پرکشش اور دلکش شخصیت سمیت ان کے لہجے میں عجیب سی اپنائیت تھی' جس کا فقدان اسے اس گھر کے باقی مکینوں میں نظر آیا تھا۔ وہ چند لمحے رکے اور پھر پروقار انداز میں سفید سنگ مرمر کی وسیع و عریض عمارت کی طرف بڑھ گئے۔

کچھ ہی دیر کے بعد وہ مرے مرے قدم اٹھاتی اپنے اور اماں کے مشترکہ کمرے میں آ گئی۔ نیم تاریک کمرے کی خاموشی میں اماں کی جھنجلائی ہوئی آواز گونجی۔

"کنزیٰ! کہاں تپتی دوپہروں میں گھومتی پھر رہی ہو؟"

وہی مخصوص دوٹوک اور غصیلا لہجہ۔ اچانک ہی بے چینی نے اس کے وجود کا حصار کر لیا

اور وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گئی۔

"اچھے خاصے محل میں آ کر بھی شکل پر بارہ بجے ہوئے ہیں۔ کبھی خواب میں بھی پہلے ایسا گھر دیکھا تھا' ہو نہ آخر نظام الدین کی بیٹی' کبھی خوش نہ ہونا۔"

وہ ایک لمحے کیلئے سن سی ہو کر رہ گئی۔ جلے کٹے لہجے میں یہ واضح بڑبڑاہٹ صرف اور صرف اس کیلئے تھی۔ اس نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک نظر انہیں دیکھا جو بڑے پرسکون انداز میں آنکھیں بند کئے لیٹی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں نمی در آئی۔

❖❖❖

ابھی پانچ روز قبل ہی وہ ایک بوسیدہ سا بیگ گھسیٹتے ہوئے اماں کے ساتھ کلفٹن کے اس شاندار بنگلے کے باہر پریشانی کے عالم میں چٹ پر لکھا ایڈریس بار بار پڑھ رہی تھی۔

"بی بی! یہی ایڈریس ہے دیکھیں باہر "رانا شوکت علی" اور بنگلے کا نمبر بھی یہی ہے' ذرا جلدی اتریں' مجھے دیر ہو رہی ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور کی جھنجلاہٹ اور کوفت سے لبریز آواز پر اس نے شرمندگی سے اپنے ہینڈ بیگ سے کرایہ نکال کر اسے فارغ کیا۔

"اماں! ماموں شوکت کا گھر یہی ہے کیا؟" اس نے پریشانی کے عالم میں اماں سے تصدیق چاہی' مگر وہ خود سفید ٹائلوں والے اس بنگلے سے مرعوب اپنے تاثرات کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"ہاں' ہاں یہی ہوگا......!" اماں کے انداز پر نہ چاہتے ہوئے بھی کنزیٰ کو ہنسی آ گئی۔

پھر چوکیدار کو مطمئن کرنے کے بعد طویل روش کو عبور کر کے بیش قیمت چیزوں سے آراستہ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے اسے یقین ہو گیا تھا کہ اماں کو یقیناً مغالطہ ہوا ہے۔ ان کے خالہ زاد بھائی شوکت کراچی کے کسی مڈل کلاس علاقے میں رہائش پذیر ہوں گے۔

لیکن بریزے کی چکن کے انگوری کلر کے سوٹ میں ملبوس خالہ صالحہ کو دیکھتے ہی اماں جس طرح بے تابی سے اٹھ کر گلے ملیں تو اس نے کچھ سکون کا سانس لیا اور انگلیاں مسلتے ہوئے متوقع بے عزتی اور شرمندگی کے ٹل جانے پر دل ہی دل میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ حالانکہ لمحے کے ہزارویں حصے میں وہ محسوس کر چکی تھی کہ خالہ صالحہ کے ملنے میں بے تابی کا عنصر خاصا کم ہے۔

"دیکھا...... میں نے کہا نہیں تھا کہ میرا بھائی خاصا امیر آدمی ہے۔" اماں نے نظروں

ہی نظروں میں اسے اشارہ کر کے گردن اکڑائی۔

"شوکت بھائی نظر نہیں آ رہے؟" اماں نے ڈرائنگ روم کا جائزہ لیتے ہوئے بے صبری سے پوچھا۔

"بھئی وہ کون سا فارغ بندے ہیں۔ ماشاء اللہ شہر میں چار چار فیکٹریاں ہیں اور ہم تو خود اس گھر میں رہتے ہوئے مہینوں ملنے کو ترس جاتے ہیں۔ رات میں بھی ان کا بزنس ڈنر ہے شیرٹن ہوٹل میں۔ تم ابھی تو آئی ہو ذرا دو چار دن آرام کرو' شوکت بھائی سے بھی ملاقات ہو ہی جائے گی۔" خالہ صالحہ کے بظاہر عام لہجے پر کنزئی نے چونک کر اماں کو دیکھا' جن کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے سلطانہ! تمہارا اپنا گھر ہے۔ میں شوکت بھائی کو فون پر تمہاری آمد کا بتا دوں گی۔" خالہ صالحہ کے لہجے میں قدرے اپنائیت کے رنگ محسوس ہوئے' تب ہی ان کے دلجوئی کے سے انداز پر اماں کھل اٹھیں' پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے تشویش زدہ لہجے میں بولیں۔

"یہ شوکت بھائی کے بچے نظر نہیں آ رہے؟"

"بس' سب اپنے اپنے کاموں میں مگن ہیں' کسی کے پاس اتنا ٹائم ہے کہ اس بنگلے میں اپنی بیوہ پھپھو کیلئے ٹائم نکالے۔" ان کے لہجے کے تاسف پر کنزئی کی آنکھوں کی حیرت بڑھ گئی۔

"صالحہ آپا! کتنے بچے ہیں شوکت بھائی کے......؟"

"پانچ بیٹے ہیں ماشاء اللہ' اور میرے ہی ہاتھوں پلے بڑھے ہیں۔ زرینہ بھابی کی وفات کے وقت سعد دو سال کا تھا اور مجھے تو وہ پھپھو امی کہتا ہے۔" صالحہ خالہ کے لہجے میں شفقت ہی شفقت پنہاں تھی۔

"سلطانہ! تم ڈھنگ سے کھاؤ' مجھے یاد ہے تمہیں پالک گوشت بہت پسند تھا اور یہاں تم لے ہی نہیں رہیں۔" کھانے کی ٹیبل پر ان کے ٹوکنے پر اماں نہال ہو گئیں۔

"صالحہ آپا! آپ کو یاد ہے؟"

انہوں نے تعجب سے اماں کو دیکھا اور ناک پر انگلی رکھ کر گویا ہوئیں۔

"کمال کرتی ہو سلطانہ! مجھے سب یاد ہے اور تمہاری اور میری اماں میں کتنی محبت اور چاہت تھی۔ ہر ہفتے تم لوگ ہمارے اور ہم تمہارے ہاں ہوتے تھے۔ ساون میں صحن میں جھولا

ڈلتا' چنریاں رنگی جاتیں اور پکوان پکتے پھر تم بیاہ کر بہاولپور اور میں کراچی' اس کے بعد آہستہ آہستہ ہمارے سارے گھر والے کراچی اور تمہارے گھر والے حیدر آباد کے ہو کر رہ گئے۔"

"ارے آپ کو تو سب یاد ہے۔" اماں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پھر کنزئی کو مسلسل گھورتے پا کے فوراً پالک گوشت کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"تمہاری بیٹی بہت پیاری ہے؟ کیا نام ہے اس کا؟" وہ پہلی دفعہ پچھلے دو گھنٹوں میں اس کی طرف متوجہ ہوئیں اور وہ جو بڑے مگن سے انداز میں چاول کھا رہی تھی کنفیوز ہو گئی۔

"کنزئی نام ہے اس کا۔" اماں خوشی خوشی بتانے لگیں۔

"یہ تمہارے پہلے شوہر نظام الدین سے ہے نا؟"

بہت ضبط کے باوجود نوالہ اسکے حلق میں پھنس گیا۔ یہ ذکر ہمیشہ اس کیلئے ناپسندیدہ رہا تھا' وہ فوراً نظریں چرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"کنزئی' تم کھا کیوں نہیں رہیں؟" صالحہ خالہ نے نرمی سے ٹوکا تو وہ ٹپٹا سی گئی۔

"میں لے رہی ہوں۔" اس نے خوامخواہ ہی پلیٹ اپنی طرف کھسکائی' حالانکہ دل ایک دم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

"اور دوسرے شوہر سے تمہارے کتنے بچے ہیں؟"

"اس کم بخت سے تو کوئی نہیں البتہ اس کی پہلی بیوی سے دو سنپولیے ہیں' وہ عورت خود تو مر گئی لیکن میرے لئے آفتیں چھوڑ گئی۔ اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کر ان کم بختوں کو کھلایا' مگر سوکن کی اولاد کہاں اپنی بنتی ہے' منحوسوں نے میری زندگی عذاب کر رکھی تھی اس لئے تو میں کنزئی کو لے کر آپ کے پاس یہاں آ گئی ہوں۔"

اماں اپنے پسندیدہ موضوع پر شروع ہو چکی تھیں اور کنزئی کو معلوم تھا کہ اس موضوع پر وہ گھنٹوں بلا تکان بول سکتی ہیں۔ تب ہی اس کے بے زاری اور اکتاہٹ سے ادھر ادھر دیکھنے پر صالحہ خالہ نے اسے ملازمہ کے ساتھ کمرے میں بھجوا دیا۔

❖ ❖ ❖

اسے ہرگز ہرگز توقع نہیں تھی کہ صبح ناشتے کی ٹیبل پر اماں' ماموں شوکت اور ان کے پانچوں بیٹوں کی موجودگی میں گلوگیر لہجے میں پورے خاندان کی تاریخ سنانا شروع کر دیں گی۔ شرمندگی اور خفت سے اس کا برا حال تھا' جب اماں ڈائننگ ہال میں موجود تمام حیران نظروں

سے بے نیاز‘ دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر جو پھوٹ پھوٹ کر روئیں تو بے چارے ماموں شوکت خود بوکھلا کر کھڑے ہوگئے......

"کیا بتاؤں شوکت بھائی! میری تو قسمت ہی خراب ہے۔ ایک تو خدا نے کوئی سگا بھائی نہ دیا‘ ورنہ اس امجد علی کا گریبان جا کے پکڑتا اور پوچھتا کہ اس معصوم اور بے زبان بچی پر تمہیں رحم نہ آیا‘ ایک پہلا شوہر تھا تو وہ سیدھا سادا اور اللہ میاں کا بیل۔ اس کی وفات پر میرا نکاح کروا دیا اس ظالم‘ بدزبان اور بے رحم امجد علی سے‘ جس کے دو سپنولیے بیٹوں نے میرا اور میری بچی کا جینا حرام کر دیا۔ تنگ آ کر بچی کی تعلیم ادھوری چھڑا کر یہاں لے آئی ہوں کہ تعلیم سے زیادہ عزت قیمتی شے ہے۔"

"ارے سلطانہ! تمہارا اپنا گھر ہے۔ کیا میں تمہارا بھائی نہیں ہوں؟" شوکت ماموں کے لہجے کی اپنائیت اور مان سے اماں کے آنسوؤں میں مزید شدت پیدا ہوگئی۔

"اتنا ظالم انسان ہے یہ بھی نہ سوچا کہ میں نے اس کی پہلی بیوی کے بیٹوں کیلئے اتنی قربانیاں دیں۔ کیا تھا جو میری سگی بیٹی کیلئے بھی سگا باپ بن کر سوچتا۔ کہنے لگا کہ میرے چھوٹے بیٹے سے نکاح کر دو۔ میں کیوں دیتی اس آوارہ اور نکمے کو اپنی بیٹی۔"

کنزیٰ کو نہ جانے کیوں محسوس ہوا کہ سب کی نظریں ناشتہ کے بجائے اس کے وجود پر جم گئی ہیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے‘ مگر اس سے پہلے ہی شوکت ماموں نے محبت سے لبریز لہجے میں اماں کو یاد دلایا۔

"ارے سلطانہ! تم کیوں فکر کرتی ہو‘ یاد نہیں ہے اماں کے انتقال پر جب میں حیدر آباد آیا تو ٹھیک دو دن بعد کنزیٰ پیدا ہوئی تھی اور میں نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا کہ اس کا نام کنزیٰ ہوگا۔ ارے یہ تو میری بیٹی ہے۔ اس کے بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

اماں آنکھیں صاف کرتے ہوئے افسردہ لہجے میں گویا ہوئیں۔

"بھائی صاحب! آپ تو اس کے بعد ایسے کراچی گئے کہ مڑ کر خبر ہی نہ لی۔ میں تو اکلوتی تھی اور آگے سے خدا نے اولاد بھی اکلوتی دے دی۔ یہ تو اتنی بدقسمت ہے کہ باپ کی گود بھی ڈھنگ سے نصیب نہ ہوئی۔ چلو نکما تھا‘ سیدھا سادا تھا لیکن تھا تو باپ‘ اپنی ورکشاپ سے آتے ہوئے ایسا اچانک ٹرالر کے نیچے آیا کہ دوسرا سانس بھی نہ لے سکا اور میری ماں نے تو مجھے بیوگی کے دن بھی نہ ڈھنگ سے کاٹنے دیئے۔ کنزیٰ صرف تین سال کی تھی جب اس

منحوس امجد علی کے پلے مجھے باندھ دیا‘ اس دن سے ایک پل بھی سکون سے نہیں کاٹا۔"

"سلطانہ! فکر مند کیوں ہوتی ہو۔ میں ہوں نا......!"

اماں کا افسانہ نہ جانے کب تک جاری رہتا‘ مگر شوکت ماموں کے ایک جملے نے بند باندھ دیا۔ تب ہی وہ ناشتے کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ ماموں شوکت کی ساتھ والی کرسی پر بیٹھے ہوئے وہ اب تک قالین کے ڈیزائن کو اچھی طرح حفظ کر چکی تھی۔ جب ماموں نے اورنج جوس کا گلاس اس کے آگے رکھا‘ اس نے چونک کر نظریں اٹھائیں اور اسی پل پانچوں سر بھی ایک دفعہ پھر اپنی پلیٹوں پہ جھک گئے۔

"آپا صالحہ نظر نہیں آ رہیں......؟" اماں کیلئے زیادہ دیر خاموش رہنا ممکن نہیں تھا‘ تب ہی تجسس سے دریافت کیا۔

"وہ ناشتہ دیر سے لیتی ہیں۔" نہ جانے کون تھا جس نے سادگی سے وضاحت کی۔

"بیٹا! تم سب سے بڑے ہو؟" اماں کے اشتیاق بھرے لہجے پر اس کے چہرے پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ دمک اٹھی۔ جبکہ کنزیٰ نے کوفت بھرے انداز میں اماں کو دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"نہیں سلطانہ! یہ علی ہے اس کا چوتھا نمبر ہے۔ سب سے بڑا ابوبکر ہے جو تمہارے سامنے بلیو شرٹ میں سنجیدگی سے ناشتہ کرنے میں مگن ہے جبکہ اداس اس لئے ہے کہ اس کی مز بیٹے کو لے کر اپنے والدین سے ملنے انگلینڈ گئی ہوئی ہے۔" ماموں شوکت کے دوستانہ لہجے پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"بابا! میری مسز اور بیٹا انشاء اللہ اگلے ماہ واپس بھی آ رہے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔

"ہاں تو سلطانہ......! ابوبکر سے چھوٹا عمر ہے۔ یہ جو میرے ساتھ بیٹھا ہے۔ ماشاء اللہ بہت ذہین ہے‘ اسٹیٹ بینک میں جاب ہے اس کی۔" شوکت ماموں کے فخریہ لہجے پر اس نے نظر اٹھا کر دیکھا‘ لیکن دو شرارتی آنکھیں اپنے پر جمی دیکھ کر فوراً چائے کا کپ لبوں سے لگا لیا۔

"اس سے چھوٹا عثمان ہے اور شوکت ماربل کمپنی کو وہی چلا رہا ہے اور اس سے چھوٹا علی ہے۔ سب سے زیادہ شرارتی‘ شوخ اور تنگ کرنے والا‘ لیکن میری دو فیکٹریوں کو اتنی ہی

ذہانت، محنت اور لگن سے چلا رہا ہے۔"

"بابا! یہ کیوں نہیں بتا رہے کہ میں نے سی اے بھی کیا ہوا ہے۔" علی نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا تو کنزیٰ کے ہونٹوں پر بھی بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"اور ہاں! وہ جو سب سے آخر میں ناراض ناراض اور حد سے زیادہ سنجیدہ، مودب اور ڈیسنٹ بچہ ہے وہ میرا سب سے چھوٹا بیٹا سعد ہے اور میڈیکل کے آخری سال میں ہے۔"

"اور اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہے کہ منگنی شدہ ہے۔" علی کی بات پر وہ بے اختیار جھینپ گیا۔

"ویسے بابا! ہمارے گھر کے بھی تو دستور نرالے ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے کی شادی کردی اور سب سے آخری بیٹے کی انگیجمنٹ اور ہم درمیان کے تین بے چارے، معصوم، شریف اور مشرقی لڑکے خاموش رہنے کے علاوہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔" علی کے چہرے پر از حد معصومیت تھی۔

"علی! فضول مت بولو۔" ان چاروں میں سے کسی ایک کے گھرکنے پر کنزیٰ نے چونک کر اسے دیکھا جو برے برے منہ بنا رہا تھا۔

"ارے آپ کی آنکھوں کا کلر گرین ہے نا......؟" علی کے ایک دم بولنے پر وہ گھبرا سی گئی۔ سب کی نظریں اس کے وجود پر جم گئیں۔

"ریئلی، لو دیتی ہوئی سبز آنکھیں ہیں آپ کی۔" علی کے رواں لہجے پر وہ جھینپ گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خاصا بے باک ہے۔ جو محسوس کرتا ہے، بلا جھجک کہہ بھی دیتا ہے۔

"اس کے باپ کی آنکھوں کا رنگ بھی ایسا تھا۔" پراٹھے سے بھرپور انصاف کرتے ہوئے اماں نے لقمہ دیا، پھر ایک لمحے کے توقف کے بعد بولیں۔ "ویسے میری بیٹی کی آنکھیں بہت روشن اور چمکدار بھی ہیں۔" کنزیٰ نے گھبرا کر اماں کو دیکھا اور علی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اپنی پلیٹ پر جھک گیا۔

❖ ❖ ❖

کنزیٰ کو صرف تین دنوں میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اس گھر کے مکینوں کے پاس ایک چیز کی قلت ہے اور وہ ہے وقت۔ ان کی زندگی عجیب بھاگ دوڑ والی تھی۔ ماموں شوکت تھے تو بہت شفیق اور نرم دل، لیکن بزنس کی بھاگ دوڑ میں گھڑی کی سوئیوں کے ساتھ گردش کرتے

دکھائی دیتے۔ آتے جاتے کہیں ٹاکرا ہوتا تو بہت اچھے طریقے سے خیریت دریافت کرتے۔ پھر ابوبکر، عثمان، عمر اور سعد تھے بہت سنجیدہ اور ڈیسنٹ، البتہ علی تھا جو آتے جاتے اس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتا بلکہ اس گھر میں زندگی کا احساس ہی اس کے دم سے تھا اور پھر خالہ صالحہ تھیں جوان کی آمد پر دل سے خوش تھیں۔ سارا دن وہ اور اماں خوشگوار یادوں کو دہراتیں۔ خالہ صالحہ اپنی تنہائی کے ختم ہو جانے پر خوش تھیں۔

وہ سارا دن "شوکت ولا" میں بولائی بولائی پھرتی۔ حالانکہ وہ چار مرلے کے ایک بوسیدہ و بے رنگ گھر سے اس وسیع و عریض بنگلے میں آئی تھی، جہاں گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہی سفید اور سیاہ رنگ کی ٹائلوں والی لمبی سی روش اور دائیں بائیں بڑے بڑے لان تھے، جن میں اونچے اونچے درخت، پھولوں کی بیلیں اور کیاریاں اور سوئمنگ پول تھا۔ گراؤنڈ فلور پر بڑا سا ڈرائنگ روم، ڈائننگ ہال اور گیسٹ رومز تھے۔ جبکہ فرسٹ فلور پر ٹی وی لاؤنج تھا جس کی سیڑھیاں ڈرائنگ روم کے وسط سے نکلتی تھیں۔ سب کے بیڈ رومز بھی فرسٹ فلور پر تھے۔

اس دن وہ اکیلی ڈائننگ ہال میں بیٹھی سلاد کیلئے چیزیں ٹیبل پر رکھے ہوئے کچھ سوچنے میں مگن تھی۔ اچانک اکتا کر اس نے ٹرے پیچھے سرکائی اور گھر کی پچھلی طرف بنے صحن کی طرف آ گئی، جہاں ایک سائیڈ پر بچھے تخت پر اماں اور صالحہ خالہ باتوں میں مگن تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر لگے ہوئے درخت کے نیچے چھوٹی چھوٹی کٹوریوں میں خالہ نے باجرہ ڈال رکھا تھا، جس کی وجہ سے وہاں چڑیوں کا خاصا شور تھا۔ اس نے دلچسپی سے نیلے رنگ کی چڑیا کو دیکھا۔ جو پھدک پھدک کر کٹوری کے قریب آنے والوں پر حملہ کر رہی تھی۔

سفید براق کپڑوں میں ملبوس ہلکے ہلکے سفید بالوں والی صالحہ خالہ اسے بہت باوقار اور شفیق لگتی تھیں۔ جبکہ ان کے پاس گہرے جامنی کلر کے لان کے سوٹ میں بیٹھی اماں کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑ رہی تھیں۔

"سفینہ! یہ دھنیا، لیموں اور ادرک لے جا کر خانساماں کو دے آؤ، اسے کہنا کہ نہاری میں انہیں ڈال کر اچھی طرح تڑکا لگائے۔"

ملازمہ کو ہدایت دیتے دیتے اچانک ان کی نظر اس پر پڑی۔

"ارے کنزیٰ! کھڑی کیوں ہو، آ جاؤ، ہمارے پاس آ کر بیٹھو۔" خالہ نے بے اختیار اسے آواز دی تو وہ کچھ جھجکتے ہوئے ان کے پاس آ بیٹھی۔

"مجھے لگتا ہے سلطانہ! تمہاری بیٹی یہاں آ کر بہت بور ہو رہی ہے۔"

"اچھا......" اماں چونکیں۔

"لو بیٹی تمہاری ہے اور تمہیں اندازہ نہیں ہے۔"

"نہیں' یہ شروع سے ہی ایسی ہے۔" اماں کے تردید کرنے پر وہ پُرتشویش انداز میں بولیں۔

"کیوں......؟ اس عمر کی لڑکیاں تو ایسی نہیں ہوتیں۔ شوکت بھائی کے آنے جانے والوں کی لڑکیوں کو دیکھو۔ بے باک' ہنستی مسکراتی ہوئی دوسروں کو چٹکیوں میں اڑاتی ہیں۔" انہوں نے اماں کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"بس آپا! ان کے باپ ان کے سروں پر سلامت ہیں اور ماں' باپ کے آسرے پر ہی تو بچے عیش کرتے ہیں اور یہ بے چاری۔" اماں نے بات ادھوری چھوڑ کر سرد آہ بھری۔

"کیوں' تمہارے دوسرے شوہر کا سلوک اچھا نہیں تھا کیا؟" خالہ کے کریدنے پر اماں پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اس بے چاری کو تو پتا ہی نہیں' باپ کی شفقت کیا ہوتی ہے۔ صرف دو سال کی تھی جب سگے باپ کا انتقال ہوا۔ بے شک نظام الدین سیدھا سادا اور زمانے کی چالاکیوں سے عاری تھا' لیکن ورکشاپ سے آ کر سارا سارا دن کنزیٰ کو گود میں اٹھائے پھرتا تھا۔ اس کی وفات کے بعد اماں تو ایک سال بھی بیٹی کو گھر نہ بٹھا سکیں اور باندھ دیا مجھے امجد علی کے پلے' جس کی بیوی دو بیٹوں کو جنم دے کر رسولی کے آپریشن میں فوت ہو گئی تھی۔ بڑا بیٹا چھ سال کا اور دوسرا چار سال کا تھا۔ دونوں بیٹوں کو جب موقع ملتا کنزیٰ کو خوب مارتے۔ یہ جب سہم کر میرے پاس آ جاتی تو سوتیلے باپ کو برا لگتا۔"

"تو اس کو کیا تکلیف تھی؟" صالحہ خالہ کو غصہ آ گیا۔

"بس آپا! تکلیف اسکو یہ تھی کہ اس کی کمائی ہر ایرے غیرے پر کیوں لٹائی جا رہی ہے۔" اماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس کا بھی دل خراب ہونے لگا۔

"آئے ہائے یہ ایرا غیرا تھوڑی تھی۔" صالحہ خالہ کو تعجب ہوا۔

"اس کا خون تو نہیں تھی نا' ساری زندگی میری کنزیٰ نے سہم سہم کر گزاری' پھر میں نے تو ہاسٹل بھجوا دیا اور جب سے اس لالچی اور خود غرض انسان کو یہ معلوم ہوا ہے کہ باپ کی طرف

سے گھر اور دکان کنزیٰ کے حصے میں آیا ہے تب سے اس کی رال ٹپک رہی ہے۔ اپنی کریانے کی دکان میں گھاٹا جو ہوا ہے۔ اب کہتا ہے کہ کنزیٰ کا نکاح میرے بڑے بیٹے مراد سے کر دو۔ جو کم بخت پانچ جماعت فیل' نکما' آوارہ ہے۔ ساری پنچایت اکٹھی کر رہا تھا۔ میں نے بھی بیٹی کو لیا اور ادھر آ گئی۔ خود ہی ڈھونڈتا پھرے' پورے پاکستان میں ہمیں۔"

"بہت اچھا کیا سلطانہ تم نے۔ لو بھلا کہاں تمہاری سرخ و سپید گڑیا جیسی نازک سی بیٹی۔ ہاتھ لگانے سے میلی ہو جانے والی۔ میں خود شوکت بھائی سے کہوں گی کہ کنزیٰ کیلئے کراچی میں اپنے ملنے والوں میں کوئی رشتہ ڈھونڈ دیں۔ ہم خود اس کی شادی کریں گے یہاں۔"

انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی تو کنزیٰ کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ خالہ کی بے تحاشا محبت پر دل اندر ہی اندر پگھل رہا تھا۔

"بس سلطانہ! دولت کی ہوس' قناعت کی کمی' آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ اور بیوگی کا دکھ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے۔ صرف دو سالہ رفاقت تھی میری ابراہیم کے ساتھ۔ ان کے اچانک انتقال پر میرے سسرال والوں نے ایسی آنکھیں بدلیں کہ کہیں ابراہیم کا حصہ نہ مانگ لوں' تب سے بھائی کے در پر پڑی ہوں' دوبارہ شادی کرنے کو من ہی نہیں چاہا۔" کنزیٰ نے بے یقین آنکھوں سے خالہ صالحہ کو دیکھا' جن کے چہرے پر اس وقت صدیوں کی تھکن تھی۔ اس نے فوراً نظریں ان کے چہرے سے ہٹا لیں۔

❖ ❖ ❖

آج کافی دن کے بعد وہ سب لوگ رات کے کھانے پر اکٹھے ہوئے تھے' جس کی وجہ سے شوکت ولا میں خوب ہلچل اور زندگی کا احساس ہو رہا تھا جبکہ کنزیٰ حسب عادت اکتائی اکتائی سی بیٹھی تھی۔ اماں اور خالہ صالحہ میں نہ جانے کون سا موضوع زیر بحث تھا۔

"بیٹے! آپ یہاں بور تو نہیں ہو رہے؟" شوکت ماموں کے شفیق لہجے پر اس نے مسکرا کر تردید کی تو علی فوراً بول پڑا۔

"بابا! یہ جھوٹ بول رہی ہیں' یہ بے زار اور اکتائی ہوئی شکل تو کچھ اور بتا رہی ہے۔"

"جی' ایسی تو کوئی بات نہیں۔" دل میں اسے ہزار صلواتیں سناتے ہوئے وہ بظاہر خوشدلی سے بولی۔

"بیٹے! آپ کالج میں ایڈمیشن کیوں نہیں لے لیتے؟ آپ کی امی بتا رہی تھیں کہ یہاں آنے سے آپ کا تعلیمی سلسلہ ادھورا رہ گیا ہے۔" گلاس میں پانی ڈالتے ہوئے انہوں نے مشورہ دیا تو کنزیٰ کو محسوس ہوا کہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔

"کون سے ایئر میں پڑھتی ہیں آپ؟" علی کے چہرے پر اشتیاق تھا۔

"میں اکنامکس میں ماسٹرز کر چکی ہوں اور ایم بی اے کا سیکنڈ سمسٹر چل رہا تھا۔" کنزیٰ کے سادہ سے لہجے پر ڈائننگ ہال میں موجود سب چہروں پر حیرت در آئی' بے یقینی اور حیرت سے بھرپور نظریں اپنے اوپر پا کر وہ ٹپٹا گئی۔ خود شوکت ماموں پانی پینا بھول گئے۔

"کس یونیورسٹی سے آپ نے اکنامکس میں ماسٹرز کیا ہے؟" علی نے انگلش میں اس سے دریافت کیا تو وہ بھی جواباً انگلش میں ہی بولی۔

"میں پنجاب یونیورسٹی کے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی گولڈ میڈلسٹ ہوں۔"

"ایکسیلنٹ....." ماموں شوکت کے توصیفی لہجے پر وہ کچھ پر اعتماد ہوئی۔

"کمال کرتی ہیں پھپھو! آپ تو یوں کہہ رہی تھیں کہ ہم سمجھے کہ شاید کوئی فرسٹ ایئر یا سیکنڈ ایئر کی سٹوڈنٹ ہوں گی' لیکن آپ کی بیٹی صاحبہ تو اچھی خاصی قابل ہیں۔" علی کے تبصرے پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"آپ ایم بی اے میں دوبارہ ایڈمیشن کیوں نہیں لے لیتیں؟" وہ شاید عمر تھا جس نے پہلی دفعہ اسے مخاطب کیا تھا۔ کنزیٰ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"ہاں میں بھی سوچ رہی ہوں کہ "آئی بی اے" کا ٹیسٹ دے دوں۔"

کھانے کے بعد وہ ڈائننگ ہال سے باہر نکل رہی تھی جب علی کا حسرت آمیز لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا۔

"بابا! اگر مجھ سے چھوٹی بہن پیدائش کے فوراً بعد وفات نہ پا گئی ہوتی تو یقیناً کنزیٰ جتنی ہوتی' ہے نا؟"

اس نے حیرت سے مڑ کر دیکھا۔ وہ سب اسی کی طرف متوجہ تھے۔

حیرت ہے کہ "کنزیٰ نظام الدین" کی ماسٹرز کی ڈگری ان کیلئے اتنی زیادہ حیرت انگیز چیز کیوں بن رہی ہے؟ لان میں بنے سنگ مرمر کے بنچ پر بیٹھتے ہوئے اس نے پریشانی سے سوچا۔

"شاید انہیں مجھ سے اتنی قابلیت کی توقع نہیں تھی۔" وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہونے لگی۔

کچھ دیر بیٹھ کر وہ لان میں ٹہلنے لگی۔ شاید کہیں بارش ہوئی تھی' تب ہی ہوا میں نمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ سوئمنگ پول کی سنگ مرمر کی سیڑھیوں کے پاس رک کر وہ صاف شفاف نیلے پانی کو بغور دیکھنے لگی۔ لان میں لائٹنگ کی وجہ سے ہر چیز واضح اور روشن نظر آ رہی تھی۔

"آخر اماں نے کیا سوچا ہے؟ کب تک ہم شوکت ماموں کے گھر رہیں گے؟ کنزیٰ بی بی! کب تک تمہاری زندگی میں مسافتیں لکھی ہیں۔ ابا کی وفات کے بعد نانو کے گھر اور وہاں سے انکل امجد علی کے ہاں اور اب شوکت ماموں کا گھر' اللہ جانے اب کہاں ہجرت کرنا ہوگی۔" ایک آنسو اس کی آنکھ سے ٹپک کر کہیں گم ہو گیا۔

"خاموش رہنا آپ کی ہابی ہے یا عادت.....؟" کوئی بہت اچانک اس کے پاس آ کر بولا تھا۔ آواز میں حد درجہ سنجیدگی تھی۔

"یہ صرف میری ضرورت اور مجبوری ہے۔" وہ جھکے سر کے ساتھ بغیر مڑے بولی۔

"ضرورتیں اگر مجبوری بن جائیں تو تب بھی خوش دلی سے ان کو پورا کرتے ہیں ورنہ زندگی مزید مشکل ہو جاتی ہے۔ متانت سے جواب دیا گیا۔

کنزیٰ نے سرعت سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ شاید عمر تھے جو مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھے۔ اس نے بوکھلا کر ادھر ادھر دیکھا' مگر پورے لان میں ان دونوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

"اب اس سے زیادہ مزید مشکل کیا ہو سکتی ہے؟" اس کے طنزیہ لہجے پر عمر نے خفگی سے اسے دیکھا جو بیزاری سے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔

"آپ کو پتا ہے کہ صبر سے زیادہ بہتر اور بہت سی بھلائیوں کو سمیٹنے والی بخشش اور کوئی نہیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن......؟" عمر نے سرعت سے اس کی بات کاٹی۔

"کنزیٰ! آپ صرف ایک بات یاد رکھیں کہ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ "آدمی کی خوش نصیبی یہی ہے کہ جو کچھ اللہ اس کیلئے فیصلہ کرے اس سے راضی ہو۔ اس پر قناعت کرے۔"

اس نے حیرانی سے عمر کی طرف دیکھا جو بڑے ریلیکس انداز میں اپنے ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' سوئمنگ پول کے پاس لگی گرل سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ اسے ہرگز بھی ان سے ایسی باتوں کی توقع نہیں تھی۔ اس سے زیادہ تعجب انگیز بات ان کا اسے ٹائم دینا تھا۔

"مشکلات سے ڈرنا نہیں چاہئے یہ تو انسان کو سنوارنے کیلئے آتی ہیں' شاہراہ حیات پر سگنل سرخ نظر آئے تو اسے ناکامی مت سمجھئے۔ چند لمحے آرام کیجئے اور سگنل سبز ہونے کا انتظار کریں مشکلات ہمیشہ نہیں رہتیں۔ یہ تو قرب خداوندی کا باعث ہوتی ہیں۔"

کنزیٰ ان کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر تیزی سے بولی۔

"عمر صاحب! ہم جس معاشرے میں ہیں وہاں درندگی' بے ایمانی' سفاکی' بدعنوانی اور حیوانیت عام ہے' ہم جن کی معاش میں مدد کرتے ہیں وہ ہمارا استحصال کرتے ہیں۔ ہم جسے تربیت پرواز دیتے ہیں وہ اڑتے ہوئے ہمیں اپنے پنجوں میں جھپٹ لیتے ہیں' ایسے میں بندہ

خوش گمان کیسے رہے؟"

اس کی تلخ گفتگو پر وہاں سکون ہی سکون تھا۔

"لیکن ہم بروں کے ساتھ برے تو نہیں بن سکتے۔ مکافات عمل کا انتظار کیجئے۔ زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے۔"

کنزیٰ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ "آج کل کے دور میں جب ہم کسی کی برائی کے جواب میں اچھائی کرتے ہیں تو اگلے کو احساس ہی کب ہوتا ہے۔ وہ ہمیں بے وقوف اور پاگل سمجھ کر مزید ڈراتا ہے۔ پھر ہم جیسے لوگ جو حالات کا مقابلہ نہیں کر سکتے وہ اپنا گھر چھوڑ کر ادھر ادھر پناہ تلاش کرنے نکل آتے ہیں۔"

"حالات کے مطابق ہجرت کرنا بے وقوفی نہیں دانشمندی ہے۔" عمر نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو وہ محض کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"آپ کہہ سکتے ہیں' اس لئے کہ آپ اپنے گھر میں ہیں اور آپ نے کبھی بدترین حالات نہیں دیکھے۔" عمر نے تاسف سے اسے دیکھا۔ جو سوئمنگ پول کے ساکت پانی پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"کنزیٰ......!" اس نے بے اختیار مڑ کر سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"پلیز مائنڈ مت کیجئے گا۔ آپ بنیادی طور پر بہت ذہین ہیں لیکن مجھے لگتا ہے کہ وہ ذہانت "بنیادوں" میں ہی رہ گئی ہے۔"

اپنی بات کہہ کر وہ رکے نہیں اور جب تک بات کنزیٰ کی سمجھ میں آئی وہ روشنیوں میں نہائی شوکت ولا کی عمارت میں داخل ہو چکے تھے۔ وہ کافی دیر وہیں کھڑی کھولتی رہی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ عمر اس پر ایسا طنز بھی کر سکتے ہیں۔

اگلے دو دن اس کا موڈ خاصا خراب رہا اور احتجاجاً وہ رات کے کھانے پر بھی ڈائننگ ہال میں نہیں گئی۔ تیسرے دن وہ اپنے اور اماں کے مشترکہ کمرے سے نکلی تو ٹی وی لاؤنج میں پہلے سے بیٹھے ہوئے علی نے بڑی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا' پھر کچھ یاد آنے پر ایک الماری سے کچھ بکس نکال کر اس کی طرف بڑھائیں۔

"یہ کامرس کی بکس ہیں' آئی بی اے کے ٹیسٹ میں کام آئیں گی۔ عمر بھائی نے کہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔" اس نے بے دلی سے کتابیں پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیں اور ٹی وی پر

لگے ٹاک شو کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"آپ فکر مت کیجئے گا۔ عمر بھائی نے خود بھی ایم بی اے اور ایم کام کیا ہوا ہے اور آپ کا یہ منا سا بھائی بھی سی اے ہے۔ کوئی بھی مشکل ہو بلا جھجک ہم سے مدد لے سکتی ہیں۔"

کنزیٰ نے چونک کر علی کو دیکھا اور مسکرا دی۔

"کہاں ہے تمہارا وعدہ خلاف بھائی؟"

کوئی لڑکی عجلت میں اندر داخل ہوئی تھی۔ نیلی جینز' سفید کرتے' ٹراؤزر اور باب کٹ بالوں میں نازک سی سرخ و سپید رنگ والی لڑکی کے لہجے میں خاصا استحقاق تھا۔ گلے میں دوپٹے کے نام پر چھوٹا سا اسکارف تھا۔ وسیع و عریض ٹی وی لاؤنج میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کونے میں رکھے صوفے پر بیٹھی کنزیٰ کو دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹکی' سیاہ اور کاسنی امتزاج کے سوٹ میں اجلی رنگت سبز آنکھیں اور متناسب سراپا ہرگز نظر انداز کر دینے والا نہیں تھا۔

"ہیلو......!" صوفے پر بیٹھے بیٹھے کانونیٹ زدہ لہجے میں اس نے اسے مخاطب کیا۔

کنزیٰ نے اسے غور سے دیکھا' نازک سے سفید انگوٹھے والی چپل میں مقید اس کے خوبصورت پاؤں اضطراری انداز میں ہل رہے تھے۔

"علی! ہواز شی؟" (یہ کون ہیں؟) اس نے اپنی ستواں ناک بڑے سٹائل سے چڑھائی تھی۔

"میری کزن ہے کنزیٰ! بہاولپور سے آئی ہے۔"

"اچھا......؟ یہ بتاؤ کہ عمر انگلینڈ سے کب آیا؟" وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کئے اپنی مطلوبہ معلومات کیلئے متجسس تھی۔ پھر علی کو یہ خیال آیا تھا۔

"کنزیٰ' یہ میری خالہ زاد کزن رومیلا ہیں سوشیالوجی میں ماسٹرز کی سٹوڈنٹ اور اکثر و بیشتر یہاں پائی جاتی ہیں۔"

"جی نہیں' جن دنوں "عمر" گھر پر ہو۔" اس نے تیکھے لہجے میں تصحیح کی۔

"شرم کرو۔" علی کے غیرت دلانے پر اس نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"آفٹر آل ہی از مائی بیسٹ فرینڈ۔" (وہ میرا بہترین دوست ہے)

کنزیٰ نے ایک نظر اسے دیکھا وہ اپر کلاس کی بگڑی ہوئی اولاد کا چلتا پھرتا اشتہار لگ رہی تھی۔

"رومی! بھئی تم آجایا کرو۔ کنزیٰ گھر میں اکیلی ہوتی ہے' اسے کمپنی مل جائے گی......"

علی کے فکرمند لہجے پر اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے۔

"ٹائم کہاں ہوتا ہے۔ صبح یونیورسٹی' دوپہر کو ریسٹ اور شام کو آئے دن کے فنکشن اور تمہیں معلوم تو ہے ممی پارٹیز کی کتنی شوقین ہیں' بہرحال کوشش کروں گی وعدہ نہیں کر سکتی۔"

"یہاں کون تمہاری کمپنی کیلئے مرا جا رہا ہے؟" کنزیٰ نے سلگ کر سوچا۔

"اچھا یہ تو بتاؤ' عمر نے کیا سیل نمبر تبدیل کر لیا ہے؟" وہ پھر اپنے پسندیدہ موضوع پر آ چکی تھی۔

"پتا نہیں۔" علی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"حیرت ہے تمہیں نہیں معلوم' حالانکہ عمر تم سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔" رومیلا نے بے یقین نظروں سے دیکھتے ہوئے تیکھے لہجے میں کہا تو علی کے ماتھے پر پڑنے والے بل سے کنزیٰ کو اس کے اندرونی موڈ کا پہلی دفعہ اندازہ ہوا۔

"میں عمر بھائی کا پرسنل سیکرٹری تو نہیں۔" اس نے دوبدو جواب دیا۔

"لیکن وہ تو یہ ہی کہتا ہے کہ میں دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں کسی اور کو بتاؤں نہ بتاؤں علی کو ضرور بتاتا ہوں۔" رومیلا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ کنزیٰ کو اس ساری صورتحال میں اپنا آپ انتہائی غیر ضروری لگا' تب ہی وہ معذرت کرتے ہوئے ٹی وی لاؤنج سے باہر نکل گئی۔

"یہ کرتی کیا ہے؟" رومیلا نے بغور اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا کرتی ہوگی؟" علی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یہی ایف اے یا بی اے کی سٹوڈنٹ ہوگی۔" رومیلا کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

"محترمہ پنجاب یونیورسٹی کی اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی گولڈ میڈلسٹ اور ایم بی اے ادھورا چھوڑ کر آئی بی اے میں داخلہ لینے کیلئے یہاں کراچی آئی ہیں۔"

رومیلا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"یہ کیا اب یہیں رہے گی؟" علی کو رومیلا کے تاثرات اور نظریں دونوں ہی بے حد عجیب لگیں۔

"ظاہر ہے۔" علی نے دوٹوک انداز میں کہا تو اس کے چہرے کے بگڑتے زاویے علی کی تیز نظروں سے چھپ نہیں سکے اور کچھ ہی دیر کے بعد وہ اپنی گاڑی کی چابی اٹھا کر باہر جا چکی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" وہ جو بے زاری سے تخت پر بیٹھی اماں کے پاس آ کر دراز ہوگئی تو انہوں نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا' حالانکہ ان کی تمام تر توجہ خالہ صالحہ کے سفید دوپٹے پر روشیہ بنانے میں تھی۔

"اماں! ہم یہاں کب تک رہیں گے؟" وہ بے زاری سے کہتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔ اماں نے بغور اسے دیکھا' اس کے پورے وجود میں ایک اضطراب سا تھا۔ ایک بے کلی تھی جو محسوس ہوتی تھی۔

"کنزیٰ......!" اماں نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ وہ گڑبڑا سی گئی۔

"کیا ہوا ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے؟" اماں کے لہجے میں اب حقیقتاً تشویش جھلک رہی تھی۔

"نہیں اماں! کوئی گھر میں ہوگا تو کچھ کہے گا نا۔" اس کے کھوکھلے لہجے پر اماں کے تیزی سے کروشیا چلاتے ہاتھ ٹھہر سے گئے۔

"کنزیٰ تیرے ساتھ مسئلہ کیا ہے' بچی! وہاں بہاولپور میں تو امجد علی کے اور اس کے بیٹوں کے بولنے پر پریشان رہتی تھی اور یہاں کسی کے کچھ نہ کہنے پر' اور میں تو بہت کچھ سوچ بیٹھی ہوں۔ اگلے ہفتے میری تو بہاولپور واپسی ہوجائے گی اور پھر تو کیسے رہے گی۔"

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکی۔ "میں کہاں رہوں گی؟ اور آپ کہاں جا رہی ہیں؟" اس نے قدرے بے اعتباری سے اماں کا چہرہ دیکھا جو کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"ظاہر ہے بیٹا! ایک ماہ سے اپنا گھر چھوڑے بیٹھی ہوں۔ رات امجد علی سے میری فون پر بات ہوئی تھی۔ خاصا غصے میں تھا۔ کہہ رہا تھا کہ واپس آ جاؤ ورنہ فارغ کردوں گا۔ اب اس عمر میں دوسری دفعہ تو اپنا گھر خراب نہیں کرسکتی۔ کم بخت کہہ رہا تھا کہ خود آ جاؤ' مگر نظام الدین کی نشانی کو وہیں چھوڑ کر آنا۔ میرے گھر میں فالتو لوگوں کیلئے گنجائش نہیں ہے۔"

"تو اماں! میں کہاں رہوں گی؟" کنزیٰ نے بے چینی سے سوال کیا۔

"یہاں! اور کہاں؟ بھائی شوکت اور اپنی خالہ صالحہ کے پاس۔ کنزیٰ! اپنی بچوں جیسی

حرکتیں چھوڑ دے۔ ساری زندگی میں تمہارے سر پر نہیں رہوں گی۔ خبردار مجھے صالحہ آپا سے تمہاری کوئی شکایت نہ ملے۔"

اماں کے تنبیہی انداز پر اس نے شکایتی نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ فوراً نظریں چرا گئیں' اس کا دل یک دم بھر آیا۔

"اے عمر! تم ہی اس کو کچھ سمجھاؤ اور تم کیا کہہ رہے تھے' کہاں اس کا ایڈمیشن کروانا ہے؟ میرے ذہن سے اس سکول کا نام نکل گیا۔" اماں نے اپنے سر پہ ہاتھ مارا جبکہ عمر کا نام سن کر وہ بدک کر اٹھی۔ وسیع وعریض کمرے کے کارنر میں پڑی راکنگ چیئر پر بیٹھے اخبار پڑھتے عمر کو دیکھ کر اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ ڈھیروں خفت کے ساتھ ہی اسے اماں پر بے تحاشا غصہ آیا' جو عمر کی موجودگی سے باخبر ہونے کے باوجود انتہائی گھریلو باتیں کیے جا رہی تھیں۔

'یہ یہاں چھپے بیٹھے ہیں اور وہ پرکٹی وہاں علی کا سر کھا رہی ہے۔' اس کی سوچوں کا رخ ایک دم اماں سے رومیلا کی طرف مڑ گیا۔

"آپ کو ٹی وی لاؤنج میں رومیلا ڈھونڈ رہی ہیں؟" وہ بے اختیار ہی کہہ بیٹھی۔

"ہاں میں نے اپنے کمرے سے اس کی گاڑی اندر آتے دیکھ لی تھی' اسی لئے تو یہاں بیٹھا ہوں۔" عمر کا جواب اس کیلئے غیر متوقع تھا' تب ہی زبان سے بے اختیار نکلا۔

"چھپ کر......!"

اماں نے اسے بری طرح گھورا جبکہ عمر بے ساختہ ہنس دیئے۔

"آپ کے فارم میں لے آیا ہوں۔ آپ اسے فل کردیں۔ اگلے ہفتے آخری ڈیٹ ہے اور تیاری بھی شروع کردیں۔" کروشیہ سے بیل بناتی اماں نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں اور ایک دم پرجوش ہوکر بولیں۔

"بیٹا! تم کنزیٰ کو ایک گھنٹہ ٹیوشن کیوں نہیں پڑھا دیتے؟"

"اماں!" کنزیٰ نے احتجاجی نظروں سے انہیں دیکھا' جو عمر کے مسلسل مسکرانے کو مثبت جواب سمجھ کر خوش ہورہی تھیں۔

"میری کنزیٰ ماشاء اللہ بہت ذہین اور محنتی بچی ہے' تمہیں زیادہ تنگ نہیں کرے گی۔" اماں بے حد محبت سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا۔" عمر نے دلچسپی سے پوچھا تو اماں اسے یقین دلانے کیلئے اس کے مختلف واقعات بتانے لگیں۔ اسے معلوم تھا کہ اب اماں کے آگے بند باندھنا ممکن نہیں سو اکتا کر پاؤں پٹختی کمرے سے باہر نکل گئی۔

❖❖❖

جس دن وہ آئی بی اے کا ٹیسٹ دے کر آئی اماں اپنی ساری پیکنگ کر کے بہاولپور جانے کو تیار تھیں۔ صرف اس سے ملنے کیلئے ڈرائنگ روم میں مہمانوں کی طرح بیٹھی تھیں۔ اسے پہلے ہی قدم پر دھچکا سا لگا۔ وہ تو پچھلے ایک ہفتے سے مختلف کتابوں میں کھوئی ہوئی تھی' اس لئے اسے اماں کی تیاریوں کا پتا ہی نہیں چلا۔

"اماں آپ جا رہی ہیں۔" اس کا التجائیہ انداز اماں کو تڑپا گیا۔

"ہاں پتر! تیرے انتظار میں تھی۔ اپنا خیال رکھنا اور خالہ صالحہ کو زیادہ تنگ مت کرنا' ہر ہفتے میں خود ہی فون کرلوں گی اور دل تھوڑا مت کرنا۔ بیٹیاں کون سا ماں باپ کے گھر سدا رہتی ہیں۔ ایک نہ ایک دن تو انہیں گھر چھوڑ کر جانا ہوتا ہے۔ میں سمجھوں گی کہ میں نے بھی تمہیں رخصت کر دیا ہے۔ اللہ تمہاری قسمت اچھی کرے (آمین)۔" اماں کے آبدیدہ لہجے پر اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

"چلیں پھپھو! دیر ہو رہی ہے۔" وہ شاید عثمان تھے جنہوں نے اماں کو مخاطب کیا تو وہ زبردستی ہنس کر بولیں۔

"ایک تو تمہارے باپ نے موئے جہاز کا ٹکٹ کٹا دیا ہے۔ مجھے تو ابھی سے ہول اٹھ رہے ہیں۔"

"پھپھو! کیوں ہول اٹھ رہے ہیں؟" عمر بازو پر رسٹ واچ باندھتے ہوئے تیزی سے اندر داخل ہوئے۔ اس نے بے ساختہ سوچا کہ اماں کی روانگی ماموں شوکت کیلئے خصوصی اہمیت کی حامل کیسے ہوگئی' جو تین تین بیٹے ایئرپورٹ پر جانے کو تیار ہیں۔ ابھی ابھی تو وہ علی کے ساتھ واپس آئی تھی۔

"سلطانہ! کنزیٰ کیلئے پریشان مت ہونا۔ خالہ بھی ماں کی جگہ ہوتی ہے۔" خالہ صالحہ نے بے ساختہ اس کا سر کندھے سے لگا لیا۔ کنزیٰ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ صالحہ خالہ کے وجود سے اٹھتی خوشبو اسے بہت اپنائیت بھری لگی تھی۔

علی کے کہنے پر وہ بھی ایئرپورٹ جانے کیلئے تیار ہوگئی۔ جہاز کی روانگی تک اماں ان تینوں سے بے نیاز اسے نصیحتیں' زمانے کی اونچ نیچ اور جانے کیا کچھ سمجھاتی رہیں' ان کے جانے کے بعد کنزیٰ کے دل کو کچھ ہونے لگا' اسے لگا کہ وہ کراچی جیسے بھرے شہر میں بالکل تنہا ہوگئی ہے' اس نے بمشکل ضبط کیا تھا۔ اب اسے اماں کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

"کیا ہوا؟" علی نے معصومیت سے پوچھا۔

"بس اماں کی فکر تھی کہ اتنا لمبا سفر اکیلے کیسے کریں گی؟" آنسو پیتے ہوئے وہ بمشکل بولی تو علی کی زوردار ہنسی پر کنزیٰ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"حیرت ہے آپ رہتی کس دنیا میں ہیں؟ عثمان بھائی' پھپھو کے ساتھ بہاولپور گئے ہیں۔ انہیں کچھ کام تھا تو بابا نے کہا کہ پھپھو کے ساتھ چلے جائیں۔ ویسے بھی ہم بے شک کراچی جیسے بڑے شہر میں رہ لیں لیکن ذہن ہمارے ابھی بھی روایتی ہیں۔ ہمارے گھروں میں بہنوں بیٹیوں کو اکیلے بھیجنے کا کوئی رواج نہیں۔ صالحہ خالہ کو بھی کہیں شہر سے باہر جانا ہوتو ہم میں سے کوئی نہ کوئی ساتھ ہوتا ہے۔ حیرت ہے عثمان بھائی پھپھو کے ساتھ اندر گئے اور آپ کو پتا نہیں چلا۔" علی نے اسے حیرانی سے سر سے پاؤں تک دیکھا تو وہ بے اختیار جھینپ گئی۔

"عمر بھائی! آپ کنزیٰ کو گھر ڈراپ کر دیجئے گا۔ مجھے فیکٹری میں ہونے والی پانچ بجے کی میٹنگ اٹینڈ کرنا ہے۔"

کلائی پر بندھی گھڑی میں ٹائم دیکھتے ہوئے علی نے مصروف انداز میں کہا تو انہوں نے ایک لمحے کیلئے سیل فون کان سے ہٹایا اور اثبات میں سر ہلا کر اسے جانے کا اشارہ کیا۔

ایئرپورٹ کی پارکنگ میں آ کر انہوں نے اس طویل کال کا اختتام کیا تھا۔ وہ ابھی اپنی گاڑی میں بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے جب گرے کلر کی بلینو تیزی سے ان کے پاس آ رکی' کوئی بہت عجلت میں باہر نکلا تھا۔

اپنے سامنے مجنڈا کلر کی شارٹ سلیولیس شرٹ اور اورنج ٹراؤزر میں دوپٹے سے بے نیاز آنکھوں پہ قیمتی گلاسز لگائے رومیلا قدرے ناراض سی ان کے سامنے تھی۔

نہ جانے کیوں محسوس ہوا تھا کہ اسے دیکھتے ہی عمر کا چہرہ تن گیا ہے۔

"اچھا تو یہ ہے تمہاری نئی مصروفیت۔" وہ جلے بھنے انداز میں کنزیٰ کو گھورتے ہوئے

بولی۔

''لیو اٹ رومی! کیا ہو گیا ہے۔ میں پچھلے دنوں کام میں خاصا مصروف تھا' بینک کے حوالے سے ایک ڈیلی گیشن جاپان سے آیا ہوا تھا۔ اور میں صبح ہی سوچ رہا تھا کہ شام کو تمہاری طرف چکر لگاؤں گا۔'' وہ پوری سنجیدگی سے صفائی دے رہے تھے کنزیٰ سر جھکا کر اپنی ہتھیلیاں مسلنے لگی۔

''اچھا' یقین تو نہیں آتا۔'' وہ بے اعتباری سے بولی۔

''کم آن رومیلا!'' عمر نے قدرے اکتا کر کہا تو وہ زبردستی مسکرائی۔

''آج بینک نہیں گئے؟''

''نہیں' پھپھو بہاولپور جا رہی تھیں' اس لئے۔''

کنزیٰ نے حیرت سے عمر کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آیا کہ اس کی اماں کی وجہ سے عمر نے چھٹی کی تھی۔

''یہ نہیں گئیں؟'' اس کا تیکھا لہجہ اور کھوجتی نظریں کنزیٰ کو حسب سابق زہر لگیں۔

''ان کا نام کنزیٰ ہے اور یہ یہیں رہیں گی کراچی میں۔ اصل میں ان کا ایڈمیشن ہو رہا ہے ایم بی اے میں۔''

''کیوں؟ شہر میں سارے گرلز ہوسٹل ختم ہو گئے ہیں کیا؟'' اس کے بظاہر مذاق میں کہے گئے جملے میں چھپے طنز کو عمر سمجھا تھا کہ نہیں لیکن کنزیٰ کو اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔

''کمال کرتی ہو۔ ہمارے اتنے بڑے گھر کی موجودگی میں کنزیٰ کو کیا ضرورت پڑی ہے کسی ہوسٹل میں رہنے کی اور اس صورت میں کہ جب وہ بابا کی فرسٹ کزن کی اکلوتی بیٹی ہیں۔'' عمر کے سرسری لہجے پر رومیلا نے گھور کر اسے دیکھا تھا' کنزیٰ کو جی بھر کے کوفت ہوئی۔

وہ دونوں کو نظر انداز کر کے گاڑی کا دروازہ کھول کر دھڑلے سے بیٹھ گئی اور بے زاری سے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھنے لگی' رومیلا نے کھا جانے والی نظروں سے پہلے گاڑی اور بعد میں عمر کو دیکھا' جو محض کندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔

''تم اس ڈرائیوری سے کب فارغ ہو گے؟'' وہ دانستہ اونچی آواز میں بولی تھی۔

''بس گھر جا کر کھانا کھاؤں گا' پھر بابا نے بلایا ہے آفس' شام کو فارغ ہوں۔''

''اوکے' میں کلب میں انتظار کروں گی۔'' وہ تن فن کرتی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی تو

عمر نے آ کر ڈرائیونگ سنبھال لی' پھر ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوئے۔

''یہ رومیلا تھیں' ہماری مدر کی فرسٹ کزن کی بیٹی۔''

وہ بے نیازی سے گاڑی کے باہر سڑک پر آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھنے لگی۔

''آپ کی پہلی رومیلا سے ملاقات ہوئی ہے؟''

''ہاں' ایک دفعہ جب آپ کی تلاش میں چھاپے مارتی پھر رہی تھیں تو علی نے تعارف کروایا تھا' لیکن ابھی تک ان سے گفتگو کا شرف حاصل نہیں ہوا۔'' کنزیٰ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے ذکر پر اس کا لہجہ تلخ کیوں ہوا تھا۔ شاید اس نے پہلے دن سے اس پر اچھا امپریشن نہیں چھوڑا تھا۔

''آپ کو اگر روی کا سٹائل برا لگا ہے تو آئی ایم سوری.....'' عمر نے معذرت کی۔

''اصل میں وہ شروع سے ہی ایسی ہے' گھر میں سب سے چھوٹی اور لاڈلی ہے' اس لئے خصوصی توجہ نے کچھ ضدی اور اکھڑ بنا دیا ہے۔''

''مجھے تو محسوس ہوا ہے کہ ان کا مزاج سوا نیزے پر ہی رہتا ہے' خیر مجھے کیا۔ میں ایسے لوگوں کی پروا نہیں کرتی جو اپنے آگے کسی کو نہیں گردانتے۔''

عمر مسکرائے اور کچھ توقف کے بعد بولے۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کسی کی بھی پروا نہیں کرتیں۔''

کنزیٰ نے فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے تردید کی۔ ''جی نہیں میں اپنی اماں کی بہت پروا کرتی ہوں۔''

''اس لئے اکثر ان سے خفا رہتی ہیں۔'' اسے جھٹکا ہی تو لگا تھا عمر کی بات پر' کچھ لمحے تو اس سے بولا ہی نہیں گیا...... پھر سنبھل کر گویا ہوئی۔

''میں اماں سے نہیں اپنے حالات سے خفا رہتی ہوں۔ میں نے اپنی زندگی کے کسی بھی دور کو انجوائے نہیں کیا۔ بچپن میں جب ماں باپ اپنے بچوں کے لاڈ اٹھاتے ہیں اماں بھی اپنی گی بیٹی کو کونوں کھدروں میں چھپ کر پیار کرتی تھیں۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر اماں دوسری شادی نہ کرتیں تو ہم دونوں کتنے سکون سے رہتے' لیکن اب سوچتی ہوں کہ انہوں نے ٹھیک ہی کیا۔ آج کل کے دور میں ایک اکیلی عورت کیسے رہ سکتی تھی۔''

عمر نے شدید حیرت سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

انہیں ہرگز توقع نہیں تھی کہ وہ اپنے احساسات کو اس طرح بیان کرجائے گی ورنہ اماں کے بولنے پر اس کے کوفت زدہ تاثرات کسی سے بھی چھپے نہیں تھے۔

"پھر بھی ان حالات میں اتنا پڑھنا' کم از کم میرے لئے خاصا حیران کن ہے' ورنہ تکلیف دہ حالات سے گزرنے کے بعد زیادہ تر لوگ احساس کمتری میں مبتلا ہوکر دنیا کو فیس کرنے سے گھبراتے ہیں۔ ماشاء اللہ آپ میں ایسی کوئی خامی نہیں۔ رات بابا اور صالحہ پھپھو کے درمیان آپ کے متعلق بات ہو رہی تھی' بابا آپ کو ایم بی اے مکمل کرنے کے بعد اپنے بزنس میں لانا چاہتے ہیں۔"

"اچھا......؟" اس نے بے یقینی سے عمر کو دیکھا' انہیں بھی شاید اس کی سوچ کا ادراک ہوگیا تھا' تب ہی کہا۔

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہا' آپ بابا سے پوچھ سکتی ہیں۔" جبکہ وہ جواباً خاموش ہی رہی۔

❖❖❖

ٹیسٹ کلیئر کرنے کے بعد اس کا آئی بی اے میں ایڈمیشن ہوگیا تھا۔ وہ خاصی مصروف ہوگئی تھی' صبح شوکت صاحب جاتے ہوئے اسے انسٹیٹیوٹ چھوڑ جاتے' جو ان کے آفس کے راستے میں تھا۔ واپسی پر ڈرائیور اسے لینے آجاتا تھا' یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ صالحہ خالہ کے پاس کچھ دیر بیٹھتی۔ پھر شام کو اپنی پڑھائی میں گم ہوجاتی۔ نہ جانے کیوں اسے لگتا تھا کہ ایم بی اے کرنا اس کیلئے عزت کا مسئلہ ہے۔ اس دن وہ صبح یونیورسٹی جا رہی تھی جب اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھے شوکت صاحب نے سرسری لہجے میں کہا۔

"آج واپسی پر عمر تمہیں لینے آئے گا۔ اس کے ساتھ جا کر بینک میں اپنا اکاؤنٹ کھلوا لینا تمہاری مدر نے کچھ پیسے بھجوائے ہیں۔"

کسی کتاب میں گم کنزیٰ بری طرح چونکی۔ اسے اب احساس ہوا کہ یونیورسٹی میں اس کا ایڈمیشن ہونے اور کتابوں اور نوٹس وغیرہ کے تمام مراحل کیسے طے ہوئے۔ علی نے آکر بتایا تھا کہ ایڈمیشن ہوگیا اور عمر نے ایک دن کتابوں اور نوٹس کا ایک ڈھیر ملازمہ کے ہاتھ اس تک پہنچا دیا تھا۔ اسے مزید کسی کتاب کی ضرورت پڑتی تو عمر کی لائبریری سے آسانی سے مل جاتی تھی' اسے تردد کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ خالہ صالحہ بھی اکثر پوچھتی رہتی تھیں۔

وہ یونیورسٹی میں اپنے ڈیپارٹمنٹ سے کچھ کلاس فیلوز کے ساتھ نکل رہی تھی جب اس

نے علی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس کے گروپ نے بڑی مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ علی ہے میرا بھائی!"

اس کے پرجوش انداز پر علی کے چہرے پر مسکراہٹ جبکہ باقی سارے گروپ کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔

"بندہ ڈیشنگ ہے۔" خولہ کی سرگوشی پر کنزیٰ نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ سب اس کا موڈ دیکھ کر خاموشی سے کینٹین کی طرف بڑھ گئیں۔

"لگتا ہے خاصی دوستی ہوگئی ہے۔" علی نے اس کے گروپ کی تعداد کو دیکھتے ہوئے توصیفی لہجے میں کہا۔

"ظاہر ہے کنزیٰ نظام الدین کے نوٹس صرف اس کی فرینڈز کیلئے ہیں۔ ہر ایرے غیرے کو تھوڑی دیتی ہوں۔ اس لئے تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔"

اس کی آخری بات پر علی بے ساختہ ہنس پڑا اور پھر بری طرح ٹھٹک گیا۔

"ارے یہ عمر بھائی کس کے ساتھ؟" کنزیٰ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں براؤن پینٹ اور چاکلیٹ کلر کی شرٹ پہنے آنکھوں پر گلاسز لگائے عمر کو دوسری طرف جاتے دیکھا۔ ان کے ساتھ سرخ لباس میں یقیناً رومیلا تھی۔

"اوہ یہ تو رومی ہے......" علی بھی ڈھیلا ہوا۔

"تم سے بڑی ہیں تو تم ان کو آپی یا باجی کیوں نہیں کہتے۔" کنزیٰ نے ٹوکا۔

"توبہ کریں توبہ' میں نے مار کھانی ہے۔ ایک دفعہ کہہ بیٹھا تھا پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑ گئیں۔ ان سے بڑی بہن سبیلہ اس سے بھی زیادہ مائنڈ کرتی ہیں۔" اسے ہنسی آگئی۔ اس کا اکاؤنٹ کھل گیا تھا' علی نے پچیس ہزار جمع کروا دیئے تھے۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی اور شاید علی نے بھی محسوس کرلیا تھا' تبھی دانستہ لاپروائی سے کہا۔

"سلطانہ پھپھو نے بھجوائے ہیں۔ بابا بتا رہے تھے کہ منی آرڈر آیا ہے۔"

اور وہ مر کے بھی یقین نہیں کرسکتی تھی کہ اماں کے پاس اتنی رقم کہاں آسکتی ہے' وہ تو اسے ہوسٹل بھی بمشکل دو ہزار تک بھجوا پاتی تھیں' وہ بھی گھر کے خرچ میں سے بچا بچا کے۔

وہ گھر آئی تو رومیلا ٹی وی لاؤنج میں بے تکلفی سے براجمان تھی اور آج موڈ بھی خاصا بہتر تھا' تب ہی اٹھ کر کنزیٰ سے ہاتھ بھی ملایا' پھر پوچھنے لگی۔

"کیسی جا رہی ہے آپ کی سٹڈی؟" رومیلا کے سوال پر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

"فرسٹ کلاس۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"پتا نہیں یہ کامرس' بزنس' اکاؤنٹس کی خشک اور بور کتابیں تم لوگ کیسے پڑھ لیتے ہو۔ مجھے تو علی اور عمر پر حیرت ہوتی ہے' میرا تو ان بھاری بھرکم کتابوں کو دیکھتے ہی بی پی ہائی ہونے لگتا ہے۔"

"بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔" علی نے اس کے جواب میں لقمہ دیا تو وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ کنزیٰ خاموشی سے اٹھ کر ڈائننگ روم میں آ گئی' جہاں صالحہ خالہ خاصے خراب موڈ کے ساتھ کھانا لگوا رہی تھیں۔

"خالہ! طبیعت ٹھیک ہے؟" اس نے پیچھے سے جا کر ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے پوچھا تو وہ ایک لمحے کو خاموش ہو گئیں اور پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"اس گھر کے تو دستور ہی نرالے ہیں۔ نہ کسی کے آنے کے اوقات ہیں نہ جانے کے' گھر کو سرائے سمجھ رکھا ہے۔ ابوبکر کی شادی کی کہ چلو گھر میں کچھ رونق ہو گی' مگر بہو صاحبہ انگلینڈ میں ماں باپ کے گھر ضد لگا کر بیٹھی ہیں' ابوبکر کو انگلینڈ میں برانچ کھول کر دیں' رات شوکت بھائی اور ابوبکر کے درمیان خاصا جھگڑا ہوا ہے اور اب وہ تیسرے نمبر والا عثمان کہہ رہا ہے کہ سبیلہ سے شادی کرنی ہے۔ فیشن کا چلتا پھرتا نمونہ' زبان دراز اور سارے جہان کی پھوہڑ لڑکی۔ عقیلہ نے اپنی بیٹیوں کو اور کچھ نہیں لڑکے پھانسنے کے طریقے ضرور سکھائے ہیں۔ دوسری بلا میرے عمر کے پیچھے لگی ہے' دیدوں میں حیا ہی نہیں۔ لڑکے بھی کیا کریں جب کوئی دائیں بائیں خود پھر رہے ہیں۔"

"خالہ! یہ عقیلہ کون ہے؟" اس نے حیرت سے دریافت کیا' آج اس پر نت نئے انکشاف ہو رہے تھے۔

"علی کی ماں کی خالہ زاد بہن ہے۔ میاں نے...... طلاق دے دی تھی' اس کے لچھن دیکھ کر اور اب اپنی دونوں سوغاتیں میرے بھائی کے بیٹوں کے پیچھے لگا دی ہیں۔" صالحہ خالہ کا موڈ ٹھیک ٹھاک خراب تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ رومیلا ان کو نظر انداز کئے مسلسل عمر سے محو گفتگو تھی اور آج تو عثمان اور سعد بھی گھر پہ تھے۔ وہ خاموشی سے دیکھتی رہی۔

❖ ❖ ❖

اس کے فرسٹ سمسٹر کا رزلٹ آ گیا تھا' اس کی فرسٹ پوزیشن سب کیلئے حیرت انگیز تھی۔ شوکت صاحب نے اس کے ناں ناں کے باوجود اچھی خاصی پارٹی کا اہتمام کر لیا تھا۔ خالہ صالحہ نے اس کیلئے خصوصی طور پر سفید سوٹ جس پر سفید ہی موتیوں کا کام تھا بوتیک سے خریدا تھا۔ وہ اسے اس فنکشن میں کسی سے کم نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔

"تمہارے بال تو ماشاء اللہ بہت پیارے اور گھنے ہیں۔" اس کے گھٹنوں تک آتے لمبے بال دیکھتے ہوئے انہوں نے توصیفی لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

کپڑے بدل کر ہلکے میک اپ کے ساتھ جب وہ باہر آئی تو صالحہ خالہ نے بے ساختہ اس کی پیشانی چوم کر "ماشاء اللہ" کہا۔ اسے فوراً اماں یاد آ گئی تھیں۔ سلیقے سے دوپٹہ پھیلائے وہ خالہ کے ساتھ انتظامات کا جائزہ لے رہی تھی' جب بلیک ڈنر سوٹ میں اندر آتے شوکت صاحب اور عمر اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے۔

"السلام علیکم ماموں......!" اس نے ہڑبڑا کر سلام کیا۔

"ماشاء اللہ' آج لگ رہی ہے ناں میری بیٹی۔" انہوں نے بے ساختہ اسے ساتھ لگا کر پیار دیا تھا۔

پھر کوٹ کی جیب سے والٹ نکال کر ہزار ہزار کے کچھ نوٹ صالحہ خالہ کی طرف بڑھائے۔

"آج میری بیٹی کا صدقہ ضرور دے دینا۔ کہیں نظر نہ لگ جائے۔" ان کے لہجے میں محبت اور شفقت کے رنگ تھے۔

"خبردار وائٹ پری! رونا نہیں۔ مسکارا خراب ہو جائے گا۔" علی نہ جانے کدھر سے آیا تھا' اس کے گھرکنے پر وہ سارے آنسو پی کر بمشکل مسکرائی۔ عمر مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھے۔ کنزیٰ کے دیکھنے پر بھی ان کی محویت ختم نہیں ہوئی تھی' ان کی سراہتی نظریں آج نہ جانے کیوں کنزیٰ کو اچھی لگ رہی تھیں۔

وہ سب نگاہوں کا مرکز بنی رہی' وہیں سیاہ رنگ کی ساڑھی میں سلیولیس بلاؤز' بوائے کٹ بالوں والی عقیلہ آنٹی کو سرِعام اسموکنگ کرتے دیکھ کر اسے دھچکا تو لگا۔ عجیب مرد مار قسم کی خاتون تھیں۔ ان کی دونوں بیٹیاں بھی اپنے بے باک لباس اور انداز سے لوگوں کی توجہ کا محور

بنی رہیں۔

شوکت صاحب اسے مختلف بزنس کمیونٹی کے لوگوں سے ملواتے رہے تھے۔ ان کا لہجہ فخریہ اور انداز میں شفقت نمایاں تھی۔

"اور وہیں بزنس ڈنر میں پہلی دفعہ آذر حیات کی بے باک نظروں کو اپنے وجود پر جما ہوا دیکھ کر وہ کوفت کا شکار ہوئی' ماموں شوکت کا لحاظ کئے بغیر وہ اس سے خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھانے کے دوران اسے اکیلا دیکھ کر وہ پھر وہاں چلا آیا۔

"میں نے بھی آئی بی اے سے ایم بی اے کیا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟" اس نے تپ کر دل میں سوچا تھا' لیکن خاموش رہی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ خاصی ریزروسی پرسنالٹی ہیں۔" وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"جی میں صرف سلیکٹو لوگوں سے فرینک ہوتی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ یہ میری خامی ہے' لیکن بعض اوقات میں سوچتی ہوں کہ یہ ایک اچھی عادت بھی ہے۔"

"اوہ ویری نائس! تو آپ ان سلیکٹو لوگوں میں ہمیں شامل کرنا پسند کریں گی؟" وہ بڑے پر اعتماد انداز میں اس پر نظریں جما کر بولا تھا۔

"کیوں......؟" اس کے سرد لہجے پر وہ بری طرح چونکا۔

"اس لئے کہ "آذر حیات" کا بزنس کی دنیا میں ایک نام ہے۔ لوگ میری ذہانت کی مثالیں دیتے ہیں اور ایم بی اے کے بعد جب آپ اس فیلڈ میں آئیں گی تو میرا ساتھ آپ کیلئے خاصا ہیلپ فل ہوگا۔" اس کے لہجے میں تفاخر نمایاں تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے مسٹر آذر حیات! میرا شمار ہرگز ان لوگوں میں نہیں ہوگا جو آپ کی ذہانت کی مثالیں دیتے ہیں' کیونکہ مجھے اپنا راستہ بنانا بہت اچھی طرح آتا ہے' رہی دوسری بات تو اس کیلئے بھی پیشگی معذرت' کیونکہ میں دوسروں پر انحصار کر کے اپنی کامیابیوں کے مینار بنانے والی لڑکی نہیں۔"

"ایکسکیوزمی!" عمر اچانک ہی سامنے آئے تھے۔ "آذر! تم ڈنر نہیں کر رہے اور کنزیٰ آپ کو پھپھو بلا رہی ہیں۔" عمر نے اس کے تپے تپے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے وہاں سے ہٹایا۔ صالحہ خالہ کے پاس پہنچنے پر اسے معلوم ہوا کہ حقیقتاً عمر نے اسے اس منظر سے غائب کیا تھا۔

✥ ✥ ✥

اگلے دن وہ یونیورسٹی نہیں گئی۔ اماں کا فون آیا تھا۔ اس کی پوزیشن کا سن کر رونے لگیں تو اس کا بھی دل خراب ہوگیا۔ ہونٹوں کو بے دردی سے کچلتے ہوئے وہ بے آواز رو رہی تھی۔ جب سعد اندر آیا تھا۔ میڈیکل کی موٹی سی کتاب اٹھائے وہ بری طرح ٹھٹکا۔

"حیرت ہے میں تو سمجھتا تھا کہ آپ بہت بہادر ہیں۔" وہ پہلی دفعہ اس سے مخاطب ہوا تھا' کنزیٰ نے تیزی سے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں صاف کیں۔

"آپ کو کس نے کہا؟" وہ بھیگے لہجے میں بولی تو اس کے بچکانہ انداز پر سعد کے چہرے پر ایک مہربان سی مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ وہ خاصا کم گو سا تھا اور زیادہ تر ہوسٹل میں رہتا تھا' ایک ہی شہر میں گھر ہونے کے باوجود بھی۔

"بھئی رات ڈنر میں جو آپ نے آذر حیات کی اچھی خاصی عزت افزائی کی ہے۔ میں اور عمر بھائی کچھ فاصلے پر کھڑے خاصے لطف اندوز ہوئے اور جب علی کو بتایا تو وہ بھی خوب ہنسا۔"

"یہ موصوف کون ہیں؟" اس کے ذہن میں آذر کا چہرہ نمودار ہوا تو تلخ لہجے میں اس نے سعد سے پوچھا' جو دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ رومیلا کے بڑے بھائی اور آنٹی عقیلہ کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ بزنس کمیونٹی کا ایک اہم نام۔"

"سبحان اللہ' یہ سارے ہی بہن بھائی ایسے ہیں؟" اس کے طنزیہ لہجے پر سعد ایک دفعہ پھر خوشگوار انداز میں بولا۔

"کیسے ہیں؟"

"لیچڑ' لسوڑے اور خوش فہم۔"

"اوہ مائی گاڈ! اتنی مختصر اور جامع تعریف ہرگز کسی نے بھی عقیلہ آنٹی کے خاندان کی نہیں کی۔ مزہ آ گیا۔" اس کے ہنسنے پر کنزیٰ کا موڈ بھی خاصا بہتر ہوگیا' اندر آتا ہوا علی اسے ہنسا دیکھ کر حیرت سے بولا۔

"ہائیں آج عید تو نہیں اور نہ ہی تمہاری منگیتر صاحبہ کی آمد متوقع ہے۔ میرا ڈاکٹر بھائی صرف ان دو موقعوں پر مسکراتا ہے اور آج تو قہقہے لگ رہے ہیں' لگتا ہے کنزیٰ نے لطیفے

سنائے ہیں۔" اور پھر سعد کے بتانے پر وہ بھی خاصا محظوظ ہوئے تھے۔

موسم تیزی سے بدل رہا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ ہر طرف پھول خوش نما رنگوں میں کھلے نظر آتے تھے۔ شوکت ولا میں آج کل اداسی ٹھہر گئی تھی۔ ابوبکر اپنی مسز کے پاس انگلینڈ شفٹ ہوگئے تھے اور اس بات کو شوکت صاحب نے دل پر لے لیا تھا۔ انہیں ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔

کنزیٰ کا تیسرا سمسٹر چل رہا تھا' لیکن وہ سب کچھ بھلائے ان کی تیمارداری میں لگی تھی۔

اس دن وہ کچھ بہتر تھے' جب بلیک سوٹ میں انتہائی پژمردہ اور نڈھال سی کنزیٰ کو انہوں نے آہستگی سے اپنے پاس بلایا۔

"کنزیٰ! ادھر آؤ بیٹے میرے پاس۔"

"کیا ہوا ہے بیٹے؟" کنزیٰ نے بے اختیار ان کا ہاتھ تھام لیا' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"ماموں پلیز ٹھیک ہو جائیں۔"

"ارے میرا بیٹا گھبرا گیا۔" انہوں نے متوحش سی کھڑی کنزیٰ کو اپنے ساتھ لگایا تھا' وہ ان کے کندھے سے سر ٹکا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اندر آتے عمر بے اختیار ٹھٹک گئے' صالحہ پھپھو کچھ دیر پہلے ہی گھر گئی تھیں اور اس وقت کمرے میں وہ شوکت ماموں کے ساتھ تنہا تھی۔ عمر کے پیچھے کھڑے آذر حیات نے بھی حیرت سے یہ منظر دیکھا۔

"ارے میرا بیٹا تو بہت بہادر ہے۔ وہ نالائق ابوبکر اگر باپ کو تنہا چھوڑ گیا تو کوئی بات نہیں۔ دیکھنا ہم ماموں بھانجی کیسے بزنس کو ترقی دیتے ہیں۔ مجھے اپنی بیٹی کی صلاحیتوں پر اعتبار ہے۔" انہوں نے مدھم لہجے میں اسے دلاسہ دیا تو کنزیٰ کی سسکیاں اور بھی تیز ہوگئیں۔

"کنزیٰ پلیز خود کو سنبھالیں!" عمر نے بے اختیار کنزیٰ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا۔ اس نے فوراً سر اٹھایا' پھر کمرے میں داخل ہوتے آذر کو دیکھ کر اس نے لاشعوری طور پر اپنے دوپٹے کو پھیلایا تھا۔

"اوہ مائی گاڈ! میں تو مان ہی نہیں سکتا کہ آپ اتنی ایموشنل بھی ہوسکتی ہیں۔" آذر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بے یقینی سے بولا۔ وہ چپ رہی۔

"عمر! تم میری بیٹی کو گھر چھوڑ کے آؤ۔ رات سے ادھر ہے۔ دیکھو کتنی کمزور ہوگئی ہے۔

عثمان' ڈاکٹر شمس سے ملنے گیا تھا' ذرا ان سے پوچھ کر بتاؤ کہ مجھ بوڑھے کو کب رہائی دیں گے۔ اور آذر بیٹا! آپ یہاں آ کر بیٹھو۔ اسی دوران عثمان اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر بھی تشویش اور فکرمندی کے سائے تھے۔

"عثمان! ڈاکٹر شمس سے کہو کہ باقی ٹریٹمنٹ گھر آ کر دے دیں۔ میں اگر دو دن مزید یہاں رہا تو میری بیٹی بیمار ہو جائے گی۔ کنزیٰ بیٹے! گاڑی ڈرائیو کرنی تو آتی ہے نا؟"

بابا کے شگفتہ لہجے پر عثمان نے چونک کر ان کے پاس بیٹھی کنزیٰ کو دیکھا جو ٹشو سے سرخ ناک صاف کر رہی تھی۔

"آپ آج کل یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہیں؟" آذر کی پرشوق نظریں اس کے وجود پر جمی ہوئی تھیں۔

"کیوں آپ کو نہیں پتا کہ میں کس وجہ سے نہیں جا رہی؟" اس کے طنزیہ لہجے پر وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔ عمر نے چونک کر پہلے کنزیٰ اور پھر آذر کی طرف دیکھا اور اسی وقت فیصلہ کر لیا۔

"چلو کنزیٰ! تمہیں گھر چھوڑ آؤں۔"

وہ بھی فوراً جانے کیلئے تیار ہوگئی۔ واپسی کا راستہ خاموشی سے کٹا۔ گھر پہنچ کر سامنے اماں کو دیکھ کر اس پر شادیٔ مرگ طاری ہوگئی۔

"اماں......!" اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔ وہ بھاگ کر ان کے گلے لگ گئی جبکہ اماں بھی والہانہ انداز میں اس کا منہ چوم رہی تھیں۔

"اماں! آپ کمزور ہوگئی ہیں؟" اس نے فکرمندی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو وہ پھیکی سی ہنس کر بولیں۔

"بس بچے! اب کمزور ہی ہونا ہے' عمر ہی ایسی ہے تم بتاؤ تمہارا سکول کیسا جا رہا ہے؟"

"اماں سکول نہیں یونیورسٹی۔" اس کی تصحیح پر اماں سادگی سے بولیں۔

"بیٹا! وہی' میں نے تو ساری زندگی سکول کی بھی شکل نہیں دیکھی۔ مجھے کیا پتا اور میری بیٹی کا دل تو لگ گیا تھا نا؟" وہ چہرے پر تشویش لئے اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

"لو دل کی کیا خوب کہی' شوکت بھائی کی لاڈلی ہے' سعد اور عمر آتے جاتے اس کا حال احوال پوچھتے ہیں اور علی کے ساتھ خوب دوستی ہے اس کی۔ اور تو اور رات عثمان بھی کہہ رہا تھا

کہ پھوپھو کنزیٰ کو ہسپتال سے واپس بلالیں' کہیں بیمار نہ ہوجائے۔ میری بیٹی کی جان اٹکی ہوئی تھی بیمار ماموں میں۔" خالہ صالحہ نے بے اختیار اس کا ماتھا چوما تھا۔

"اور عقیلہ نہیں آئی کیا؟" اماں کے آہستگی سے پوچھنے پر خالہ صالحہ بلبلا اٹھیں۔

"ارے سلطانہ! کس کا ذکر کردیا۔ اس کی وجہ سے تو گھر میں فساد پھیلا ہوا ہے۔ ایک ہمارا بچہ ابوبکر ہمیں چھوڑ کر انگلینڈ چلا گیا۔ دوسرے اس کی چلتر بیٹیاں میرے بھتیجوں کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں۔ پتا نہیں کیا جادو کیا ہے جو عثمان کی ایک ہی رٹ ہے کہ شادی کروں گا تو سبیلہ سے' شوکت بھائی تو بالکل نہیں مان رہے۔ پتا نہیں کیا بنے گا۔"

ہاتھ میں پکڑی تسبیح کو زور زور سے گھماتی خالہ صالحہ کے لہجے میں تلخی نمایاں تھی۔

"اوہ......!" کنزیٰ کو ماموں کی بیماری کی ساری وجہ سمجھ میں آگئی۔

"وہ دوسری چڑیل جوان جہان لڑکے کے کمرے میں گھسی رہتی ہے' میرے عمر کو اتنی عقل کہاں کہ ان کم بختوں سے نبٹ سکے۔" خالہ صالحہ کا اشارہ یقیناً رومیلا کی طرف تھا۔

"تو جوان جہان بیٹا نہ لفٹ کروائے۔" کنزیٰ کے ذہن میں تلخ سا خیال ابھرا' لیکن وہ خاموش رہی۔ اماں تو دو دن رہ کر چلی گئیں' لیکن اسے اداس کر گئی تھیں۔ اس کی پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا تھا' اس نے مسلسل تیسرے سمسٹر میں بھی ٹاپ کیا تھا اور شوکت صاحب نے اسے زیرو میٹر سوزوکی کار گفٹ کی تھی۔ وہ کافی دیر بے یقینی سے کار پر ہاتھ پھیر پھیر کر دیکھتی رہی۔ اسے حقیقتاً یہ تحفہ بہت اچھا لگا تھا۔

✤❖✤

اس دن وہ کیمپس سے آئی تو پورچ میں شوکت صاحب' عثمان' عمر اور علی کی گاڑیاں دیکھ کر اس نے رسٹ واچ میں ٹائم دیکھا جو دوپہر کے تین بجا رہی تھی۔ اس وقت پر وہ کم ہی اکٹھے ہوئے تھے۔ وہ کچھ سوچتی ہوئی اندر آگئی' جب ٹی وی لاؤنج میں شوکت صاحب کی تیز آواز سن کر وہ ٹھٹھک کر وہیں رک گئی۔

کنزیٰ کا دل بری طرح دھڑکا۔

"خبردار اگر کسی نے کنزیٰ کا نام بھی لیا تو' میں نے اسے بھانجی نہیں بیٹی بنا کر اس گھر میں رکھا ہے اور اس کے تمام تر فیصلے کرنے کا حق بھی میں رکھتا ہوں۔ اس کی ماں' میرے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھما کر گئی تھی۔"

"لیکن بابا! آپ کنزیٰ سے پوچھ کر تو دیکھیں۔" عثمان نے لجاجت سے ان سے منت کی تو ہاتھ اٹھا کر بولے۔

"میں جانتا ہوں بہت اچھی طرح کنزیٰ کو' وہ ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والی لڑکی نہیں۔ بہت سمجھدار بچی ہے' سمجھے۔"

"لیکن بابا آذر جیسے لڑکے کو کوئی لڑکی آسانی سے نظرانداز نہیں کرسکتی۔" وہ کمزور لہجے میں بولا۔ کنزیٰ کی سانسیں رکنے لگیں' سارا معاملہ اسے سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"کیوں آذر میں کون سے ہیرے جڑے ہوئے ہیں' اس کا بزنس اس کی "محنت" سے کم اس کی ماں اور بہنوں کی "محنت" سے زیادہ چل رہا ہے۔"

"بابا! آپ الزام لگا رہے آنٹی اور سبیلہ لوگوں پر۔" عثمان بھڑک اٹھا۔

"تو بیٹا یہ الزام تو بزنس کمیونٹی کا ہر بندہ لگا رہا ہے۔ تم کس کس کو روکو گے۔" بابا نے اسے آئینہ دکھایا تو وہ کھو کے رہ گیا۔

"تم سمجھا دو اپنی عقیلہ آنٹی اور ان کے بیٹے آذر کو اگر وہ آرام سے اپنی بیٹی کا رشتہ تمہیں دیتے ہیں تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اس شرط پر رشتہ کریں گے کہ میں ان کے آوارہ مزاج بیٹے کو کنزیٰ کا رشتہ دوں گا۔ آئی ایم سوری۔ میری بھانجی فالتو نہیں ہے اور نہ ہی ان کی بیٹی سبیلہ اس قابل ہیں جو میں تمہارے رشتے کی خاطر ان کی یہ فضول شرط مان لوں۔"

اس کا دل ایک دم کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔ وہ قصداً انجان بن کر ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی' سامنے صوفے پر انتہائی غصے میں شوکت صاحب اور ان کے ساتھ افسردہ سی صالحہ خالہ بیٹھی تھیں' ایک صوفے پر عمر' علی اور سعد تھے جبکہ دوسری طرف کے سنگل صوفے پر عثمان انتہائی اضطراری انداز میں بیٹھا تھا' وہ سب اسے دیکھ کر بری طرح چونکے تھے۔ اس نے ایک نظر میں پورے کمرے کے سرد ماحول کا جائزہ لیا۔

"ادھر آؤ کنزیٰ بیٹے! میرے پاس......" شوکت صاحب کے لہجے میں واضح طور پر تبدیلی آئی تھی۔ وہ سنبھل کر ان کے پاس جا بیٹھی۔

"بیٹا! تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے؟"

اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں انہیں دیکھا۔

"تمہارے لئے آذر حیات کا پرپوزل آیا ہے۔ تمہاری کیا رائے ہے اس کے متعلق؟"

عثمان نے اضطراری انداز میں پہلو بدلا۔ وہ خود بھی ان کے دوٹوک انداز پر ڈر گئی۔

"ہاں بولو بیٹا! تمہاری رائے میرے لئے نہایت اہم ہے۔" ان کے اکسانے پر وہ دھیمے مگر مضبوط لہجے میں بولی۔

"ماموں جان! میں نے آپ کو ہمیشہ اپنے باپ کی جگہ دیکھا ہی نہیں سمجھا بھی ہے۔ میرے لئے آپ کی رائے اہم ہے۔ ظاہر ہے ایک باپ اپنی بیٹی کیلئے کوئی غلط فیصلہ نہیں کرسکتا۔" ماموں نے فخریہ انداز سے عثمان کی طرف دیکھا۔

"آپ کی آذر حیات کے متعلق کیا رائے ہے۔ وہ اچھا خاصا ایجوکیٹڈ اور اسٹیبلش بندہ ہے۔" عثمان نے اب کہ خود پوچھا تھا جبکہ کمرے میں موجود تمام افراد خاموش تھے۔

"اگر ماموں کو پسند ہے تو ٹھیک ہے لیکن......" وہ رکی۔

"لیکن کیا......؟" عمر بے اختیار بولے تھے۔

"لیکن ذاتی طور پر مجھے وہ شخص پسند نہیں۔" اس نے اٹک اٹک کر کہا۔

ماموں نے ایک دم ہی اطمینان بھرا سانس لیا تھا جبکہ عمر اور علی کے چہرے کے تاثرات میں بھی واضح تبدیلی آئی تھی' مگر عثمان کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ دوڑ گیا' وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

✤ ❖ ✤

آج شام کو کافی دن کے بعد وہ لان میں نکلی تھی۔ ڈوبتے سورج کا منظر اسے بھی اداس کر گیا۔ اندھیرا بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا۔ وہ جوتے اتار کر گھاس پر چلنے لگی۔ لان کے کونے میں لوہے کی باڑ کے اندر دو مور اداسی سے ٹہل رہے تھے۔ اسے یاد آیا کہ علی پچھلے ہفتے انہی موروں کے جوڑے کا ذکر کررہا تھا۔

"کیا ہوا اداس ہو......؟" عمر نہ جانے کب اس کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔

"پتا نہیں......" اس نے افسردگی سے کہا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا جو آذر حیات کے پرپوزل سے انکار کردیا۔"

"اچھا......؟ حالانکہ میرا خیال ہے کہ آپ کو ذاتی طور پر وہ فیملی خاصی پسند ہے اور آپ کا ووٹ بھی ادھر ہوگا۔" وہ قنوطیت سے گویا ہوئی جبکہ اس کے اس انداز پر عمر بری طرح چونکے۔

"ضروری نہیں کہ آپ کا ہر خیال درست ہو۔" وہ صاف گوئی سے بولے۔

"کیا عثمان بھائی مجھ سے ناراض ہیں؟" بے اختیار کنزیٰ کے منہ سے پھسلا۔

"کیوں؟ وہ کیوں ناراض ہونے لگے؟ اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہر شخص کو ہے۔ کیا عثمان نے کچھ کہا؟"

"نہیں میں نے ایسے ہی اندازہ لگایا تھا۔" اس نے فوراً عمر کی غلط فہمی دور کی۔

"سبحان اللہ' کیا بات ہے آپ کے اندازوں کی' ویسے بائی دا وے میرے بارے میں آپ کے اندازے کیا کہتے ہیں؟" عمر کا لہجہ گہرا اور آنکھوں میں ان کہے جذبے ہلکورے لے رہے تھے' کنزیٰ کا دل کسی خوشگوار احساس سے دھڑک اٹھا' قدرے جھینپ کر اس نے نظریں چرالیں۔

✤ ❖ ✤

اگلے دن کیمپس میں عمر کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی اور سیمینار روم میں سٹیج پر پروفیسرز کے

درمیان اسے بیٹھے دیکھ کر وہ گرتے گرتے بچی۔ بینکنگ کے حوالے سے ان کا لیکچر خاصا مفید اور اہم تھا۔

"عمر شوکت کا لیکچر ہر سال بڑا جامع اور آسان الفاظ پر مشتمل ہوتا ہے۔" خولہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی' ساتھ بیٹھی حمنیٰ کو بتا رہی تھی۔

"موصوف آئی بی اے کے گولڈ میڈلسٹ ہیں اور سپیشلائزیشن کر کے آئے تھے۔ اور بہت چھوٹی عمر میں "سٹیٹ بنک" کے آڈٹ ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں' اپنے مضمون پر انہیں کمانڈ حاصل ہے اور سب سے اہم بات "ان میرڈ ہیں"' بات کے اختتام پر حمنیٰ کا لہجہ شرارتی ہو گیا۔ کنزیٰ کا بے اختیار جی چاہا کہ وہ عمر کے حوالے سے اپنا رشتہ ان کو بتائے' لیکن دانستہ خاموش رہی' تاہم سیمینار کے آخر میں انہیں خود بخود پتا چل گیا تھا' جب عمر بڑے استحقاق سے اس کی جانب آئے اور وہ جو اپنے گروپ کے ساتھ خوش گپیوں میں مگن تھی' انہیں اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر بوکھلا کر رہ گئی جبکہ وہ بے نیازی سے پوچھ رہے تھے۔

"کنزیٰ! اپنی گاڑی پر آئی ہو یا بابا کے ساتھ؟"

"صبح تو بابا کے ساتھ ہی آئی تھی' کیوں؟" اس کا اعتماد بحال ہوا۔

"میں گھر ہی چل رہا ہوں' چلنا ہے تو چلو' کیونکہ بابا کو پتا ہے کہ میرا آج تمہارے ڈیپارٹمنٹ میں لیکچر ہے۔ وہ سمجھیں گے کہ تم میرے ساتھ جاؤ گی۔ اس لئے شاید وہ ڈرائیور نہ بھجوائیں۔" اپنی بات مکمل کر کے انہوں نے اسے بغور دیکھا جو فیروزی کلر کے سوٹ میں دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے خاصی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ اس کے آس پاس کھڑی لڑکیاں خاصی حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"اب ہمیں پتا چلا کہ کنزیٰ کے ٹاپ کرنے کی وجہ آپ ہیں۔" حمنیٰ نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں کہا تھا۔

"کیا مطلب؟" وہ الجھ گئے۔

"ظاہر ہے آپ سٹڈی میں کنزیٰ کی ہیلپ کرتے ہوں گے' تب ہی اس کے نوٹس اتنے جامع ہوتے ہیں۔" عمر نے ایک نظر اس کے تپے تپے چہرے پر ڈالی اور شرارت سے بولے۔

"بھئی آپ کی کنزیٰ صاحبہ کسی سے نہیں پڑھتیں' یہ تو خود مجھے پڑھاتی ہیں۔"

"اچھا......!" وہ سب بے ساختہ ہنس دیں۔

آج تو کنزیٰ کا موڈ بھی خاصا بہتر تھا۔ عمر اپنے کی جاننے والے سے مل رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی پارکنگ کی طرف چل دی تھی' جب اچانک آذر اس کے سامنے آیا تھا۔ وہ ٹھٹک گئی۔

"آپ نے میرے پرپوزل سے انکار کیوں کیا؟" اس کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی۔ وہ شاید عمر کی موجودگی سے بے خبر تھا۔

"کیونکہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تھی۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"تم کیا سمجھتی ہو خود کو......؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"جو میں ہوں وہی سمجھتی ہوں۔ کم از کم آپ کی طرح اوور اسٹیمیٹ نہیں کرتی خود کو۔"

"ٹھیک کہتی ہیں مما کہ تم انکل شوکت کی کروڑوں کی جائیداد پر نظر رکھے ہوئے ہو۔ کوئی نہ کوئی بیٹا تو پٹے گا ہی۔ وہی مڈل کلاس لڑکیوں والی راتوں رات امیر ہونے والی سوچ۔" اس نے سفاکی سے کہا جبکہ کنزیٰ اس کی بات پر تلملا اٹھی۔

"کنزیٰ کی ماں' ایسی عورت نہیں ہے' جو اپنی بیٹی کو بے ہودہ ہتھکنڈے سکھائے۔ تم کنزیٰ سے ڈائریکٹ بات کرنے کے بجائے گھر آ کر ہم سے بات کرو تو زیادہ بہتر ہو گا۔" عمر کی آواز پر آذر بے اختیار کھسیاہٹ کا شکار ہوا تھا جبکہ کنزیٰ کے حلق میں آنسوؤں کا گولا پھنسنے لگا۔

وہ جیسے ہی شوکت ولا میں داخل ہوئے تو انہیں پورچ میں کھڑی گاڑیوں سے غیر معمولی پن کا احساس ہوا' وہ جیسے ہی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو ٹھٹھک گئے۔ خالہ صالحہ منہ پر دوپٹہ رکھے بے آواز رو رہی تھیں۔ شوکت صاحب بھی خاموش اور نڈھال سے تھے جبکہ عثمان اور علی کی آنکھوں میں بھی رنجیدگی صاف پڑھی جا رہی تھی' کنزیٰ کو دیکھ کر خالہ صالحہ کی سسکیاں مزید تیز ہو گئیں۔

"کیا ہوا خالہ؟" اس کی آواز کانپ رہی تھی جبکہ خالہ اسے گلے سے لگا کر اونچی آواز میں رونے لگیں۔

"خالہ کیا ہوا ہے؟" وہ متوحش سی ان سے پوچھ رہی تھی۔ بے اختیار شوکت صاحب نے اٹھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا اور گلوگیر لہجے میں بولے۔

"سلطانہ چلی گئی تمہیں چھوڑ کر' تین دن ہوگئے' اسے فوت ہوئے اور کسی نے ہمیں بتایا ہی نہیں۔"

"کیا......" حیرت اور صدمے سے وہ گنگ رہ گئی۔ ابھی پندرہ دن پہلے اماں اس سے ملی تھیں اسی صوفے پر جہاں نڈھال سے شوکت صاحب بیٹھے تھے۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد وہ ہوش وحواس سے بیگانہ تھی۔

✤✤✤

آج پورے پانچ دن کے بعد اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی۔ خالہ صالحہ کو دیکھتے ہی اس کی آنکھیں برسنے لگتیں۔

"خالہ! اماں کیسے جاسکتی ہیں؟ ابھی تو میں نے ان سے جی بھر کے لاڈ بھی نہیں کیے تھے۔ ساری زندگی ان کو اپنے دوسرے شوہر کا خوف رہا۔ کبھی گھر میں مجھے کوٹھریوں میں چھپاتیں تو کبھی ہوسٹل بھجوا دیتیں۔ انہوں نے ایک بھی لمحہ سکھ کا نہیں گزارا' ابھی تو میں نے جاب کر کے اپنا علیحدہ گھر لینا تھا۔ ماں کے رشتے کو محسوس کرنا تھا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔" وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔

صالحہ خالہ نے اسے اپنے ساتھ لگالیا۔

"سلطانہ کو شاید پتا تھا کہ اس کو چلے جانا ہے۔ تب ہی پچھلی دفعہ وہ اپنے زیورات' کچھ رقم اور گھر کے کاغذات میرے حوالے کر گئی تھی۔"

"بس کریں پھپھو! آپ اسے مزید رلا رہی ہیں۔" عمر نے آکر بیچ میں مداخلت کی۔ جس پر کنزیٰ اپنے آپ کو سنبھالنے لگی۔

"ساری زندگی اماں مجھ سے جھوٹے وعدے کرتی رہیں۔ کبھی کہتی تھیں کہ ہوسٹل سے آؤ گی تو ہم ماں بیٹی حیدرآباد والے گھر میں ایک مہینہ اکٹھے گزاریں گے۔ کبھی کہتی تھیں میں تم سے ملنے ہوسٹل آؤں گی۔ ساری زندگی مجھے بہلاوے دیئے۔ آخری دفعہ جاتے ہوئے کہہ رہی تھیں کنزیٰ تمہاری اچھی سی جاب ہوجائے تو پھر میں تمہارے پاس ہمیشہ کیلئے آجاؤں گی اور اب خاموشی سے چلی گئیں۔ کبھی نہ آنے کیلئے۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"بس بیٹا! اللہ اسے اگلے سفر میں آسانیاں دے۔ میں نے تو یونہی تمہارے پڑوس میں فون کیا تھا۔ سلطانہ کا فون آئے ایک ہفتہ ہوچکا تھا اور وہیں سے اطلاع ملی کہ اسے تو یہ دنیا

چھوڑے تین دن ہوگئے ہیں۔ پھر بھائی شوکت نے بھی فون کر کے کنفرم کیا۔ مجھے تو امجد علی پر افسوس ہو رہا ہے کہ سگی بیٹی تک کو اطلاع نہیں دی۔"

"خالہ مجھے ایک دفعہ بہاولپور جانا ہے۔" اس نے اچانک ہی فرمائش کی تھی۔

پھر شوکت صاحب اور عمر کے ساتھ بہاولپور کے اس جانے پہچانے محلے میں داخل ہوتے ہی اس کی طبیعت خراب ہونے لگی تھی۔

سبز لکڑی کے دروازے کو پار کر کے ڈیوڑھی سے صحن میں داخل ہوتے ہی اس کی آنکھیں برس پڑیں۔ سامنے برآمدے کے ایک کونے میں سرخ اینٹوں کا چولہا وہیں تھا' جہاں اماں بیٹھا کرتی تھیں۔ گھر کے دونوں کمروں کے دروازے کھلے تھے۔ ایک کمرے سے میلا سا کرتا اور دھوتی پہنے اندر سے نمودار ہونے والے امجد علی کیلئے یہ مہمان غیر متوقع تھے۔ شوکت صاحب اور عمر کی شخصیت اور کھلے دروازے کے باہر کھڑی گاڑی ان کو مرعوب کرنے کیلئے کافی تھی۔ ان کا چھوٹا بیٹا بھی ہڑبڑا کر باہر نکلا۔ امجد علی کھسیاہٹ کے مارے اپنے کندھے پر پڑے صافے سے برآمدے میں پڑی کرسیوں کو جھاڑنے لگا۔

"بس جی پتا ہی نہیں چلا سلطانہ بیگم کی موت کا' رات کو بازو میں درد کی شکایت کر رہی تھی' میں نے حکیم سے پڑی لاکر کھلائی۔ آدھی رات کو بس دیکھتے ہی دیکھتے چٹ پٹ ہوگئی' ڈاکٹر کہتا ہے کہ ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔"

وہ نڈھال قدموں سے دائیں طرف کے کھلے دروازے سے کمرے میں آگئی' جو ان کے زیر استعمال تھا۔ ان کا لوہے کا ٹرنک کھول کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ سامنے ہی ان کا سبز کلر کا سوٹ سلیقے سے تہہ کیا رکھا تھا' جو آخری دفعہ کراچی آتے ہوئے انہوں نے پہنا تھا' کونے میں اماں کی کانچ کی چوڑیاں' دنداسہ' پاؤڈر اور کچھ اور استعمال کا سامان تھا' وہ روتے روتے فرش پر بیٹھ گئی' اندر آتے عمر نے تاسف سے اسے دیکھا تھا۔

"کنزیٰ......!" اس کے تنبیہی انداز پر اس نے بے دردی سے اپنی آنکھوں کو مسلا۔ اس تین مرلے کے گھر میں ہر طرف اماں کی خوشبو تھی۔

"نہ رو' مرنے والی کو تجھ سے بہت محبت تھی۔ اسے تکلیف ہوگی۔" امجد علی کی ہمدردی پر کنزیٰ کا دل چاہا کہ پلٹ کر اسے جواب دے کہ جب زندگی میں اس کی تکلیف کا احساس نہیں کیا تو اب کیوں کر رہے ہو؟ لیکن وہ خاموش رہی۔

برآمدے میں شوکت صاحب اور عمر خاموشی سے ہاتھ میں کولڈ ڈرنکس تھامے بیٹھے تھے۔

وہ خاموشی سے صحن میں پڑی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اس کی طرف دیکھ کر امجد علی بڑے خوشامدی لہجے میں بولا۔

"میں نے تو کہا تھا سلطانہ سے کہ کنزیٰ کا نکاح میرے بیٹے سے کر دے‘ گھر کی لڑکی گھر میں رہ جائے گی۔ وہ بولی کہ اس کی منگنی میں نے بچپن ہی میں کراچی میں کر دی ہے اور پھر غصے میں اسے کراچی چھوڑ آئی۔ اب کہ آئی تو کہہ رہی تھی کہ کنزیٰ کا نکاح اس کے ماموں نے کہیں کر دیا ہے اور وہ بہت خوش ہے۔

وہ تینوں ہی اس بیان پر بری طرح چونکے تھے۔

"جانے کون سے حالات تھے جن سے مجبور ہو کر اماں نے یہ جھوٹ بولا تھا۔" وہ سوچ کر ہی اسے رونا آنے لگا۔

"ہاں‘ میرے بیٹے سے ہی ہوا ہے کنزیٰ کا نکاح‘ یہ جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے اس سے۔" شوکت صاحب کے پراعتماد لہجے پر کنزیٰ کو شاک لگا۔ اس نے الجھن بھری نظروں سے انہیں دیکھا جبکہ عمر بھی خاصا پرسکون تھا۔ امجد علی اور اس کا بیٹا خاصے مرعوب انداز میں انہیں دیکھ رہے تھے۔

ان سے پوچھ کر اس نے اماں کی استعمال شدہ چیزیں ایک بیگ میں ڈال لیں۔ تھوڑی دیر بعد امجد علی نے ایک شاپر لا کر اسے پکڑایا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ دو لان کے سوٹ ہیں۔ ساتھ والی ہمسائی بتا رہی تھی کہ ایک ہفتہ پہلے اتوار بازار سے وہ اس کے ساتھ تمہارے لئے لائی تھی‘ لیکن زندگی نے مہلت نہیں دی۔"

وہ شاپر پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

گاڑی میں سامان رکھ کر وہ پلٹی اور اپنے بیگ کو کھول کر کچھ کاغذات نکالے اور امجد کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ اماں کے حیدرآباد والے گھر اور دکانوں کے کاغذ ہیں۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ آپ بیچ کر یہ گھر ٹھیک کروا لیجئے گا یا کوئی کاروبار کر لیجئے گا۔"

امجد علی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

وہ خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گئی اور آنکھیں صاف کرتے ہوئے اس نے پرسوچ انداز

میں شوکت صاحب کی طرف دیکھا‘ جو مسکرا رہے تھے۔

"بہت اچھا کیا بیٹا! تم نے وہ کاغذات ان کو دے دیئے۔"

"بس ماموں! انہوں نے اماں کا آخری تحفہ مجھ تک پہنچا دیا اور امانت میں خیانت نہیں کی‘ جس کی مجھے ان کی طرف سے توقع نہیں تھی۔ اس لئے میرا دل چاہا کہ میں انہیں کچھ زیادہ بہتر چیز دوں تاکہ وہ میری اماں کو ہمیشہ اچھے الفاظ میں یاد کریں۔" وہ سادگی سے مسکرائی اور یہ پہلی مسکراہٹ تھی جو عمر نے اس کی ماں کی وفات کے بعد کنزیٰ کے چہرے پر دیکھی تھی۔

"پتا ہے ماموں! اماں کے شوہر نے پہلی دفعہ کوئی چیز اپنے ہاتھ سے اپنی مکمل رضامندی سے دی ہے‘ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آ رہا۔"

"فکر مت کرو کاغذات لے کر وہ بھی ابھی تک بے یقین ہوں گے۔" عمر نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

"بابا! وہ جو آپ نے امجد صاحب کے گھر میں میری شادی کی بات کی تھی‘ اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" عمر کے شرارتی لہجے پر ماموں شوکت بے ساختہ ہنس دیئے۔

"کون سی بات......؟"

"کنزیٰ یاد کرواؤ نا......؟" عمر کے ذومعنی لہجے پر وہ بری طرح جھینپ گئی۔

"لو ایک صاحبزادے کے سر سے عشق کا بھوت اترا اور دوسرے پر چڑھ گیا۔" وہ کھل کر ہنسے۔

"کیا مطلب بابا......؟" عمر نے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

"بھئی وہ عثمان کی نہ ہونے والی ماڈرن ساس عقیلہ صاحبہ کو میں نے عثمان کو عاق کرنے کی دھمکی دی تو انہوں نے فوراً راستہ بدل لیا۔ آج کل سبیلہ صاحبہ‘ ہمدانی صاحب کے امریکہ پلٹ بیٹے کے پیچھے ہیں‘ جو ہمدانی کی کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث ہے۔"

"اچھا تب ہی آپ اتنا ریلیکس ہیں۔" عمر نے بھی اطمینان بھرا سانس لیا۔

"ہاں مزید ریلیکس تب ہوں گا جب کنزیٰ کی ماں کی بات کا پاس رکھوں گا‘ بیٹا! تمہارا اس نالائق کے بارے میں کیا خیال ہے؟" انہوں نے پلٹ کر اسے دیکھا جو پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"وہی جو آپ کا ہے۔" آہستہ سے کہہ کر اس نے سر جھکا لیا۔

"کیا مطلب......!" عمر نے اسے بری طرح گھورا' جن کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"بیٹا! میرا خیال تو نیک ہے۔" وہ خاصے شگفتہ لہجے میں بولے۔

"تو میں بھی تو آپ ہی کی بیٹی ہوں۔" اس کے ڈپلومیٹک جواب پر وہ دونوں ہی بے ساختہ مسکرا دیئے۔

کنزیٰ نے پرسکون ہو کر گاڑی کی پشت سے ٹیک لگائی' آنکھیں بند کرتے ہی دو آنسو پلکوں پہ آ ٹھہرے' اسے لگا تھا کہ اللہ نے اس کی ماں کی عمر بھر کی ریاضت اور دعاؤں کو قبول کر لیا تھا اور جس کے صلے میں اسے ایسے گھر سے نواز دیا جہاں بے شمار خوشیاں اس کی منتظر تھیں۔

❖❖❖

آنکھوں کے پار چاند

بارش کی شدت کم ہو کر ہلکی ہلکی پھوار میں تبدیل ہونے لگی تھی برآمدے میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھی "انا" صحن میں تسلسل سے گرتی بوندوں کو انہماک سے دیکھے جا رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ گردن اٹھا کر گرجتے برستے آسمان کو بھی دیکھ لیتی جہاں سیاہ بادل آج مکمل برسنے کے موڈ میں تھے ...... یوں لگتا تھا جیسے آسمان سے ایک عظیم الشان، صاف شفاف پانیوں والی آبشار نے زمین کی طرف رخ کر لیا ہو۔

چھاجوں برسنے والے مینہ کا تسلسل اب ٹوٹ گیا تھا...... آم کے درخت کی ڈالیوں میں چھپی کوئل کوکنے لگی تھی۔ انا سے کچھ فاصلے پر پڑے تخت پر نیم دراز خالو جان کی بے چین نظریں سبز لکڑی کے گیٹ پر تھیں جہاں سے "سعدی" نے آنا تھا، جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ خالو جان کی بے چینی اور بے قراری اب کوفت اور جھنجلاہٹ میں بدلنے لگی تھی ......

"خاک ترقی کرے گی آج کی نسل، کچھ احساس نہیں ہے وقت کا، جہاں کام کے لئے بھیجو، واپس آنا بھول جاتے ہیں، اب دیکھو، برخوردار صبح سے گیا ہے اور واپسی کی کوئی خبر نہیں۔" وہ گردن اچکا کر سبز گیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے تھے......

برآمدے کے کونے میں بنے چھوٹے سے کچن میں سل پر کیریوں کی چٹنی پیستی سروری خالہ نے بے زاری سے اپنے میاں کی آواز سنی اور سر پر لئے لان کے دوپٹے سے چہرے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے وہ گرمی سے بے حال باہر نکلیں۔

"کچھ خدا کا خوف کریں میاں صاحب! ایک تو طوفانی بارش میں پرائے بچے کو آپ نے بازار بھجوایا، صبح سے پہلے چڑھتی آندھی اور اس کے بعد دھواں دھار بارش میں بھی اس بچے کی شرافت تھی جو آپ کے کہنے پر جن قدموں سے آیا تھا، ان ہی پر واپس لوٹ گیا۔ اپنی اولاد

پر تو بس نہیں چلتا، اور دوسروں پر زور زبردستی کرتے ہیں......"

"وہ، دوسرا نہیں میرا سگا، بھانجا ہے......" خالو جان نے چڑ کر یاد دلایا۔

"ہاں اسی کا تو ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔" سروری خالہ نے بیزاری سے دوبدو جواب دیا اور برآمدے میں لگے بیسن پر لگے بوسیدہ شیشے کا خیال آیا تو توپوں کا رخ انا کی طرف مڑ گیا۔

"ہزار دفعہ اس لڑکی کو کہا ہے کہ گیلا کپڑا لے کر کبھی اس آئینے کو بھی صاف کر دے مگر اس زمانے بھر کی ست، کاہل اور کام چور لڑکی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی......"

انا نے سستی سے لمبی جمائی لی اور سامنے صحن کی صرف دیکھا...... وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

"پتا نہیں کہاں رہ گیا ہے، بندہ ایک فون کر کے خیریت کی اطلاع ہی دے دیتا......"

خالو جان اب غصے سے بڑبڑائے تھے...... سروری خالہ نے بھی تشویش بھری نظروں سے گرجتے برستے آسمان کو دیکھا اور فکر مندی سے بولیں۔

"آجائے گا، ٹینشن کاہے کو لیتے ہیں...... یہ کھانا کھائیں آپ سکون سے، آپ کی پسند کی کھڑی مسور کی دال اور بگھارے چاول ہیں، خدا غارت کرے واپڈا والوں کو، لگتا ہے کہ پتھر کے دور میں واپس چلے گئے ہیں۔" سروری خالہ کھانے کی ٹرے تخت پر رکھ کر ہاتھ سے پنکھا جھلنے لگیں جبکہ خالو جان نے نظر اٹھا کر بھی ٹرے کی طرف نہیں دیکھا تھا حالانکہ وہ کھانے پینے کے خاصے شوقین تھے......

"اب تو زندہ رہنا ہی عذاب ہو گیا، کاہے کو غریب زندہ رہیں گے، اے اناج، روٹی بھاجی سب کی قیمتوں کو لگتا ہے پر لگ گئے ہی، انسان اب بھلا کیا کمائے؟ غضب خدا کا، ایسی کمر توڑ مہنگائی بھلا کہاں سنی تھی۔ آٹا، دال، سبزی، پھل سب کچھ مہنگا کر دیا گورنمنٹ نے، خدا غارت کرے ان کو، صبح سے فالسے کا شربت پینے کا دل کر رہا تھا مگر قیمت سن کر تو مانو کرنٹ ہی لگا، توبہ توبہ......" سروری خالہ اپنے میاں کی بے توجہی کے باوجود حسب عادت اپنے دل کے پھپھولے پھوڑنے میں مصروف تھیں......

انا نے بیزاری اور کوفت سے سروری خالہ کو دیکھا جو جھالر والے ہاتھ کے پنکھے کو اتنی زور سے نہیں جھل رہی تھیں جتنی تیزی اور رفتار سے وہ بول رہی تھیں......

"اے انا! تم کون سے خیالوں میں گم ہو، اٹھ کر کٹو بیگم کے ڈربے کا دروازہ کھول دو،

صبح سے بارش کے ڈر سے بے چاری کو بچوں سمیت قید کر رکھا ہے۔ ذرا ڈربے کے اندر جھانک کر دیکھو، ننھی جانیں ہیں، گرمی تو بڑے بڑوں کے ہوش اڑا رہی ہے، کہیں ان معصوموں کو کچھ ہو نہ جائے......" سروری خالہ نے ٹرے اپنی طرف کھسکائی، بے تکلفی سے روٹی کے اوپر دال رکھی اور آرام سے کھانے لگیں۔ خالو جان نے بیزاری سے انہیں کھاتے دیکھا اور پھر گیٹ کی طرف نظر ٹکا دی جہاں سے "سعدی" نے آنا تھا۔

وہ سامنے لگے وال کلاک پر نظریں ڈال کر ایک دفعہ پھر شروع ہو چکے تھے۔ "دنیا آگے کو جا رہی ہے اور ہمارے خاندان کے لڑکے سستی اور کاہلی کے ریکارڈ توڑ رہے ہیں، نوجوان ہیں۔ میں تین گھنٹوں میں چار دفعہ بازار کے چکر لگا کے آجاتا تھا اور ایک یہ زمانے بھر کا نکما سعدی ہے۔ صبح دس بجے کا گیا ہوا اور اب دوپہر کے دو بج رہے ہیں......" خالو جان حد درجہ بے زار ہو رہے تھے......

انا نے ڈربے کا دروازہ کھولا تو مرغیوں کی فوج بے تکلفی سے لان کی طرف بھاگ نکلی تھی۔ خالو جان اپنے غم میں ڈوبے ہوئے تھے ورنہ اس "طوفانی دورے، پر طوفان" ضرور کھڑا کر دیتے، انہیں اپنے ہاتھ کے لگائے ہوئے پودوں سے اپنی اکلوتی، اولاد سے بھی زیادہ پیار تھا...... وہ اب دوبارہ اپنی مطلوبہ جگہ پر بیٹھ کر باہر کا نظارہ کرنے لگی۔

بارش تقریباً رک چکی تھی بس ہلکی سی کن من تھی۔ آسمان پر بادل اب غائب ہو چکے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا نے حبس کی کیفیت کو خاصا کم کر دیا تھا......

"لو دیکھ لو، اس لڑکے نے اپنا موبائل بھی بند کر رکھا ہے، آئندہ ہرگز کسی کام سے نہیں بھیجوں گا اسے۔"

خالو جان نے اپنے موبائل سے شاید "سعدی" کا نمبر ڈائل کیا تھا......

"لو یہ کیا سیاسی اعلان ہے، اب اس عمر میں کیا سودا سلف لینے آپ خود منڈی جائیں گے، بینک میں بل جمع کروانے بس ایک دفعہ گئے تھے آپ، اور آج تک کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ ہزار کام کر دیتا ہے یہ اپنا سعدی، آپ خواہ مخواہ اپنا خون جلا رہے ہیں۔"

انا نے حیرت سے سروری خالہ کو دیکھا وہ اپنی اکلوتی نند سے جتنا خار کھاتی تھیں، اس کو اچھی طرح علم تھا اور بعض دفعہ تو وہ سعدی کو بھی جھاڑ دیتی تھیں لیکن وہ ڈھیٹ بنا ہنستا رہتا۔ ہر ڈانٹ کے بعد انا سمجھتی تھی کہ وہ ہرگز دوبارہ نہیں آئے گا، لیکن اگلے ہی دن وہ پھر خالو جان

کے لئے لائبریری سے بکس ایشو کروا کر بڑے نارمل انداز سے آتا تو انا کو ڈھونڈنے سے بھی اس کے چہرے پر کوئی ناراضی یا خفگی کا رنگ دکھائی نہ دیتا...... اور وہ جھنجھلا کر اس کے لئے چائے بنانے چل پڑتی کیونکہ اسے علم تھا کہ وہ آتے ہی خالو جان کے ساتھ کسی سیاسی یا علمی بحث میں الجھ جائے گا اور ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد ہی خالو اسے چائے بنانے کا آرڈر دے دیتے جس کے بعد سروری خالہ کے مہنگائی اور ''چائے کی پتی'' اور ''چینی'' مہنگی ہونے کے اعلانات اور بڑبڑاہٹ صرف انا کو سننی پڑتی۔ اور اس کے بارے میں انہیں پتا تھا کہ وہ بے ضرر سی سامع ہے......

''یہ برتن اٹھا کر کچن میں رکھ آؤ، تمہارے خالو تو آج صرف غصہ پییں گے اور انتظار کھائیں گے۔''

سروری خالہ کے ہلکے پھلکے لہجے پر انا نے چونک کر انہیں دیکھا...... ان کے چہرے پر بڑی دل جلا دینے والی مسکراہٹ تھی۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' خالو میدان میں اتر آئے تھے ان کا لہجہ خاصا تیکھا تھا۔

''بھئی۔ مطلب وطلب تو کچھ نہیں ہمارا، آپ بھی تو صبح سے گیٹ پر نظریں ٹکائے بیٹھے ہیں، لے آئے گا سعدی آپ کے صاحبزادے کا چار لائنوں کا خط، جس کے لئے آپ پچھلے چار گھنٹوں سے خون جلا رہے ہیں، حتیٰ کہ آپ کو پتا بھی ہے کہ موصوف نے کیا لکھا ہوگا۔ وہی دو چار سی رسمی باتیں، پاکستان آنے کا جھوٹا وعدہ اور بس۔''

''اپنی زبان بند رکھا کرو۔ سمجھیں۔'' خالو جان نے بڑی ناگواری سے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بات کرنے سے روکا۔

''لو میں نے کون سا غلط کہا ہے......'' سروری خالہ کے بے رحم لہجے پر انا نے خوف زدہ نظروں سے خالو جان...... کو دیکھا جو شعلہ بار نگاہوں سے ان کو گھور رہے تھے......

''لو آ گیا سعدی!'' سروری خالہ کے طنزیہ لہجے پر خالو جان ...... بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ انا نے بھی چونک کر سبز گیٹ کی طرف دیکھا۔

سروری خالہ کی نظریں اس کی موٹر سائیکل کے اسٹینڈ پر رکھے آلو بخارے اور خوبانیوں کے شاپر پر تھیں، اکثر و بیشتر تنخواہ ملنے پر وہ ایسی مہربانیاں کرتا رہتا تھا......

''سوری ماموں جان! میری موٹر سائیکل میں پٹرول ختم ہوگیا تھا اور اتنی بارش میں دور

دور تک کوئی پٹرول پمپ بھی نہیں تھا۔ پورے چار میل چل کر آیا ہوں۔'' وہ اتنی شرمندگی سے کہہ رہا تھا، گویا کوئی بہت بڑا جرم سرزد ہوگیا ہو۔

''گھر سے نکلتے ہوئے بندہ کم از کم پٹرول تو چیک کر لیتا ہے۔'' وہ کوفت زدہ آواز میں بولے تھے جبکہ نظریں سعدی کے شاپرز کا گھیراؤ کر رہی تھیں کہ مطلوبہ گوہر نایاب کہاں چھپایا ہوا ہے......

''آئے ہائے بیٹا! یہ وضاحتیں بعد میں دے لینا۔ پہلے وہ ''محبت نامہ'' تو بڑے میاں کو دکھا دو جس کے لئے صبح سے ناشتہ اور دوپہر کا کھانا تک بھلائے بیٹھے ہیں۔'' سروری خالہ کے طنزیہ لہجے پر سعدی نے ہڑبڑا کر اپنی پینٹ کی جیب سے نیلا لفافہ نکال کر ان کی طرف بڑھایا، جسے انہوں نے بڑی بے تابی سے پکڑا اور اپنی جیب سے عینک نکال کر کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ سروری خالہ نے انتہائی ناپسندیدہ نظروں سے یہ منظر دیکھا اور تلخی سے بولیں۔

''عبدالماجد صاحب! خیر سے فیصل میرا بھی اتنا ہی سگا اور اکلوتا بیٹا ہے جتنا کہ آپ کا، اس کی سوتیلی ماں نہیں ہوں میں جو، آپ اس کا خط مجھ سے چھپائے اندر گرمی میں گھسے جا رہے ہیں۔''

''لاحول ولا قوۃ، سخت بے وقوف اور بدگمان عورت ہو تم۔ میں تو اس لئے اندر جا رہا تھا کہ ''باہر'' تمہاری قینچی کی طرح چلتی زبان سکون سے خط پڑھنے نہیں دے گی، اندر اطمینان سے بیٹھ کر پڑھوں گا، اور تم رائی کا پہاڑ بنا رہی ہو۔ ٹھیک کہتے ہیں سیانے، عورت کی عقل گھٹنوں میں ہوتی ہے۔'' خالو جان جھلا گئے تھے......

''ممانی جان! میں آپ کے لئے خوبانیاں لے کر آیا تھا، ذرا ٹھنڈی کریں، مل کر کھاتے ہیں۔'' سعدی نے حسب معمول طوفان کے آگے بند باندھنے کے لئے سروری خالہ کی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کی ناکام کوشش کی۔ آگے پیچھے تو وہ بہل جاتی تھیں لیکن آج تو خالو جان خاصے بدلحاظ ہوئے ہوئے تھے......

''اے رہنے دو میاں! میں کون سا تمہاری خوبانیوں کے سر پر بیٹھی ہوئی تھی اپنے ماموں جان کو کھلاؤ، جو کسی آئے گئے کا لحاظ کئے بغیر شروع ہو جاتے ہیں، ساری زندگی انہوں نے پورے خاندان کے سامنے مجھے بے عزت ہی کروایا۔ تب ہی تو سارا خاندان میرے سر پر کھڑے ہو کر ناچتا ہے۔ صبح سے یوں بیٹے کے خط کے منتظر تھے کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے

ڈاکیا نہیں آئے گا، تمہیں ڈاک خانے دوڑا دیا اور اب بھی یوں خط بغل میں دبا کر اندر چل دیئے جیسے میں فیصل کی سوتیلی ماں ہوں، ساری زندگی اس خبطی مرد کے لئے غارت کر دی لیکن پھر بھی مجھے پیروں کی جوتی سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔" سروری خالہ منہ پر دوپٹہ رکھ کر رونا شروع ہو چکی تھیں۔

سعدی نے بے بسی سے کھانے کے برتنوں کی ٹرے اٹھائے کھڑی "انا" کو دیکھا جو پریشانی سے کبھی سروری خالہ کو تو کبھی کمرے میں آرام سے خط پڑھتے ماجد خالو کو دیکھ رہی تھی۔

"ممانی جان! دفع کریں، آپ کو پتا ہے کہ ماموں جان کی ایسی ہی عادت ہے، ذرا زبان کے تیز ہیں، بول بال کے بھول جاتے ہیں، آپ تو بہت ہمت اور صبر والی خاتون ہیں، ورنہ ماموں جان کے ساتھ کوئی کم ہمت عورت گزارا کر سکتی تھی......" انا نے سخت حیرانی سے اسے دیکھا جو سروری خالہ کے کندھے بہت محبت سے دباتے ہوئے شروع ہو چکا تھا اور انا کو معلوم تھا کہ ٹھیک پندرہ منٹ کے بعد ممانی جان صاحبہ بھی سب کچھ بھول بھال کے اپنی مرغیوں اور پچھلے صحن میں بندھی بکری کی خوراک کے بارے میں مشورے لے رہی ہوں گی۔

وہ ایسا ہی تھا منٹوں میں بے تکلف ہو کر سارے مناظر کو اپنی پسند کے مطابق ڈھال لیتا۔ کبھی کبھی تو انا کو اس پر بے تحاشا رشک آتا......اور کبھی اس کی روزانہ آمد اسے جھنجھلاہٹ کا شکار کر دیتی لیکن اس کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ وہ اپنی باتیں اور اپنے جذبات و احساسات سے انجان ہی رہتا تھا۔

انا نے کچن کی کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا مطلع صاف ہو چکا تھا......اس نے دوپہر کے کھانے کے برتن دھوئے اور سلیقے سے رکھے...... سروری خالہ کا خوشگوار موڈ اور ہنسنے کی آوازیں سن کر اس نے اب اطمینان سے بیسن گھول کے پکوڑوں کا سامان تیار کیا اور ساتھ ہی چائے کے لئے پانی چولہے پر رکھا......

پکوڑوں کی ایک پلیٹ نکال کر اس نے دم کی ہوئی چائے کپوں میں ڈالی اور سلیقے سے ٹرے میں برتن رکھ کر باہر آئی تو ماجد خالو کچھ فاصلے پر کرسی پر بیٹھے اخبار کا مطالعہ کرنے میں مگن تھے، اسے آتا دیکھ کر مسکرائے......

"شکر ہے گھر میں کسی کو میرے کھانے کا بھی خیال آیا، صبح سے بھوکا پیٹ بیٹھا ہوں، مجال ہے کہ کسی نے پوچھا ہو......"

ماجد خالو کے شرارتی لہجے پر سروری خالہ نے شکایتی نظروں سے پہلے "انا" اور پھر "سعدی" کی طرف دیکھا اور خفگی کے اظہار کے طور پر جواب دینے سے گریز کیا۔

"صبح سے خالہ تو کئی دفعہ آپ سے کھانے کا پوچھ چکی ہیں آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ بھوک نہیں ہے۔" انا نے یونہی وضاحت دی حالانکہ اس وضاحت کی قطعاً ضرورت نہیں تھی

"اے بی بی! رہنے دو! جب بندہ منہ پر جھوٹ بول رہا ہو تو اگلا بندہ اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ ویسے پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے ہیں اور جھوٹ بولتے ہوئے حیا نہیں آتی۔" چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے وہ اس دفعہ خاموش نہیں رہ سکی تھیں۔

"انا بیٹا! تم خود بتاؤ، صبح سے اعلان ہو رہے تھے کہ آپ کی پسند کی کھڑی مسور کی دال اور بگھارے چاول پکائے ہیں اور میرے سامنے بیٹھ کر پوری پلیٹ صاف کی، بندہ اتنا بھی بھوکا اور ندیدہ نہ ہو......" خالو جان کا موڈ خاصا خوشگوار تھا لگتا تھا کہ بیٹے کا خط پڑھ کر طبیعت باغ و بہار ہو چکی تھی تب ہی سروری خالہ سے چونچیں لڑائی جا رہی تھیں۔

اس دفعہ سروری خالہ نے جواب دینے سے گریز کیا تھا۔ وہ پکوڑوں کی پلیٹ کی طرف متوجہ تھیں۔

انا نے دوسری دفعہ کے تیار پکوڑے پلیٹ میں نکالے اور چولہا بند کر دیا اور اس دفعہ پلیٹ لا کر خالو جان کے سامنے رکھ دی تھی۔

"شاباش! میری بیٹی بہت محبت والی اور سعادت مند ہے، اس گھر میں اگر یہ نہ ہو تو میرا کیا بنے......" خالو جان کے محبت بھرے انداز پر سروری خالہ نے طنزیہ لہجے میں سعدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھ لو اپنے ماموں کے انداز، جیسے باقی تو ان کے دشمن ہیں، بندوقیں اٹھا کر ان کے پیچھے گھومتے ہیں نا۔"

"زبان کے چلتے کارتوس تو سعدی کافی دیر سے دیکھ رہا ہے۔"

"ہاں آپ کی زبان سے تو جیسے پھول جھڑ رہے ہیں۔"

"اللہ کا شکر ہے، اہل زبان ہوں۔ اردو میں ڈاکٹریٹ کر رکھی ہے۔ ایک زمانہ مجھ سے مستفید ہوتا ہے۔ یہ تو گھر والوں نے قدر نہیں کی۔" خالو مکمل موڈ میں تھے۔

"گھر والے پاگل جو ہوئے، آپ کے دشمن ٹھہرے، وہ کیوں کرنے لگے قدر؟" خالہ کے طنزیہ لہجے پر انا نے گھبرا کر سعدی کو دیکھا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ اس موقع پر سیز فائر کرنا ضروری ہے......

"ماموں جان! کیوں خالہ کو تنگ کر رہے ہیں۔ یہ بتائیں فیصل نے کیا لکھا ہے؟ کب آئے گا پاکستان؟" سعدی کی بات پر سروری خالہ نے مشکور نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ یہ سوال تو وہ بھی کرنا چاہ رہی تھیں لیکن خالو جان بیٹے کا خط اندر کہیں چھپا آئے تھے اور تازہ ترین جھڑپ کی وجہ سے وہ ڈائریکٹ پوچھنے سے احتراز کر رہی تھیں۔ خالو جان چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے اطمینان سے بولے تھے۔

"برخوردار کا ابھی تو کوئی پاکستان آنے کا پروگرام نہیں، البتہ کوئی سالانہ ایک ہفتے کی چھٹیاں ہو رہی ہیں اس کے لئے وہ امریکہ سے کینیڈا جانے کا ارادہ رکھتا ہے....."

"لو یہ کیا بات ہوئی، کینیڈا میں اس کا کون بیٹھا ہے جس سے ملنے جائے گا۔ خواہ مخواہ پیسوں کا زیاں۔"

سروری خالہ نے ماتھے پر آیا پسینہ پونچھا۔

"ہر وقت پیسوں کی ہی فکر کرنا، پہلے کون سا پیسے بچا بچا کر تم نے وائٹ پیلس کھڑا کر لیا ہے جو اب مزید کرنا ہے، جوان خون ہے، گھومنے پھرنے کو دل کر رہا ہوگا۔" خالو جان چڑ گئے تھے۔

"بات سنیں میری عبدالماجد صاحب! یہ میری ہی بچتیں تھیں جو یہ دس مرلے کے گھر میں بڑی شان سے بیٹھے ہیں اور میری بچتوں کی وجہ سے ہی فیصل پچھلے دو سال سے امریکہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ ورنہ تمہارے تو پورے خاندان کو بس کھانے، پینے، گھومنے اور فضول خرچیاں کرنیکا ہوکا ہے، تب ہی ابھی تک کرائے کے گھر میں دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔"

سروری خالہ کے تلخ لہجے پر سعدی نے بے اختیار پہلو بدلا تھا کیونکہ یہ ڈائریکٹ اس کے خاندان کی طرف اشارہ تھا۔ انا اچھی طرح جانتی تھی کہ صباحت پھپھو پچھلے دو سالوں سے اپنا گھر بنانے کے لئے کوششوں میں مصروف تھیں لیکن کمر توڑ مہنگائی ان کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔

"ہزار دفعہ کہا ہے کہ میرے خاندان کو بیچ میں مت لایا کرو، عجیب جاہل اور بے وقوف

عورت ہے، میں چاہوں تو تمہارے خاندان کے بھی بخیے ادھیڑ سکتا ہوں، سب کے کچے چٹھے سے اچھی طرح واقف ہوں، میری زبان نہ کھلواؤ۔"

ماجد خالو کی غصے سے لبریز آواز سن کر اس نے گھبرا کر چائے کے خالی برتن اٹھائے اور کچن کی طرف چل پڑی۔ سروری خالہ اور ماجد خالو کی ایک دفعہ پھر جنگ شروع ہو چکی تھی۔

"تم روز روز کی اس لڑائی سے تنگ نہیں ہوتی ہو؟" وہ پتا نہیں کب سے کچن کے دروازے میں کھڑا اسے برتن دھوتے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں، بلکہ اگر یہ نہ لڑیں تو گھر کی خاموشی سے وحشت ہوتی ہے۔" انا کی سنجیدہ آواز میں دی گئی وضاحت پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

"بڑی عجیب سی منطق ہے تمہاری، سچ پوچھو تو میں تو اکثر سوچتا تھا کہ ماموں اور ممانی کی لڑائی سے انا تو بہت ڈسٹرب ہوتی ہو گی، لیکن آج پتا چلا ہے کہ تم لڑائی "نہ" ہونے سے ڈسٹرب ہوتی ہو۔ میں بتاتا ہوں ممانی جان کو۔" اس نے بڑے خوشگوار انداز سے دھمکی دی۔

"بتا دیں، وہ یقین نہیں کریں گی۔"

"کیوں؟" اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ انا زیادہ باتیں نہیں کرتی، اپنے کام سے کام رکھتی ہے۔" وہ اب صافی سے ہاتھ صاف کر رہی تھی۔

"یہ تو ہے۔" سعدی نے فوراً تائید کی، وہ ویسے بھی بہت صلح جو اور دوستانہ طبعیت کا حامل تھا۔ اسے اچانک یاد آیا۔

"تم نے ایم اے کی تیاری شروع کی یا نہیں؟ وہ جو کتابیں اور سلیبس میں تمہارے لئے لایا تھا۔ مجھے لگتا ہے کہ تم نے کھول کر بھی نہیں دیکھی ہوں گی۔ ہے نا؟" سعدی کے پر اعتماد لہجے پر انا نے چونک کر اسے دیکھا۔

'یہ بندہ اندازے ہنڈرڈ پرسنٹ درست لگاتا ہے۔' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

"آپ کو کیسے پتا چلا؟"

سعدی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ "او مائی گاڈ! اتنی نالاق اور سست لڑکی سے ہر بندہ یہی توقع رکھ سکتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سارا وقت کرتی کیا ہو، گھر کے تین بندوں کا آخر کام ہی کتنا ہوتا ہے؟ اوپر سے ممانی جان خود بھی ماشاء اللہ خاصی ایکٹو خاتون ہیں بلکہ تم سے

زیادہ ایکٹو ہیں۔ ہر وقت متحرک رہتی ہیں، لیکن ان کی قسمت دیکھو، بہو سنی سست اور نلمی ملی ہے۔ فیصل کے آنے سے پہلے پہلے ایم اے کرلو تو اچھا ہے......"

سعدی کے پرخلوص مشورے پر اس کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کو پھیکی ہوئی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اپنے سامنے کھڑے بندے کو دیکھا۔ جس کے ساتھ اس کی شناسائی کو پورے پانچ سال ہوگئے تھے اور وہ بہت عرصے کے بعد اس سے کچھ بے تکلف ہوئی تھی اور اس میں بھی سعدی کی کوششوں کا عمل دخل زیادہ تھا۔

'اگر نہ کروں تو؟' وہ بولی نہیں تھی لیکن اس کے چہرے پر لکھا صاف نظر آرہا تھا۔

"بھئی۔ میں تو بہت مخلصانہ سا مشورہ دے رہا ہوں کیونکہ فیصل اسٹڈی کے معاملے میں حد درجہ کونشس بلکہ کریزی بندہ ہے۔ میرا کلاس فیلو رہا ہے اگر ٹیسٹ میں یا ویسے میرے اس سے دو تین نمبر زیادہ آجاتے تھے تو اس کی راتوں کی نیندیں اڑ جاتی تھیں، وہ اور زیادہ محنت شروع کر دیتا تھا...... اسے نالائق اور سست لوگوں سے بہت چڑ ہوتی ہے۔" وہ بات کے اختتام پر کچھ شوخ ہوا۔

"پھر میں کیا کروں؟" انا کے لہجے میں اکتاہٹ کا تاثر تھا۔

"کرنا کیا ہے؟ آرام سے ایم اے کرو، سمجھیں؟" وہ اپنی ریسٹ واچ پر نظریں دوڑاتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں بولا تھا۔

"اے سعدی! تم یہاں کھڑے ہو، میں سمجھی تھی کہ شاید چلے گئے، تمہاری ماں کی طبیعت ٹھیک ہے؟ اس ہفتے اس نے یہاں کا چکر نہیں لگایا۔" سروری خالہ اچانک کچن میں آن پہنچی تھیں۔ وہ جو رات کے لئے آٹا گوندھ رہی تھی۔ اس نے چونک کر خالہ کے طنزیہ لہجے کو سنا جبکہ سعدی شاید ان کے طنز کو سمجھا نہیں تھا یا پھر جان بوجھ کر نظر انداز کر گیا تھا۔

"امی جان آج کل کچھ مصروف تھیں۔ ابو کا بی پی کچھ ہائی رہنے لگا ہے۔ پھر کرن اور ارم کے ایگزام بھی تو ہو رہے ہیں آج کل۔"

"اے انا! تمہیں ہزار دفعہ کہا ہے کہ صرف تین روٹیوں کا آٹا گوندھا کرو۔ پرسوں بھی دو روٹیوں کا آٹا بچ گیا تھا، ساری رات بجلی غائب ہونے کی وجہ سے فریج بند رہا اور صبح خراب ہو گیا۔ کچھ پتا بھی ہے کہ گندم کس بھاؤ بک رہی ہے آج کل۔ مہنگائی نے ہر طرف آگ لگا رکھی ہے۔" سروری خالہ نے ناگواری سے اسے ٹوکا تو اس نے پرات میں پڑا خشک آٹا نکال کر

پلیٹ میں رکھ دیا۔

"اے سعدی! حمنیٰ کے رشتے کا کچھ بنا؟ وہ جو پچھلے ہفتے لوگ دیکھنے آئے تھے، کیا کہا انہوں نے؟" سروری خالہ کو اچانک یاد آیا تو تجسس سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے ممانی جان! کہ وہ بات تو شاید ختم ہوگئی تھی، امی کچھ بتا تو رہی تھیں لیکن مجھے یاد نہیں......" اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے انا کو دیکھا جو بڑی مہارت سے آٹا گوندھ رہی تھی۔

"آئے ہائے لوگوں کی تو بات ہی نہ کرو، ان کے تو دماغ خراب ہوئے ہوئے ہیں خاص طور پر لڑکے والوں کے۔ حمنیٰ بے چاری کچھ رنگت میں بھی مار کھاتی ہے، گھر بھی اپنا نہیں، اوپر سے بھائی صاحب نے بھی وقت سے پہلے ریٹائرمنٹ لے لی، سچ پوچھو تو دنیا بہت خود غرض ہوگئی ہے۔ اب تو لڑکے کا رشتہ کرنے سے پہلے بھی لوگ کئی چیزیں دیکھتے ہیں۔"

سروری خالہ کے تلخ لہجے پر انا کے ہاتھ ایک لمحے کو ساکت ہوگئے تھے۔ اس نے فوراً مڑ کر سعدی کا تاریک چہرہ غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

جبکہ سروری خالہ اطمینان سے بے خبر فریج میں جھانک رہی تھیں۔

'خالہ بھی بعض دفعہ حد کر دیتی ہیں۔' انا نے جھنجھلا کر سارا غصہ آٹے پر نکالا تھا۔

"اب تو حمنیٰ کے بعد کرن اور ارم بھی بی اے کر کے فارغ ہو جائیں گی اور سچ پوچھو تو تینوں میں کوئی فرق نہیں لگتا۔ ساتھ کھڑی ہوں تو پتا ہی نہیں چلتا۔ کون بڑی ہے اور کون چھوٹی، اپنی ماں کو مشورہ دینا کہ تینوں میں سے جس کا رشتہ آئے فوراً کر دے۔ آج کل وہ دور نہیں کہ "بڑی" کے لئے "چھوٹی" کی عمر بھی نکال دی جائے......" لگتا تھا وہ ماجد خالو سے ہونے والی جنگ کی بھڑاس آج ادھر نکالنے کے موڈ میں تھیں۔

انا نے ایک نظر سعدی کے سپاٹ چہرے پر ڈالی اور سنک میں ہاتھ دھوتے ہوئے بولی۔

"مجھے سلیبس کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا، کسی دن حمنیٰ آپی کو لے آئیے گا۔ میں ان کے ساتھ ڈسکس کرلوں گی۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" وہ بمشکل مسکرایا تھا۔ "بلکہ حمنیٰ آپی تو کئی دن سے کہہ رہی تھیں کہ ماموں ممانی اور انا سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا ہے بلکہ مجھ سے لڑ رہی تھیں کہ تم بینک سے وہیں چلے جاتے ہو، کسی دن مجھے بھی لے چلو۔" اسے نہ جانے کیوں لگا تھا کہ انا نے صرف

اور صرف بات کو بدلنے کے لئے اس سے کہا ہے۔

"ہاں میاں! ضرور لے آؤ، تمہارے ماموں جان بہت خوش ہوں گے بلکہ جس دن ان کا کوئی، اپنا، آیا ہو، اس دن تو ان کی زبان کی دھار دیکھنے کے قابل ہوتی ہے......" سروری خالہ نے فریج سے سر نکال کر طنزیہ انداز سے کہا۔ پھر یاد آنے پر بولیں۔

"اے انا! یہ فریج میں صبح چار ٹماٹر پڑے تھے اور اب ایک بھی نہیں......"

"خالہ! صبح دو دال میں اور دو چاولوں میں بھی تو ڈالے تھے؟" سعدی کے سامنے ایسی وضاحتیں اسے بہت کوفت میں مبتلا کرتی تھیں۔

"کیوں؟ دو ٹماٹروں سے گزارا نہیں ہوتا تھا۔ لڑکی! تمہارا ہاتھ بہت کھلا ہے۔ کل سے کھانا میں خود بناؤں گی۔ تم تو چار دن کا راشن دو دن میں ختم کر دیتی ہو......"

"ٹھیک ہے۔" وہ آہستگی سے بولی تھی، اسے معلوم تھا کہ صبح تک خالہ یہ بات بھول بھال جائیں گی۔

"سعدی! تم جو خوبانیاں اور آلو بخارے لائے تھے، وہ باہر گرمی میں اب تک گل سڑ چکے ہوں گے۔" وہ اپنے مخصوص انداز سے بولی تھیں۔

"ابھی لاتا ہوں ممانی جان!" وہ فوراً باہر لپکا تھا۔

"دیکھ لو! اگر میں یاد نہ دلاتی تو اس نے ایسے ہی واپس لے جانا تھا، یہ تمہارے خالو کا خاندان ایک سے ایک چالاک اور چلتر لوگوں سے بھرا ہوا ہے اور یہ تو پھر صباحت کا بیٹا ہے جو میٹھی چھری ہے۔"

خالہ کا لہجہ خاصا دھیما تھا لیکن انا نے پھر بھی خوف زدہ نظروں سے کچن کے دروازے کی طرف دیکھا، جہاں سے سعدی کو واپس آنا تھا۔ لیکن خیریت رہی خالہ اب فریج کا دروازہ صافی سے صاف کرنے میں مگن تھیں اور خاموش تھیں۔

اس نے شاپر لا کر سیلف پر رکھ دیے۔ انا نے کن انکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا، وہ کسی گہری سوچ میں گم نظر آ رہا تھا۔ شاپر وہاں رکھ کر رکا نہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کے موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی آواز سن کر اس کا دل نہ جانے کیوں تاسف سے بھر گیا تھا۔ پھر رات کا کھانا کھاتے ہی عشاء کی نماز پڑھ کر وہ فوراً سونے کے لئے لیٹ گئی۔ حالانکہ سروری خالہ کا باتیں کرنے کا موڈ تھا لیکن اس کی بے توجہی محسوس کر کے وہ بھی خاموشی سے سو گئیں۔

❖❖❖

"پھپھو! آپ یہ فالسے کا شربت لیں۔ خالہ بس آتی ہوں گی۔" پچھلے تین گھنٹے میں اس نے تیسری دفعہ یہ فقرہ بولا تو صباحت پھپھو نے اپنے ازلی محبت و مروت بھرے انداز سے اسے دیکھا۔

"بیٹا! مجھے کوئی ٹینشن نہیں، میں اپنی بیٹی کے ساتھ باتیں کر رہی ہوں۔ تم آرام اور سکون سے اپنا کام نمٹاؤ۔"

"پتا نہیں خالہ کو اتنی دیر کہاں ہو گئی، مجھ سے کہہ کر گئی تھیں کہ سلیم صاحب کے ہاں افسوس کے لیے جا رہی ہوں، بس آدھے گھنٹے میں آ جاؤں گی۔ خالو جان بھی آج اپنے کالج کی طرف نکل گئے وہاں شاید کوئی پرانے کولیگس وغیرہ اکٹھے ہو رہے تھے اور جاتے جاتے کریلوں کی فرمائش کر گئے تھے، اس لئے میں خصوصی توجہ سے بنا رہی ہوں۔" اس نے بہت مودب انداز سے وضاحت دی تھی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا! تم یہ کریلوں والی ٹوکری اور قیمے والی آمیزہ باہر لے آؤ۔ دونوں پھپھو، بھتیجی مل کر بناتے ہیں۔" صباحت پھپھو کے مخصوص نرم لہجے پر وہ بے ساختہ مسکرائی اور سارا سامان باہر ان کے پاس ہی برآمدے میں لے آئی۔ اسے صباحت پھپھو کی ساری فیملی بہت اچھی لگتی تھی حالانکہ سروری خالہ ان سے بہت خار کھاتی تھیں۔

"بھابی بے چاری بھی کہاں گھر سے نکلتی ہیں، آج سوچا ہو گا کہ سارے ملنے ملانے والوں کے شکوے دور کر دوں۔ گھر سے نکلنا کہاں آسان ہوتا ہے، اب پچھلے ہفتے سے سوچ رہی تھی کہ بھائی جان کی طرف چکر لگاؤں لیکن کوئی نہ کوئی مصروفیت آڑے آ جاتی تھی۔" وہ کریلے میں قیمے کا آمیزہ بھرتے ہوئے بڑی سادگی سے اسے بتا رہی تھیں۔ گرے کلر کا دوپٹہ ماتھے تک بڑے سلیقے سے اوڑھے اپنے باوقار سراپے کے ساتھ وہ خاصی جاذب نظر لگتی تھیں۔

"پھپھو! کرن اور ارم کو بھی ساتھ لے آتیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے شوخ و شرارتی جڑواں ارم اور کرن بہت اچھی لگتی تھیں۔ وہ آتے ہی پورے گھر میں ہلچل مچا دیتیں۔ سروری خالہ کی مرغیوں اور بکری کی شامت آ جاتی اور سروری خالہ کے ماتھے کے بل گہرے ہوتے جاتے۔

"بیٹا! فیصل نے کچھ آنے کا بتایا کب پاکستان آئے گا؟" صباحت پھپھو کے سوال پر وہ

ایک لمحے کو خاموش رہ گئی...... پھر کچھ سنبھل کر بولی۔

"پتا نہیں، خالو جان بتا رہے تھے کہ اس سال تو آنے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"تو بیٹا! کب آنے کا ارادہ ہے؟ آخر کو چار سال ہو گئے ہیں، اوپر سے بھابی نے خوا مخواہ ضد کر کے تمہارا فیصل کے ساتھ نکاح کروا دیا۔ حالانکہ بچہ مان بھی نہیں رہا تھا۔" وہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں پھر دھیمے لہجے میں بولیں۔ "تمہیں فون وغیرہ تو کرتا ہے ناں؟"

ایک تاریک سایہ اس کے چہرے پر دوڑ گیا، وہ نفی میں سر ہلاتے ہلاتے اثبات میں سر ہلا گئی پھپھو کے چہرے پر کچھ اطمینان کے رنگ جھلکے تھے۔

کریلے کے اوپر باندھتے ہوئے دھاگہ بری طرح الجھ گیا تھا۔ صباحت پھپھو نے آرام سے اس سے پکڑ کر اسے سلجھا دیا تھا، وہ ممنون نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بس بیٹا! دعا کرو کہ کرن اور ارم سے پہلے میری ثمنی کا مسئلہ بھی سلجھ جائے۔ بیٹیوں کے مسئلے بہت نازک ہوتے ہیں جو رشتہ بھی آتا ہے، کرن یا ارم میں سے ایک پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ سچ پوچھو بہت بہت دل خراب ہوتا ہے بس اللہ کی مصلحتیں ہیں وہ جانے۔" صباحت پھپھو آج خاصے موڈ میں تھیں۔ ایک تو گھر میں کوئی اور تھا بھی نہیں اور دوسرے انا سے بہتر کوئی اور "سامع" انہیں مل بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے سب کی باتیں سنتی جاتی، بعض دفعہ تو ارم اور کرن کو اس پر سخت حیرت ہوتی۔

"تمہاری ماں ماشاء اللہ بہت سگھڑ اور سلیقہ مند تھی۔ تمہارے باپ کی اچانک موت پر اس نے بڑی حوصلہ مندی سے اپنی اکلوتی اولاد اور گھر کو سنبھالا، لیکن بے چاری خود بھی تھوڑی عمر ہی لے کر آئی تھی۔ تمہاری شادی کا اسے بہت چاؤ تھا۔ جب بھی بھابی کے پاس آتی تو اپنی اس خواہش کا اظہار ضرور کرتی تھی۔ لیکن افسوس......"

صباحت پھپھو کے رنجیدہ لہجے پر اس کا دل بھی دکھ سے بھر گیا تھا۔ حالانکہ ماں کی وفات کو پورے پانچ سال ہو گئے تھے لیکن اسے کل کی بات ہی لگتی تھی...... کام کرتے ہوئے اس کے ہاتھ سست ہو گئے تھے......

پھر کریلے فرائی ہونے کے لیے رکھ کر اس نے جلدی جلدی دوسرے چولہے پر روٹیاں پکالی تھیں۔ رائتہ بنا کر فارغ ہی ہوئی تھی جب سروری خالہ پسینہ سے شرابور ہانپتی کانپتی گھر پہنچی تھیں......

"توبہ توبہ اتنی گرمی۔ لگتا ہے کہ سورج زمین پر ہی آن پہنچا ہے، اوپر سے کم بخت واپڈا والوں کو اللہ غارت کرے، گرمی سے بے حال کر رکھا ہے...... اے صباحت! تم کب پہنچیں؟" ان کی نظریں کمرے سے نکلتی اپنی نند پر پڑیں تو گرمی کا احساس دوگنا ہو گیا تھا......

"بھابی! آپ گھر میں یو پی ایس کیوں نہیں لگوا لیتیں، اب تو ماشاء اللہ فیصل ہر ماہ پیسے بھجوا رہا ہے......" صباحت پھپھو کے خلوص دل سے دیئے گئے مشورے پر سروری خالہ کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہو گیا تھا......

"اے رہنے دو صباحت! میرا بیٹا پردیس میں اللہ جانے کیسے خون پسینہ بہا کر روزی کما رہا ہے اور میں یہاں لٹانا شروع کر دوں؟ دفع کرو ایسے خرچ کو۔ اچھا ہے جتنی دیر بجلی جاتی ہے، بجلی کے بل تو کم آئیں گے نا، یہاں تو مہنگائی نے طوفان مچا رکھا ہے۔ ہر روز نیا خرچہ نکل آتا ہے۔ اے تم کب آئیں؟ اور بچیاں نظر نہیں آ رہیں۔ گھر میں خاصا سکون ہے۔" سروری خالہ کے طنزیہ جملے پر صباحت پھپھو نے بے اختیار پہلو بدلا تھا۔ جبکہ سروری خالہ اب بہت سکون سے انا کے ہاتھ سے بنا روح افزاء پی رہی تھیں۔

"بس کافی دنوں سے بھائی جان کو نہیں دیکھا تھا۔ طبیعت بے چین سی ہو رہی تھیں۔ صبح میں نے سعدی سے کہا کہ بینک جاتے ہوئے مجھے چھوڑ جائے۔ بچیوں کے آج کل پیپرز ہو رہے ہیں اس لئے میں خود ہی نہیں لے کر آئی۔"

"لے آتیں بھئی، ابھی ان کے ماموں صاحب آئیں گے تو خود ہی بے چین ہو کر بھانجیوں کو لینے پہنچ جائیں گے۔" سروری خالہ کے طنزیہ لہجے پر انا نے چونک کر صباحت پھپھو کو دیکھا جن کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ تھی۔

انا کا بے اختیار دل چاہا کہ وہ سروری خالہ کو وہاں سے اٹھا دے لیکن اسے معلوم تھا کہ ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اس نے ایک خفگی بھری نظر سروری خالہ پر ڈالی اور ان کے ہاتھ سے خالی گلاس ذرا غصے سے پکڑا۔ خالہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ لیکن خاموش رہیں۔

باہر گیٹ کھلا تھا۔ ماجد خالو گرمی سے بے حال موٹر سائیکل گھسیٹتے اندر آ رہے تھے۔ برآمدے میں پہنچتے ہی وہ کھل اٹھے۔

"ارے صبا، آئی ہے۔" ان کے اشتیاق بھرے لہجے پر خالہ کے چہرے پر ابھرنے والے ناگواری کے تاثرات خاصے نمایاں تھے۔ تب ہی وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر قدرے دھیمے

لہجے میں بڑبڑائی تھیں۔

"لو اب ہوں گے محبت کے مظاہرے۔" اللہ جانے کون سی چاہت ہے جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی۔" کچن کے پاس کھلی کھڑکی سے انا نے ان کا یہ جملہ بخوبی سنا تھا۔ کمرے میں جاتے جاتے انہوں نے کھڑکی سے اندر جھانکا اور سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

"تین چار کریلے نکال کر فریج کے نچلے خانے میں چھپا دینا، تمہارے خالو نے دیکھ لیے تو پوٹلی بنا کر بھانجیوں کے لئے بجھوا دیں گے۔ ان کو تو ویسے بھی ہر اچھی چیز کھاتے ہوئے ہڑک اٹھتی ہے کہ کسی طریقے سے اپنی بہن کے گھر بجھوا دیں۔ حالانکہ اچھا خاصا دیکھتے ہیں کہ مہنگائی نے ہر بندے کا برا حال کر رکھا ہے۔" انا نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔ وہ خالہ کو بتاتے بتاتے رہ گئی کہ صاحت پھپو نے کریلے اس کے ساتھ ہی بھروائے ہیں لیکن اسے معلوم تھا کہ وہ اس بات کو بھی قطعاً اہمیت نہیں دیں گی تب ہی وہ آرام سے سلاد بناتی رہی۔

"کتنی دیر ہو گئی ہے صباحت کو آئے ہوئے؟" وہ اب رازداری سے پوچھ رہی تھیں۔ انا نے چونک کر برآمدے میں دیکھا جہاں صباحت پھپھو اور ماجد خالو بڑے جوش و خروش سے باتوں میں مگن تھے۔

"چار گھنٹے تو ہو گئے ہیں۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"کیا......؟؟" خالہ کو سن کر دھچکا لگا تھا۔ "اچھا پھر اتنی دیر کیا کرتی رہی؟"

"کچھ نہیں، ادھر ادھر کی باتیں اور میرے ساتھ سبزی بنواتی رہیں۔"

"فیصل کے بارے میں تو نہیں پوچھا؟" انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ناگواری سے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے صاف جھوٹ بولا تھا۔

"حیرت ہے۔" خالہ کو بھی شاید یقین نہیں آیا تھا۔

"تم نے یہ تو نہیں بتایا کہ فیصل نے دو لاکھ بھجوائے ہیں۔ پلاٹ کی قسطیں اتارنے کے لئے۔" انا نے احتجاجی نظروں سے خالہ کو دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا جبکہ خالہ اس کی خفگی کی ذرہ برابر بھی پروا کیے بغیر آرام سے کہہ رہی تھیں۔

"اچھا کیا، جو نہیں بتایا اور بتانے کی ضرورت بھی نہیں۔ اپنے خالو کو بھی مت بتانا، میں آج بنک اسی سلسلے میں گئی تھی۔ فیصل نے مجھے خاص طور پر فون کر کے بتایا تھا کہ میرے

اکاؤنٹ میں اس نے پیسے بھجوائے ہیں اور میں اس کے دوست کے توسط سے کوئی پلاٹ دیکھ لوں، کہہ رہا تھا کہ ابو جی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ وہ پھر پہلے کی طرح اپنی بہن کو اٹھا کر پکڑا دیں گے۔"

"لیکن وہ رقم تو پھپھو نے پانچ مہینے بعد ہی واپس کر دی تھی۔" انا کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔

"کیسے واپس کی تھی، میں ہی جانتی ہوں۔ ہر مہینے توڑ توڑ کر پیسے دیے۔ سارے پیسے ہی خراب کر دیے۔ اب آج کل حمنیٰ کے رشتے کے لئے بھاگ دوڑ ہو رہی ہے، کوئی رشتہ مل گیا تو پھر عذاب خرچے کا ہمارے سر، تمہارے خالو تو انتہائی بدھو ہیں۔ اس صبا چالاک اور مکار کی باتوں میں آ جاتے ہیں۔" خالہ متنفر انداز میں انتہائی دھیمے لہجے میں بول رہی تھیں۔

"خالہ! وہ سن لیں گی۔" انا نے دھیمی آواز میں انتہائی ناگواری سے کہا۔

"سنتی ہے تو سن لے، میں کون سا کسی سے ڈرتی ہوں۔" وہ بے ساختہ بولی تھیں۔ "پہلے فیصل پر نظریں جمائے بیٹھی تھی کہ اس کی کالی کلوٹی حمنیٰ کے لیے جیسے میں اپنا بیٹا قربان کر دوں گی۔ میں اتنی پاگل تھوڑی تھی اس صباحت نے تو ساری زندگی میں میرا کلیجہ ہی جلایا، یوں آ کر میرے گھر کا سامان استعمال کرتی تھی جیسے لوٹ کا مال ہو، اور بھائی کو تو لگتا ہے کہ کچھ گھول کے پلا رکھا ہے انہیں تو ساری زندگی بہن اور بھانجیوں کے علاوہ کچھ نظر آیا ہی نہیں، ساری زندگی بیوی اور بیٹے پر فوقیت دی...... اور اب تک یہی حال ہے۔" انہوں نے سرد آہ بھری......

انا نے اس قدر غلط بیانی پر جھنجلا کر انہیں دیکھا اور حسب عادت خاموش رہی جبکہ سروری خالہ کے چہرے کے تاثرات مزید سخت ہو گئے تھے۔ انہوں نے سعدی کو گیٹ سے اندر آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"لو یہ صاحب بھی ٹپک پڑے۔ آدھا "ٹبر" تو یہاں دوپہر کا کھانا کھا جائے گا اور باقی "ٹبر" کے لئے ان کے "پیارے" ماموں جان ساتھ باندھ دیں گے۔ پتا نہیں یہ منحوس "جونکیں" کب میری جان چھوڑیں گی۔ صباحت کی "لالچی" طبیعت کو دیکھتے ہوئے تو میں نے آناً فاناً تمہارا نکاح فیصل سے کروایا تھا حالانکہ بچہ مان بھی نہیں رہا تھا۔ لیکن میں نے سوچا کہ "یتیم" بچی ہے نہ آگا نہ پیچھا، گھر کو گھر سمجھے گی...... اور سچ پوچھو تو سارا خاندان میری اس نیکی

پرواہ کرتا ہے......" انا کا چہرہ ایک لمحے کو تاریک ہوا تھا......

"حالانکہ تمہارے خالو کا تو مکمل ارادہ اپنی بھانجی لانے کا تھا۔ میں نے بھی چڑیلوں سے جان چھڑانے کے لئے مکاری کی اور تمہارے خالو سے جھوٹ بول دیا کہ فیصل کی خواہش ہے انا کے لئے، بس یہ سن کر تمہارے خالو تو چپ کے چپ رہ گئے......" سروری خالہ اب کچن میں اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی، اسے اپنی کیفیت خود بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی......

"السلام علیکم ممانی جان! کیا حال ہے آپ کا؟ ماموں پوچھ رہے ہیں دوپہر کا کھانا ملے گا کہ نہیں؟" سعدی نے بڑے خوشگوار انداز سے کچن میں جھانکا تھا......

"وعلیکم، ٹھیک ہوں، مجھے کیا ہونا ہے......" خالہ کے عجیب سے لٹھ مار انداز پر انا نے جبراً چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا......

"آپ چلیں، یہاں کافی گرمی ہے، خالو سے کہیں، بس دو منٹ میں کھانا لا رہی ہوں۔" اس نے فوراً ڈونگے میں سالن نکالنا شروع کر دیا تھا۔

"جلدی بجھوا دو کھانا، ورنہ تمہارے خالو کسی کی بھی پروا کیے بغیر شروع ہو جائیں گے۔ اپنوں، کو دیکھ کر تو وہ ویسے بھی "آپے" سے باہر ہو جاتے ہیں۔" خالہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بمشکل اٹھتے ہوئے بولی تھیں......

انا نے سعدی کے پرسکون چہرے کو نظر اٹھا کر دیکھا۔ "یہ مائنڈ کیوں نہیں کرتا؟" وہ ایک دفعہ پھر سوچنے لگی تھی...... جبکہ وہ سامنے شیلف پر رکھے برتن اٹھا کر اس کی ہیلپ کروانے لگا......

"بیٹا! تم کہاں جا رہی ہو، یہاں بیٹھ کر ہمارے ساتھ کھانا کھاؤ۔" اسے کچن میں جاتے دیکھ کر صباحت پھپھو نے ٹوکا۔

"پھپھو! مجھے بھوک نہیں ہے......" اس نے کسل مندی سے جواب دیا......

"کیوں بھوک نہیں ہے؟ ادھر واپس آؤ، ذرا آئینے میں شکل دیکھو اپنی، کتنی کمزور ہو رہی ہو، حمنیٰ کی طرح۔" پھپھو کے محبت بھرے لہجے پر سروری خالہ نے طنزیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"بھئی صبا! برا نہ مانو تو حمنیٰ کا مسئلہ دوسرا ہے۔ اس بچی کو تو آئے دن کے رشتے والیوں کی اٹھک بیٹھک نے بے زار کر رکھا ہے جبکہ انا کا تو ماشاء اللہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔ بس آج

کچھ ناشتہ لیٹ کیا تھا، اس لئے کھانے کو دل نہیں چاہ رہا ہوگا، جاؤ انا! ذرا چولہے پر چائے کا پانی رکھو، تمہارے خالو کھانا کھاتے ہی چائے کے لئے مچل جاتے ہیں۔"

صباحت پھپھو کے چہرے پر تاریک سایہ آیا تھا۔ انا نے جھنجلا کر کچن کی طرف قدم بڑھا دیے جبکہ ماجد خالو بہت اطمینان سے کہہ رہے تھے۔

"ہماری حمنیٰ میں بھلا کیا کمی ہے بس آج کل لوگوں کی آنکھوں پر "لالچ" کی پٹی بندھی ہے۔ دیکھنا کوئی نہ کوئی گوہر شناس اللہ نے اس کے لیے بھی رکھا ہوگا، ان شاء اللہ ہماری حمنیٰ بھی گھر بار والی ہو جائے گی۔"

"ان شاء اللہ!" صباحت پھپھو رنجیدہ لہجے میں بولی تھیں......

"ان شاء اللہ تعالیٰ۔" ان کے دل نے بھی بے اختیار کہا تھا......

❖❖❖

اس دن ماجد خالو کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی حالانکہ وہ بالکل ٹھیک ٹھاک سوئے تھے۔ رات کے پچھلے پہر سینے میں ہلکا درد محسوس ہوا تھا اور انا نے گھبرا کر سعدی کے گھر فون کر دیا اور اسپتال پہنچتے پہنچتے خالو جان کو ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا...... سروری خالہ تو بوکھلا گئی تھیں لیکن جیسے ہی خالو کی طبیعت سنبھلی، وہ اپنی سابقہ روٹین میں آ گئی تھیں......

اس دن صباحت پھپھو، خالو جان کا پتا کرنے اسپتال آئیں تو وہ وہیں تھی جبکہ خالہ، سعدی کے ساتھ گھر گئی ہوئی تھی......

”بھائی جان! آپ فیصل کو کہتے کہ وہ پاکستان کا چکر لگا لیتا، اتنے سال تو ہو گئے ہیں اور پھر اس بچی کی بھی رخصتی کر دیتے‘ کب تک یونہی بٹھائے رکھیں گے......“ صباحت پھپھو بہت اپنائیت سے مشورہ دے رہی تھیں......

”خالو بمشکل پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر لائے تھے......“میں نے تو بہت کہا تھا لیکن اس کی ماں نے منع کر دیا کہ خوامخواہ اتنا کرایہ لگا کر آنے کی کیا ضرورت ہے۔“ خالو کے لہجے میں دکھ اور تاسف تھا۔

”لیں‘ یہ کیا بات ہوئی؟ اکلوتا بیٹا ہے اسے اپنی ذمے داریوں کا خود احساس کرنا چاہیے۔“ صباحت پھپھو اس کی موجودگی سے بے نیاز گلہ کر گئیں......

”تمہیں پتا تو ہے سروری کا......“ خالو استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ ”ایک ایک پیسے پر وہ جان دیتی ہے‘ ساری زندگی اس نے بس جوڑا ہے۔ خرچ کرتے ہوئے اسے بہت تکلیف ہوتی ہے‘ اسے تو آج کل میری بیماری پر لگنے والے اخراجات کی بھی سخت ٹینشن ہے‘ اٹھتے بیٹھتے بس فیصل کو فون کر کے ہر روز کے خرچ کا رونا رویا جاتا ہے......“

”استغفراللہ؟ بھابی بھی کبھی کبھی حد کر دیتی ہیں۔“ صباحت پھپھو کو ہلکا سا غصہ آ گیا تھا۔

”اس عورت نے مجھے زندگی میں بہت جگہوں پر شرمندہ کروایا ہے۔ تمہارے شوہر کا ایکسیڈنٹ ہوا اور میں چاہتے ہوئے بھی کوئی مالی امداد نہ کر سکا۔ گھر میں پہلے ہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اوپر سے بیٹا بھی ماں کی ہر بات کو حرف آخر سمجھتا ہے۔ پتا نہیں اتنا پیسہ جوڑ کر کیا کریں گے۔“

انا نے چونک کر خالو کے سخت رنجیدہ چہرے کو دیکھا‘ وہ پہلی دفعہ اس کے سامنے ہی صباحت پھپھو کو اپنے دل کا حال بتا رہے تھے......

”اچھا‘ فیصل کا فون آئے تو مجھ سے بات کروائیے گا۔“ صباحت پھپھو نے کچھ سوچ کر کہا۔

”رہنے دو‘ وہ بھی ماں کی طرح سخت بد لحاظ ہے......“

خالو آج کچھ زیادہ ہی رنجیدہ تھے۔

✤✤✤

انا کو یاد آیا کہ اسے سروری خالہ کے گھر آئے پورے پانچ سال ہو چکے تھے۔ سروری خالہ اس کی امی کی خالہ زاد بہن تھیں۔ انا کی والدہ اکلوتی تھیں اور شادی کے کچھ سال بعد میاں کی اچانک وفات ہو گئی تو انہوں نے ایک اسکول میں جاب کر کے اسے پالا تھا......

وہ خاصی پر اعتماد، باہمت اور حوصلہ مند خاتون تھیں جبکہ انا ان کے بالکل برعکس ڈری سہمی اور اعتماد سے عاری تھی۔ اس کی ددھیال میں صرف ایک چچا تھے جو کویت میں بیوی بچوں سمیت مقیم تھے۔ یہی وجہ تھی کہ امی نے اپنی بیماری اور روز بروز گرتی ہوئی حالت کے پیش نظر خود سروری خالہ کو فون کر کے ساری صورتحال سے آگاہ کیا اور اپنی وفات کے بعد انا کی دیکھ بھال کی التجا کی جسے سروری خالہ رد نہ کر سکیں اور اگلے ہی دن ماں بیٹی کو لینے پاک پتن پہنچ گئیں اور پھر تین ماہ بعد ہی اس کی والدہ لاہور میں سروری خالہ کے گھر ہی انتقال کر گئیں اور اس وقت وہ فرسٹ ایر کی طالبہ تھی......

ماجد خالو کھلے دل کے بڑی مہربان شخصیت کے حامل تھے۔ وہ اسے خود کالج چھوڑنے جاتے جبکہ ان کا بیٹا فیصل ان کے بالکل برعکس کم گو‘ اپنے کام سے کام رکھنے والا بلکہ انا کو تو حد درجہ مغرور لگتا تھا...... اس کی اپنی ہی دنیا تھی...... وہ دونوں دو سال ایک ہی گھر میں رہے لیکن ان دو سالوں میں بس گنتی کی دو چار دفعہ اس کی مختصراً بات ہوئی تھی ......اور پھر وہ باہر چلا

گیا......

وہ اس وقت سیکنڈ ایئر کے ایگزام دے کر فارغ ہوئی تھی جب سروری خالہ نے ایک شام اچانک اسے اطلاع دی کہ کل صبح اس کا فیصل کے ساتھ نکاح ہے اور یہ کہ اس کی والدہ کی رضا مندی بھی اس میں شامل تھی اور امی کی رضا کا سن کر وہ خاموش رہ گئی اور ویسے بھی اسے کہاں بولنے کی عادت تھی ...... اور اپنی اسی عادت کی وجہ سے وہ سروری خالہ کی ''پسندیدہ'' لسٹ میں شامل ہوگئی تھی......

اس دن وہ خالو جان کے لئے یخنی بنا کر فارغ ہوئی تھی اور ٹفن میں ڈال کر باہر نکلی تھی جب سعدی مسکراتے ہوئے گھر میں داخل ہوا...... انا نے حیرت سے اسے دیکھا...... تو وہ فوراً وضاحت دینے لگا۔

''بھئی' تمہاری پڑوس والی آنٹی آج مجھے روک کر پوچھ رہی تھیں کہ تمہاری منگنی شکنی ہوگئی ہے کہ نہیں؟''

''کون؟ آنٹی عالیہ؟'' اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی......

''ہاں؟'' اس نے اثبات میں سرہلایا......

''پھر آپ نے کیا کہا؟'' وہ بہت کم دلچسپی کا مظاہرہ کرتی تھی......

''میں نے کہا کہ جہاں میں چاہتا تھا' اس لڑکی کو بہت جلدی تھی شادی کروانے کی۔ اب پچھلے کچھ سالوں سے دل کو سمجھا رہا ہوں' اگر سمجھ آگئی تو میں بھی کہیں کرلوں گا۔'' اس کے ذومعنی لہجے پر انا نے الجھ کر اسے دیکھا جو واش بیسن کے آگے کھڑا ہاتھ منہ دھو رہا تھا۔

''آپ کہاں چاہتے تھے؟'' بے ساختہ ہی اس کے منہ سے پھسل گیا تھا۔ گھبرا کر فوراً تار سے تولیہ اتارنے لگی۔

''تمہیں نہیں معلوم؟'' تولیہ پکڑتے ہوئے اس نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ انا کے دل کی دھڑکن ایک لمحے کو رک سی گئی۔ جبکہ وہ لاپروائی سے اب منہ صاف کررہا تھا ......

''خالہ کب آئیں گی اسپتال سے؟'' اس نے صاف بات بدلی تھی' اس کے بے ساختہ نظریں چرانے پر سعدی نے ٹھنڈی آہ بھری......

''اب ماموں کو کھانا دینے جاؤں گا تو واپسی پر ممانی کو لیتا آؤں گا۔ شام کو امی ان کے

پاس رہیں گی۔''

''آپ کی امی بہت نائس اور مخلص خاتون ہیں' اللہ ان کو بہت اجر دے گا۔'' انا کے سادہ لہجے پر سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ بہت کم کسی کے بارے میں کوئی تبصرہ کرتی تھی۔

''تھینک یو!'' وہ خلوص سے مسکرایا۔ ''امی کو اصل میں اپنے اکلوتے بڑے بھائی سے محبت بھی تو بہت ہے ناں......''

''ہاں لیکن آج کل کے دور میں لوگ کہاں محبتوں کی قدر کرتے ہیں' وہ ہر جذبے کے پیچھے کسی ''مقصد'' کو ڈھونڈنا شروع کردیتے ہیں......''

وہ آج لمحہ لمحہ اس کو چونکا رہی تھی۔

''ہاں۔ تم ٹھیک کہتی ہو لیکن میری تھیوری تھوڑی مختلف ہے' میرے خیال میں انسان جب بے غرض ہو کر کسی سے محبت کرتا ہے تو پھر وہ ''صلے'' کی توقع انسانوں سے نہیں رکھتا اور اللہ نیتوں کا پھل ضرور دیتا ہے۔ انسانوں سے توقع رکھنا تو بہت بڑی بے وقوفی ہے......''

اس نے بہت غور سے سعدی کو دیکھا جو کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بہت سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھا۔

''توقع کے بیج کو کسی کھاد یا پانی کی ضرورت تھوڑی ہوتی ہے۔ یہ خود بخود تعلق کی زمین پر پھوٹ پڑتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے تناور درخت بن جاتا ہے......''

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ''ظاہر ہے توقعات بھی اپنوں سے ہی ہوتی ہیں۔ انسان راہ چلتے لوگوں سے تھوڑی توقعات لگاتا ہے اگر ایسا نہ ہو تو اپنوں اور غیروں میں فرق ہی کیسے معلوم ہو۔''

''خیر ہے آج بہت فلسفہ بول رہی ہو' کہیں فیصل نے تو کچھ نہیں کہہ دیا۔'' اس نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے چھیڑا۔

''اونہہ! وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ ''اس کے پاس اتنا وقت کہاں' وہ تو ڈالروں کی دنیا میں اپنے ایک ایک لمحے کو کیش کرواتا ہے' رشتے ناتے اس کیلئے ثانوی چیزیں ہیں۔''

''انا!'' سعدی نے بغور دیکھا۔

''کیا ہوا ہے؟ اتنی ہرٹ کیوں ہو؟''

''کچھ نہیں!'' وہ کچن کی طرف بڑھ گئی' ٹفن اسے پکڑاتے ہوئے وہ بہت عام لہجے میں

پوچھ رہی تھی۔

"خالو جان کب تک اسپتال سے گھر شفٹ ہو جائیں گے۔"

"ان شاءاللہ کل۔" سعدی نے یقین بھرے لہجے میں کہا۔ وہ دونوں چلتے چلتے اس کی بائیک کے پاس آ گئے تھے۔ آم کے گھنے درخت پر بیٹھی کوئل بہت زور سے بولی تھی......

"اس دفعہ ماشاء اللہ آم خاصے لگے ہیں، کسی دن صفایا کریں گے......" سعدی نے توصیفی نظروں سے درخت کو دیکھتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا۔

"اونہہ، اس کی امید نہ رکھیں، یہ درخت پر لگے لگے گل سڑ جائیں گے لیکن سروری خالہ کسی کو دینے کا حوصلہ نہیں کریں گی......"

"خیر ہے، آج تو تم دکھی اور مظلوم بہوؤں کی طرح اپنی ظالم ساس کیخلاف گلے شکوے کر رہی ہو، مجھے لگتا ہے کہ ممانی جان نے کچھ کہہ دیا ہے اور کچھ زیادہ ہی شدید کہا ہے ورنہ چھوٹی موٹی چیزوں پر اپنے تاثرات کو بیان کرنا تو تم ویسے ہی مناسب نہیں سمجھیں......" وہ بائیک پر بیٹھ چکا تھا۔

"ہاں! بس مجھے دکھ ہوا ہے کہ خالو جان اتنے زیادہ بیمار ہیں اور خالہ اور فیصل اس وقت سے صرف خرچ ہونے والے پیسوں کا حساب کتاب کر کے ہلکان ہوئے جا رہے ہیں۔" اس کے صاف گو لہجے پر سعدی ہکا بکا رہ گیا اسے ہرگز اس سے اس درجہ صاف گوئی کی توقع نہیں تھی۔ پھر سنبھل کر گویا ہوا۔

"ڈونٹ وری۔ ان چیزوں کی ٹینشن مت لیا کرو، ماموں جان ان چیزوں کے عادی ہیں۔ ویسے زیادتی تو آج میرے ساتھ بھی ہوئی ہے......"

سعدی کی شرارتی نظروں پر وہ الجھی......اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"بھئی۔ میں نے آج جلدی میں صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا، بریک میں اسپتال کھانا پہنچانا تھا، اس لئے یہاں آ گیا۔ تم نے بھی کھانے کا نہ پوچھا، میرے تو سمجھو صبح سے ستارے گردش میں ہیں......" وہ بائیک کو کک لگا کر تیز رفتاری سے نکل چکا تھا......گیٹ کے پاس کھڑی انا کا دل خفت اور شرمندگی کے احساس سے بھر گیا تھا...... وہ خود کو کوستی ہوئی سست روی سے اندر کی طرف آ گئی تھی......

❖❖❖

خالو جان کو گھر آئے تیسرا دن تھا......

بارش کے بعد موسم خاصا سہانا ہو گیا تھا۔ وہ آم کے درخت کے پاس کرسی بچھائے آرام سے نیم دراز اخبار پڑھنے میں مصروف تھے جب وہ انہیں چائے کا کپ پکڑانے آئی تو انہوں نے سنجیدگی سے اسے خالی پڑی کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا۔

"میں نے آج سعدی کو بلایا ہے۔ وہ بس آنے والا ہو گا، اس کے ساتھ اردو بازار جاؤ اور ایم اے کی کتابیں لے کر آؤ، اگلے مہینے داخلہ بھجواؤ اور پیپرز دو......"

"جی!!!!" انا نے الجھن بھرے انداز سے ماجد خالو کو دیکھا جو حد درجہ سنجیدہ تھے......

"وقت کا کچھ بھروسا نہیں ہے۔ پتا نہیں کل کون سا وقت انسان کا منتظر بیٹھا ہو، آج کل کے دور میں بی اے کی کوئی وقعت نہیں اور دنیا بہت خود غرض ہے۔ کوئی ڈگری پاس ہو گی تو کم از کم اپنے پیروں پر تو کھڑی ہو جاؤ گی یہ پانچ ہزار اپنے پاس رکھو اور اپنی خالہ کو بتانے کی ضرورت نہیں۔" انہوں نے پیسے اس کی طرف بڑھائے تو اس نے جھجکتے ہوئے لے لیے......

"میری زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، اللہ بخشے تمہاری ماں بہت نیک عورت تھی۔ اس نے اپنے کچھ زیورات امانتاً تمہاری خالہ کے پاس رکھوائے تھے۔ یقیناً تمہیں اس کا علم نہیں ہو گا اور تمہاری خالہ کی فطرت سے میں بخوبی واقف ہوں، اس نے بھی تمہاری ماں کے مرنے کے بعد بھاپ نہیں نکالی ہو گی۔ بہر حال میری مخالفت کے باوجود اس عورت نے وہ زیور تمہاری اجازت کے بغیر بیچے اور فیصل کو باہر بھجوا دیا اور اب میرے بار ہا کہنے کے باوجود وہ قرض اتارنے پر راضی نہیں......تم میرے لیے بیٹیوں کی طرح ہو، اس لیے اگر مجھے کچھ ہو جائے تو میں بتا رہا ہوں۔ قیامت کے دن اس خیانت کا ذمہ دار مجھے مت ٹھہرانا...... میرا خدا گواہ ہے کہ میں نے ہر ممکن اس کو منع کیا تھا......بینک میں کچھ پیسے ہیں جو میں نے تمہارے نام جمع کروا دیئے ہیں۔"

خالو بہت دکھ اور تاسف بھرے لہجے میں بول رہے تھے، انا کو سن کر شدید شاک لگا تھا۔ وہ حقیقت میں لاعلم تھی۔

وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "کوئی بات نہیں خالو جان! مجھے زیورات وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میرے لیے ان کی اہمیت اس حد تک ہے کہ وہ میری ماں کے تھے......

اس لیے شاید میں ان کو بہت سنبھال کر رکھتی ......"

وہ بھی جبراً مسکرائے۔ "بس بیٹا اللہ تمہاری قسمت بہت اچھی کرے ، لو سعدی آ گیا۔اس کے ساتھ چلی جانا۔"

انا نے چونک کر گیٹ کی طرف دیکھا جہاں سے سعدی اپنی بائیک اندر لا رہا تھا۔وہ فوراً اسے سلام کر کے اندر چلی گئی تھی جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اور کنگھی کر کے اپنی بلیو کلر کی چادر لے کر باہر آ گئی تھی ......

"سعدی! چائے پئیں گے آپ ......"

"نہیں ، دیر ہو جائے گی۔" وہ بازو پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں ، ہاں جاؤ، واپسی پر چائے ، کھانا سب کچھ کھا لینا۔" خالو جان کے عجلت بھرے انداز پر انا کے ساتھ سعدی نے بھی چونک کر انہیں دیکھا اور پھر وہ کندھے اچکا کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا ......

بازار میں انہیں صرف ڈیڑھ گھنٹہ لگا تھا۔وہ اسے اپنے کسی دوست کی دکان پر لے آیا تھا اور سلیبس لے کر خود ہی کتابیں نکال نکال کر کاونٹر پر ڈھیر لگاتا جا رہا تھا...... واپسی پر وہ اپنی سوچوں میں گم تھی اور اسے پتا ہی نہیں چلا ، چونکی تو اس وقت جب وہ اپنے گھر کے دروازے پر بائیک روک چکا تھا ......

وہ مسکراتے ہوئے وضاحت دے رہا تھا۔ "حمنیٰ آپی کافی دنوں سے کہہ رہی تھیں کہ انا سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے اور آج تو میں انہیں خصوصی طور پر بتا کر گیا تھا کہ تمہیں لے کر آؤں گا ......"

"لیکن! میں نے تو خالہ جان کو بتایا نہیں۔" وہ ہلکی سی پریشان ہوئی۔

"ڈونٹ وری۔ ماموں جان بتا دیں گے ......" وہ گھر کے اندر داخل ہو چکا تھا ......

"ارے انا باجی آئی ہیں ، ہرا۔" صحن میں کھڑی کرن نے اسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا اور چھلانگ مار کر اس کے گلے لگ گئی تھی۔

"قسم سے ہم لوگ تو آپ سے ملنے کو ترس گئے تھے۔ پورے ایک مہینے سے تو امتحانوں کا عذاب سر پر مسلط تھا۔ امی کہیں بھی آنے جانے نہیں دے رہی تھیں۔ اوپر سے آپ بھی تو کبھی سال میں ایک دفعہ گھر سے نکلتی ہیں۔ یقین کریں ، مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے آپ کو

دیکھ کر ......" وہ اس کا ہاتھ پکڑے محبت اور اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔ انا اس کی معصومیت پر مسکرا دی۔

پھر صباحت پھوپھو، حمنیٰ ، ارم اور پھوپھا جان کی ڈھیر ساری محبت اور گرم جوشی پر وہ بار بار شرمندہ ہوتی رہی۔ وہ بار بار صفائی دے رہی تھی کہ کہیں آنے جانے کے معاملے میں وہ خود چور ہے ورنہ خالہ تو اسے منع نہیں کرتیں۔

کھانا کھا کر وہ حمنیٰ کے کمرے میں کچھ دیر آرام کے لیے لیٹی تھی۔ ارم اور کرم دونوں کچن میں چائے بنانے میں مگن تھیں جبکہ صباحت پھوپھو اور حمنیٰ ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ اس نے یونہی بیڈ کی سائیڈ پر پڑی پروین شاکر کی کتاب اٹھا لی ......

درمیان میں سے چند غزلیں پڑھتے پڑھتے ...... اس نے پہلا صفحہ کھولا اور پہلے صفحے پر لکھی تحریر پڑھ کر اسے دھچکا لگا۔ وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا دماغ گھوم گیا تھا۔ آنکھوں کے سامنے لکھی تحریر اس کا منہ چڑا رہی تھی ...... یہ کتاب حمنیٰ باجی کو ان کی برتھ ڈے پر گفٹ ملی تھی۔

حمنیٰ کے لیے ......!

"جو میری زندگی کی پہلی اور آخری خواہش ہے۔ جسے دیکھ کر مجھے زندگی خوب صورت لگتی ہے ......"

تمہارا فیصل

انا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، اس نے فوراً ہی کتاب بند کر دی تھی۔ اس کے حواس قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ فیصل کا سپاٹ چہرہ اور روکھا لہجہ اس کے ذہن کے دریچوں پر روشن تھا...... اس کی بیزاری کے پیچھے چھپی داستان کا سرا ہاتھ لگ گیا تھا۔

"بھئی انا! تم کہیں بور تو نہیں ہو رہیں یہ ارم اور کرن کہاں لگ گئیں۔" حمنیٰ آپی باہر سے بولتی اندر آ رہی تھیں، اس کا چہرہ دیکھ کر وہ ٹھٹک گئیں۔

"ارے تمہیں کیا ہوا؟ کتنا پسینہ آ رہا ہے ...... طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے آگے بڑھ کر انتہائی محبت سے اس کے ماتھے کو چھوا ......

"جج ...... جی۔ طبیعت ٹھیک ہے بس کچھ گرمی لگ رہی ہے ......" اس نے بوکھلا کر وضاحت دی تو حمنیٰ آپی نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ جبکہ وہ غیر محسوس طور پر کتاب اپنے تکیے کے نیچے کر چکی تھی اور اب دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

"انا باجی! آج میرے ہاتھ کی فرسٹ کلاس چائے پییں اور داد دیں، قسم سے کبھی کبھی تو مجھے خود حیرت ہوتی ہے کہ آخر میں اتنی اچھی چائے بنا کیسے لیتی ہوں؟" کرن چائے کے مگ ٹرے میں رکھے ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔

"اللہ معافی دے، ایک تو گرمی اور اوپر سے جھوٹ...... توبہ توبہ......" ارم نے دہائی دی اور پھر حمنیٰ باجی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "حمنیٰ آپی! آپ کی کولیگ رعنا آئی ہوئی ہیں۔ امی کے پاس بیٹھی آپ کو یاد کر رہی ہیں۔"

ارم کی اطلاع پر وہ فوراً اٹھیں اور کمرے سے نکل گئیں جبکہ کرن اس کی چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے ایک دفعہ پھر شروع ہو چکی تھی۔

"قسم سے انا باجی! آج آپ کو دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے بلکہ ہمارا بس چلتا تو آپ کو ہمیشہ کیلئے یہیں رکھ لیتے لیکن سروری ممانی جان نے بالکل ظالم سماج کا کردار ادا کیا اور دو دو دل توڑ دیئے۔"

"کیا مطلب؟" وہ چونکی جبکہ کرن اپنے بچکانہ پن سے پھر شروع ہو چکی تھی۔

"ہماری امی اور سچ پوچھیں تو سعدی بھائی کی بہت خواہش تھی اور اوپر سے فیصل بھائی اپنی حمنیٰ باجی......" وہ بولتے بولتے ایک دم رکی۔ ارم کی تنبیہی نظروں سے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"ارے انا باجی! آپ چائے پییں، اسے "بونگیاں" مارنے کی بہت بری اور فضول عادت ہے ایسے ہی فضول اور بے تکا بولتی ہے......" ارم نے فوراً بات کو سنبھالنا چاہا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے، فیصل نے ایک دفعہ بتایا تھا کہ وہ حمنیٰ میں انٹرسٹڈ ہیں۔" اس نے صاف جھوٹ بولا تھا جبکہ دونوں بہنوں کے چہرے کا رنگ تیزی سے اڑا تھا۔

"نہیں، نہیں یہ تو بہت پہلے کی بات ہے اور پھر ممانی تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتی تھیں، اس لئے تو فیصل بھائی فوراً باہر چلے گئے اور اب تو وہ بھول بھال بھی گئے، کبھی رابطہ ہی نہیں کیا......"

ارم نے فوراً صفائی دی جبکہ انا ششدر تھی۔ اس نے بغور دونوں بہنوں کو دیکھا جو نظریں چرا رہی تھیں۔

"اور اب تو رات جو حمنیٰ آپی کو دیکھنے آئے تھے، انہوں نے پسند بھی کر لیا۔ اب ہماری

طرف سے فائنل ہونا باقی ہے۔ ان شا اللہ ہماری حمنیٰ آپی کی شادی ہو جائے گی۔" ارم نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی تھی۔

"ان شاء اللہ!" انا کے پرخلوص لہجے پر دونوں بہنیں چونکی تھیں۔

شام کو جب وہ سعدی کے ساتھ گھر پہنچی تو سروری خالہ کا موڈ خاصا خراب تھا۔ وہ کچن میں برتن دھوتے ہوئے مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔ انا نے چادر اتاری اور کچن میں ان کی مدد کے لیے پہنچ گئی۔ ابھی آٹا گوندھنے کے لیے اس نے پرات اٹھائی ہی تھی کہ خالہ نے اس کے ہاتھ سے پرات زور سے کھینچی۔

"رہنے دو بی بی! میں خود کر لوں گی۔ جب سارا دن بوڑھے خالہ اور خالو کا خیال نہیں کیا تو اب بھی یہ چونچلے کرنے کی ضرورت نہیں...... بھلا کنواری لڑکیوں کا اتنے اتنے گھنٹے باہر رہنے کا کیا کام، ہمارے زمانے میں تو لڑکیوں میں شرم و حیا اور جھجک ہوتی تھی۔ مجال ہے بزرگوں کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر قدم رکھا ہو...... اب تو لحاظ ہی ختم ہو گیا ہے، میرے فیصل کو یہ باتیں بالکل پسند نہیں......"

خالہ آج بالکل بے لحاظ تھیں۔ کچھ صباحت کے نام سے وہ ویسے ہی چڑتی تھیں، انہیں تو جب سے گھر آ کر اس کے جانے کا معلوم ہوا تھا گویا پتنگے لگے ہوئے تھے۔

وہ خاموشی سے کچن سے نکل آئی تھی۔ فیصل کی پسند ناپسند کے بارے میں انہوں نے پہلی دفعہ یوں بانگ دہل کہا تھا اور انا کو بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ وہ آ کر اپنے کمرے میں لیٹ گئی۔ دل تو ویسے بھی بوجھل تھا، آنسوؤں نے بھی بغاوت کر دی۔ خاموشی سے اس کا تکیہ بھیگتا رہا۔ رات کے کھانے پر خالو جان اسے آوازیں دیتے رہے تھے لیکن وہ ڈھیٹ بنی لیٹی رہی۔

رات ساڑھے دس بجے خالہ بے دھڑک اس کا دروازہ کھول کر کمرے میں آ گئی تھیں۔

"فیصل کا فون ہے، تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔"

خالہ کے سپاٹ لہجے پر وہ بری طرح چونکی جبکہ خالہ یہ اطلاع کر کے رکی نہیں تھیں...... وہ سستی اور بے زاری سے چپل پاؤں میں ڈال کر باہر برآمدے میں آئی جبکہ خالہ پچھلے صحن میں جا چکی تھیں۔

"ہیلو......!" وہ بیزاری سے بولی تھی۔

"تم آج امی کی اجازت کے بغیر صباحت پھوپھو کے گھر کیوں گئی تھیں؟" انا جیسے

خواب سے ہڑبڑا کر جاگی تھی......

"جب تمہیں معلوم ہے کہ امی ایسی باتوں کو سخت ناپسند کرتی ہیں پھر تم ایسی حرکتیں کیوں کر رہی ہو؟"

وہ سخت غصے میں تھا۔ لگتا تھا کہ خالہ نے اچھی خاصی برین واشنگ کی تھی۔ وہ ہمت اور الفاظ دونوں جمع کر کے بولی۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے آپ کی صباحت پھوپھو کے گھر جانے کا قطعاً شوق نہیں۔ آپ کے والد محترم نے کہا تھا اور کم از کم میں ان کو منع نہیں کر سکتی۔ آپ مجھے بتا دیں کہ مجھے اس گھر میں آپ کے والد صاحب کے مطابق چلنا ہے یا والدہ کے؟"

دوسری طرف تو اس تلخ لہجے پر گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔ اس کی بات اور لہجہ دونوں ہی غیر متوقع تھے۔

"اچھا! ابو نے کہا تھا......" وہ تھوڑا سا سنبھل کر بولا تھا۔ اب لہجے سے سختی اور درشتی کا عنصر بھی غائب تھا۔

"جی ہاں، ورنہ مجھے سیر سپاٹوں کا کوئی شوق نہیں۔"

وہ رکھائی سے بولی۔

"خیر کیا حال تھا صباحت پھوپھو کا؟" وہ فوراً گھبرا کے بولا تھا۔

"ٹھیک تھیں، سب آپ کا پوچھ رہے تھے......"

اس نے بہت چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اچھا، کون، کون؟" اس کا انداز خاصا عجیب تھا......

"سوائے حمنیٰ آپی کے سب ہی نے پوچھا تھا۔"

اس کا انداز بھی خاصا جتاتا ہوا تھا۔

"اور حمنیٰ کا کہیں رشتہ وغیرہ فائنل ہوا......؟" وہ پہلی دفعہ اس سے فون پر بات کر رہا تھا اور سوائے اس کی ذات کے، سب کے بارے میں اسے فکر تھی۔ انا کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے ہاتھ پر دہکتا ہوا انگارہ رکھ دیا ہو......

"آپ کو کیوں ٹینشن ہے؟ آپ تو میدان چھوڑ کے بھاگ گئے تھے۔" اس نے گویا فیصل کے سر پر بم پھوڑا تھا...... وہ بوکھلا گیا......

"مطلب کیا ہے تمہارا؟ کیا بکواس کر رہی ہو؟ کون سا میدان اور کیسا میدان؟ یہ کون سی خرافات تمہارے دماغ میں بھر دی گئی ہیں۔ ان ہی فضول باتوں سے امی ڈرتی تھیں تب ہی تمہیں جانے نہیں دیتی تھیں۔" وہ تلملا کر رہ گیا تھا۔ چپ چاپ، کم گو اور دبو سی انا کا یہ روپ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔

"کوئی نہ کوئی بات تو تھی ناں؟" انا تو آج آتش فشاں بنی ہوئی تھی، دوپہر سے اسے اپنی ذات کے پرخچے اڑتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

وہ بہت تیز و تند لہجے میں بولا۔ "کوئی بات نہیں تھی۔ میری بچپن کی بے وقوفی تھی، جذباتیت تھی۔ وہ بے وقوف لڑکی پتا نہیں کون کون سے خواب آنکھوں میں سجا بیٹھی، ورنہ اس سے شادی کر کے مجھے ملنا ہی کیا تھا؟ کنویں کا مینڈک بن کر رہ جاتا...... اوپر سے معاشی لحاظ سے اس کا خاندان خاصا کمزور، میں کہاں کہاں ان کی مدد کرتا، نا بابا نا...... میں اتنا بے وقوف نہیں تھا تب ہی باہر کا چانس بنا تو فوراً یہاں چلا آیا۔"

"تو مجھ سے شادی کر کے آپ کو کیا ملنا تھا؟" وہ چونک کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"کم از کم میرے بوڑھے ماں باپ کے پاس تو رہو گی اور پھر بھاگ بھاگ کر میکے جانے والا بھی کوئی سلسلہ نہیں۔" وہ روانی میں بول رہا تھا...... انا کو زبردست دھچکا لگا تھا۔ وہ بہت اونچائی سے نیچے گری تھی۔

اس نے خاموشی سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔ اسی لمحے ماجد خالو کمرے سے نکلے، ان کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔

انا نے گلہ آمیز نظروں سے انہیں دیکھا۔ اسے نہ جانے کیوں لگا تھا جیسے خالو نے اندر رکھے ایکسٹرا ٹیلی فون سیٹ سے ان کی گفتگو کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور سنا ہے۔

"بیٹا! مجھے اندر سے جائے نماز لا دو......" انہوں نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں۔ وہ بمشکل قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی اور الماری سے جائے نماز نکال کر باہر آئی تو خالو کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر بچھی چارپائی پر لیٹی سروری خالہ گہری نیند میں مدہوش تھیں۔

وہ خاموشی سے خالہ کے پاس خالی چارپائی پر لیٹ گئی۔ حلق میں کانٹے اگ آئے تھے، اسے یوں لگا تھا جیسے وہ ویران صحرا میں بالکل اکیلی کھڑی ہو...... دل آج اچانک بغاوت پر اتر

آیا تھا۔ اپنی محبت سے لبریز ماں کا چہرہ ذہن میں آتے ہی اس کی آنکھیں بھر گئیں۔ وہ اکلوتی ہونے کی وجہ سے کافی لاڈلی تھی اور امی تو ایک لمحے کو بھی اسے آنکھوں سے اوجھل ہونے نہیں دیتی تھیں۔ باپ کا بس ہلکا سا چہرہ اسے یاد تھا ...... یا پھر خالد چاچو کا مہربان انداز، وہ کویت جانے سے پہلے اس سے ملنے آئے تھے اور اسے نہ جانے کیوں انہیں دیکھ کر اپنے باپ کی یاد بے تحاشا آئی تھی۔ وہ عید وغیرہ پر اسے فون کر لیتے تھے ورنہ خاصی مصروف زندگی تھی ان کی، اور پھر ثمینہ چچی جو خاصی ریزرو اور کم گو سی تھیں۔ مختصر سا اس کا حال واحوال پوچھ کر فون چچا کو پکڑا دیتیں۔

"کاش چچا مجھے بھی اپنے ساتھ کویت لے جاتے ......"

اس نے پہلی دفعہ خاموش شکوہ کیا تھا۔ بے چینی سے تو کروٹ بدلی اچانک اس کی نظر کچھ فاصلے پر چارپائی پر بیٹھے ماجد خالو پر پڑی، وہ پچھلے تین گھنٹے سے ایک ہی پوزیشن میں کسی گہری سوچ میں گم بیٹھے تھے۔ گود میں رکھے تکیے پر دونوں کہنیوں کو مضبوطی سے جمائے ہاتھوں کے پیالے میں ان کا چہرہ خاصے گہرے تفکر کی غمازی کر رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں وہ خاصے پراسرار لگ رہے تھے۔ انا کو ایک دم سے کچھ ڈر محسوس ہوا۔ وہ فوراً بازو آنکھوں پر رکھ کر زبردستی سونے کی کوشش کرنے لگی لیکن ساری رات وہ کروٹیں بدلتی رہی۔ ہر بار چونک کر خالو کو دیکھتی لیکن وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے تھے انہیں دیکھتے دیکھتے اس کی نہ جانے کب آنکھ لگ گئی۔

"انا! اٹھو بیٹا! دس بجے رہے ہیں۔" خالو کی آواز پر اس کی آنکھ فوراً کھل گئی۔

"دس بج گئے؟ اتنی دیر؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" وہ جلد جلدی بال سمیٹنے لگی۔

"سورج سر پر آ گیا ہے لیکن ناشتے کا کچھ پتا ہی نہیں۔" خالہ سروری نے اس کی متورم آنکھوں اور ان میں نظر آتے سرخ ڈوروں کو غور سے دیکھ کر نسبتاً نرم لہجے میں کہا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" انہوں نے انا کو جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"ہاں۔ ٹھیک ہوں۔" وہ خالہ کی ٹٹولتی نظروں سے خائف ہو کر فوراً کچن میں گھس گئی لیکن خالہ کی اونچی آواز میں دی گئی اطلاع پر وہ چونک گئی۔

"میں ناشتہ کر چکی ہوں، خالو تمہارے تمہیں اٹھا کر پتا نہیں کہاں نکل گئے۔ بس اپنے لئے ناشتہ بنانا ......"

اس کے قدم ڈھیلے پڑ گئے بے زاری سے اس نے کیتلی میں چائے کے لیے پانی رکھا اور چائے کپ میں ڈال کر وہیں بیٹھ کر پینے لگی۔

"ہزار دفعہ منع کیا ہے کہ صبح صبح نہار منہ صرف خالی چائے نہیں پیتے، اور کچھ نہیں چھوٹا سا پراٹھا یا روٹی ہی بنا لیا کرو، فریج میں کباب پڑے ہیں۔ انڈوں کا اسٹاک جوں کا توں ہے، کون سا کسی چیز کی کمی ہے۔" خالہ کے محبت بھرے انداز پر وہ چونکی اور اگلے ہی لمحے کندھے جھٹک کر دوبارہ خاموشی سے چائے پینے لگی ......

"کیا کہہ رہی تھیں تمہاری صباحت پھوپھو کل؟" ان کے تجسس بھرے لہجے پر میٹھی چائے ایک دم کڑوی محسوس ہونے لگی تھی۔ مہربان انداز کے پیچھے "کچھ جاننے" کی کھوج سمجھ میں آ گئی تھی۔

"پتا نہیں، مجھ سے تو کوئی خاص بات نہیں کی بلکہ میرے جاتے ہی وہ پھوپھا کو لے کر کسی سے ملنے چلی گئی تھیں، میں تو آ گئی وہ پتا نہیں کب آئی ہوں گی۔" اس کی اطلاع پر خالہ کے چہرے پر اطمینان کے رنگ نمودار ہوئے تھے۔

"اچھا؟ گئی کہاں تھی؟ کچھ نہ کچھ تو بتا کر گئی ہو گی؟"

تجسس ابھی بھی برقرار تھا۔

"شاید حمنیٰ آپی کے کسی رشتے وغیرہ کا مسئلہ تھا۔"

"اچھا ......؟" ان کے کان کھڑے ہوئے۔ "کہاں کر رہی ہے؟ کیا کرتا ہے لڑکا؟ کتنے بہن بھائی ہیں؟" خالہ کے بے چین لہجے پر وہ بے زاری سے بولی۔

"میں نے پوچھا نہیں، آپ کو پتا تو ہے۔ میں ان باتوں میں دلچسپی نہیں لیتی۔ وہ کچھ ذکر تو کر رہی تھیں کہ لڑکا اکلوتا ہے اور انگلینڈ میں ہوتا ہے، باقی میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"ایک تو تم بھی بدھو اور بے وقوف ہو، تمہاری عمر کی لڑکیاں چلتا پرزہ ہوتی ہیں اور ایک تم ہو کہ کچھ خبر نہیں۔ پتا نہیں کیا بنے گا تمہارا۔" ادھوری معلومات سن کر انہیں خاصی مایوسی ہوئی تھی۔ جبکہ وہ اطمینان سے چائے کے برتن دھونے لگی۔

"لڑکا اکلوتا، اور انگلینڈ میں۔ اتنا اچھا رشتہ کیسے اس کالی کلوٹی کو مل گیا۔ صباحت کے تو پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے ہوں گے۔" وہ بلند آواز میں بڑبڑائی تھیں جبکہ پیشانی شکنوں سے پر تھی۔

"وہ تو مجھے پتا نہیں، خیر دوپہر میں کیا بنے گا؟" اس نے لاپروائی سے بات ٹالنا چاہی۔

"جو مرضی پکالو، میرا تو کلیجہ جل رہا ہے۔" وہ گھٹنوں پر دباؤ ڈال کر اٹھیں۔

"ہاں گرمی بھی تو بہت ہے۔" انا تلخی سے مسکرادی۔

"پتا نہیں لوگوں کی قسمتیں کیسے اچھی ہو جاتی ہیں اور اتنی میسنی اور گھنی ہے صباحت، ایک دفعہ بھی مجھے بیٹی کے سسرال جانے کا نہیں کہا، لے گئی ہوگی اپنے بھائی کو، ان کو بتائے بغیر تو سانس بھی نہیں لیتی۔ عجیب لیلیٰ مجنوں والی محبت ہے بہن بھائی میں، اب بھی مجھے یقین ہے وہیں حاضری دینے گئے ہوں گے۔" خالہ جی بھر کے بدگمان ہو رہی تھیں، ان کا موڈ خاصا خراب ہو چکا تھا۔

وہ برتن دھو کر کچن صاف کر کے باہر نکلی اور دل لگا کر گھر کی تفصیلی صفائی کی جبکہ خالہ آم کے پیڑ کے نیچے بچھی چارپائی پر دوپٹے سے سر باندھے جانے کن زہریلی سوچوں میں گم لیٹی ہوئی تھیں۔ اس نے صفائی کر کے فریج سے بھنڈیاں نکالیں اور کاٹنے لگی۔ وہ کھانا بنا چکی تھی جب خالو واپس آئے۔ وہ بھی خاموش تھے۔

آتے ہی وہ کمرے میں گھس گئے تھے اور ٹیلی فون گود میں رکھے دھڑا دھڑ، نمبر ملائے جا رہے تھے۔ انا نے ایک دو دفعہ جھانک کر دیکھا لیکن وہ ریسیور کان سے لگائے۔ بہت دھیمی آواز میں انتہائی سنجیدہ لہجے کے ساتھ مصروف تھے۔

خالہ انتہائی کسل مندی اور طبیعت کے بوجھل پن کے ساتھ دو تین دفعہ خود بھی دیکھ کر جا چکی تھیں۔

"جاؤ، اپنے خالو سے کہو کہ کھانا کھالیں۔ آج کیا ٹیلی فون کے سرہانے بیٹھے رہنے کا ارادہ ہے، پہلے ہی بلوں نے مت مار رکھی ہے۔ اوپر سے ان کو بھی کالیں کرنے کا شوق ہے۔" خالہ کے طنزیہ لہجے پر اس نے ایک دفعہ پھر کمرے میں جھانکا۔ خالو بہت بے چینی سے کسی سے کہہ رہے تھے۔

"پھر تم اگلے ہفتے آ رہے ہونا؟"

دوسری طرف سے نہ جانے کون سی یقین دہانی کروائی گئی تھی جسے سن کر خالو خاصے مطمئن ہو گئے تھے۔

"کہاں کالوں پر کالیں ملائے جا رہے تھے آپ؟" خالہ نے انہیں دیکھتے ہی ناراض

لہجے میں پوچھا۔

"کہیں نہیں۔" انہوں نے صاف ٹالا تھا۔ وہ ابھی بھی کسی سوچ میں گم تھے۔ ان کی بات سن کر خالہ کے دل کو پنکھے لگے تھے۔

"نہیں بتانا تو نہ بتائیں! مگر اس عمر میں جھوٹ نہ بولیں۔ پچھلے ایک گھنٹے سے اندر گھسے ہوئے ہیں۔"

خالو نے ایک سرد اور لاتعلق سی نظر ان پر ڈالی اور اخبار اٹھا لیا۔

"میں دیواروں سے باتیں نہیں کر رہی۔" وہ تلملا کر بولیں۔

"اطلاع کا شکریہ۔" وہ پھر اخبار میں گم ہو گئے۔

"ساری زندگی اسی طرح میرا کلیجہ جلایا ہے۔ یہ میرا ہی حوصلہ تھا جو آپ کے ساتھ گزارہ کر گئی۔ اگر ہوتی کوئی دوسری تو دن میں تارے دکھا دیتی۔"

خالہ بول رہی تھیں جبکہ خالو انہیں مکمل نظرانداز کیے اب کچن کی طرف منہ کر کے بلند آواز میں پوچھ رہے تھے۔

"انا بیٹا! آج دوپہر کا کھانا بھی ملے گا کہ نہیں؟"

خالہ نے سلگ کر دوپٹہ منہ پر رکھ لیا تھا۔ وہ اب اچھی خاصی ناراض ہو چکی تھیں۔ جبکہ خالو ان کو لفٹ کروائے بغیر ایک ایک نوالے پر انا کی تعریف کر رہے تھے۔ وہ خاصی رغبت سے کھا رہے تھے۔

شام کو خالہ چادر اٹھا کر اپنا غم ہلکا کرنے پڑوس میں چلی گئی تھیں اور وہ خالو کی فرمائش پر چائے بنا کر ان کے پاس پہنچی تو انہوں نے بہت عجیب سوال اس سے کیا۔

"انا بیٹا! تم میرے لیے کیا سوچتی ہو؟"

"کیا مطلب خالو جان؟" وہ بری طرح چونکی۔

"میرا مطلب ہے بیٹا! تمہاری زندگی میں میری کیا حیثیت ہے؟"

اس نے حیرت سے خالو کا چہرہ دیکھا جو کسوٹی، کسوٹی کھیلنے کے موڈ میں تھے۔ "آپ میرے لیے باپ کی جگہ پر ہیں۔" اس نے مختصراً جواب دیا۔

"تو کیا کوئی باپ اپنی بیٹی کے لیے غلط فیصلہ کر سکتا ہے جانتے بوجھتے؟" وہ نہ جانے کون سا اطمینان چاہ رہے تھے۔

"نہیں۔" اس نے پر اعتماد انداز سے جواب دیا۔

"تو میں تمہارے لیے کوئی فیصلہ کروں تو تمہیں منظور ہوگا؟"

خالو کے محبت بھرے انداز پر وہ چونک گئی تھی اور پھر کچھ سنبھل کر بولی۔ "ہاں مجھے منظور ہوگا۔"

"سوچ لو......" وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو خالو جان! پھر باپ اور بیٹی کے رشتے پر شک کرنے والی بات ہے۔" اس کے پر اعتماد لہجے پر وہ بے ساختہ مسکرا دیے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بڑے شفقت بھرے انداز میں بولے۔

"بس پھر اطمینان رکھو، میں تمہارے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں کروں گا، کیونکہ میں خود غرض نہیں۔"

انا بری طرح چونکی۔ اس کا دل بڑی رفتار سے دھڑکا تھا اور شریانوں میں خون چار گنا ہو کر دوڑنے لگا تھا لیکن وہ کوئی اور سوال کرنے کی جرات نہیں کر سکی تھی۔

❖❖❖

"فیصل نے اچانک ہی اسے طلاق کے کاغذات بھجوا دیے تھے اور ساتھ میں اپنی برٹش بیوی کے ساتھ شادی کی تصاویر بھی......"

وہ اور خالہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کاغذات کو دیکھتی رہ گئیں۔

"یہ کیا بکواس ہے، فیصل کا دماغ ٹھیک ہے، اس کی عقل کیا گھاس چرنے گئی ہوئی ہے، پاگل کتے نے کاٹ لیا ہے کیا اسے؟" خالہ اپنا ضبط کھو چکی تھیں۔

"کچھ عقل سے تم بھی کام لو۔" خالو نے ملامتی نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ خلاف توقع خاصے پرسکون تھے۔

جبکہ انا بہت بلندی سے نیچے گری تھی۔ وہ خاموشی سے دونوں میاں بیوی کو دیکھے جا رہی تھی۔ جبکہ خالہ کی آواز مارے طیش کے کپکپا رہی تھی۔

"مجھے نمبر ملا کر دیں اس بے غیرت کا، اتنا بڑا فیصلہ ماں سے پوچھے بغیر آخر اس نے کرنے کی جرات کیسے کی؟ یہ اتنا خود مختار کب سے ہو گیا؟ ماں باپ کا بڑھاپا رول دیا۔ کیا وہ فرنگن ہمیں بڑھاپے میں سنبھالے گی؟ ہائے ہائے فیصل! تجھے اللہ پوچھے، میرے کلیجے پہ ہاتھ ڈال دیا تو نے۔" وہ بلند آواز میں رو رہی تھیں۔

اسی لمحے صباحت پھوپھو اور سعدی گھر میں داخل ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہکا بکا انداز سے اندر کا منظر دیکھ رہے تھے۔ صباحت پھوپھو لپک کر خالہ کے پاس پہنچی تھیں۔

"خیریت تو ہے بھابی! آخر ہوا کیا ہے؟"

سروری خالہ ساری رنجشیں بھلائے ان کے سینے سے لگی دھواں دھار رونے لگیں۔ انا نے بے زاری سے یہ منظر دیکھا تھا۔ وہ بمشکل اٹھی اور اپنے کمرے میں جا کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ تکیہ اس نے اپنی آنکھوں پر رکھ لیا تھا۔ خالہ کے بین کرنے کی آوازیں اندر آ رہی تھیں۔

اس نے انگلیاں اپنے کانوں میں گھسالی تھیں۔ وہ کچھ بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

اسے لیٹے ہوئے کئی گھنٹے ہو گئے تھے۔ جب دھیرے سے دروازہ کھلا اور کسی نے کمرے کی ساری لائٹیں جلادی تھیں۔

"بے وقوف ہوگئی ہو اٹھو، یہ سوگ بعد میں منالینا۔ ویسے بھی وہ سیلفش بندہ اس قابل نہیں ہے کہ کوئی اچھی لڑکی اس کے لیے اپنا قیمتی وقت ضائع کرے۔"

سعدی پر خلوص لہجے میں کہتے ہوئے کرسی گھسیٹ کر اس کے پلنگ کے پاس لے آیا تھا۔

اس نے فوراً تکیہ ہٹایا اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"مجھے قطعاً کوئی دکھ یا افسوس نہیں ہے۔ لیکن یہ افسوس ضرور رہے گا کہ ایسا قدم مجھے خود بہت پہلے اٹھا لینا چاہئے تھا۔ مجھے تو خالہ سے ہمدردی ہے۔" وہ بالوں کو جوڑے میں لپیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔ دوپٹہ پھیلا کر لے لیا تھا۔

سعدی نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہاں واقعی کسی دکھ اور ملال کے رنگ نہ پا کر وہ خاصا مطمئن ہو گیا تھا۔

"ممانی جان کی تم فکر نہ کرو، ان کی فیصل سے فون پر بات ہو چکی ہے اور جب سے فیصل نے انہیں بتایا ہے کہ اس کی بیوی کروڑوں کے ایک سپر اسٹور کی اکلوتی مالک ہے، خالہ کا دکھ آدھا کم ہو چکا ہے۔" سعدی کے طنزیہ لہجے پر ایک استہزائیہ مسکراہٹ اس کے چہرے پر دوڑ گئی تھی۔

"ہاں۔ کچھ لوگوں کے دکھ واقعی پیسوں سے کم ہو جاتے ہیں۔"

انا کے تلخ لہجے پر وہ ایک دم چپ سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی تھی۔ پورے پانچ منٹ بعد وہ ہاتھ منہ دھو کر باہر آئی تو سعدی نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ وہ کوئی بھی رنگ اس کے چہرے پر باوجود کوشش کے نہ تلاش کر سکا تھا۔

"خالو جان کیا کر رہے ہیں؟" وہ تولیے سے منہ پونچھتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ماموں ذرا باہر نکلے ہیں، امی اور ممانی جان صحن میں ہیں۔ میں چائے بنا کر لایا تھا، سوچا کہ اکٹھے مل کر پیتے ہیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل سے کپ اٹھا کر اسے پکڑایا اور اس نے

آرام سے پکڑ بھی لیا۔

"اور تم نے ایم اے کی کتابیں اور سلیبس دیکھا؟" وہ بہت دوستانہ انداز سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں دیکھا تھا، لیکن کچھ چیزیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں، سوچا تھا کہ کسی دن حمنیٰ آپی کے ساتھ ڈسکس کروں گی۔" وہ چائے کا کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے بولی تھی، گرم چائے نے اس کے لبوں کو جلا دیا تھا۔

"اگر ڈسکس کرنا ہے تو فوراً کر لو کیونکہ اگلے ماہ حمنیٰ آپی کی شادی ہے، پھر تمہیں مجھ سے فیض یاب ہونا پڑے گا......"

"رئیلی!" اسے حقیقتاً خاصی خوشی ہوئی تھی "کب؟" وہ بہت بے چینی سے بولی تھی......

"بھئی۔ بتایا تو ہے کہ اگلے ماہ......!" وہ مسکرایا......

"اگلے ماہ کی کوئی ڈیٹ بھی تو ہوگی......" وہ جھنجلائی......

"چوبیس۔" اس نے بھی فوراً جواب دیا......

چائے پی کر وہ سعدی کے ہمراہ باہر نکلی تو صباحت پھپھو اور سروری خالہ نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا، کوفت اور بیزاری نے اس پر اچانک حملہ کر دیا تھا۔ تب ہی وہ جھنجلا کر کچن میں چلی گئی اور بے سبب برتن اٹھا اٹھا کر رکھنے لگی۔ چائے کے میلے برتن دھوئے اور سلیب صاف کی اور رات کے کھانے کی تیاری کرنے لگی۔ سعدی اور پھپھو تو کھانا کھاتے ہی فوراً چلے گئے تھے جبکہ خالو جان کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا...... وہ سارے کاموں سے فراغت پا کر باہر نکلی تو اسے محسوس ہوا کہ خالہ جان اس سے نظریں چرا رہی تھیں...... وہ خاموشی سے اپنے بستر پر لیٹ گئی......

اسے اپنا آپ بہت خالی خالی محسوس ہو رہا تھا۔ اب کیا ہوگا؟ یہ ایسا سوال تھا جس کے متعلق وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی...... لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال بار بار اس کے ذہن میں ابھر رہا تھا...... اور اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

خالو جان رات تقریباً پونے بارہ بجے واپس آئے تھے...... وہ خاصے تھکے تھکے سے تھے، وہ کھانا گرم کر کے ان کے لیے لائی تو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا......

"بیٹا! مجھ سے اکیلے کھانا نہیں کھایا جائے گا، اگر تم ساتھ شامل ہوگی تو ٹھیک ہے ورنہ

پھر اٹھا کر لے جاؤ......" وہ دوٹوک انداز میں بولے تھے۔

"خالو جان!" اس نے احتجاجی نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ دل میں اترنے کا فن جانتے تھے پھر خاموشی سے اٹھ کر ایک اور پلیٹ اٹھا لائی اور بے دلی سے لقمے توڑنے لگی۔

"تمہاری خالہ نے کھانا کھایا ہے؟" انہوں نے سرسری انداز سے پوچھا۔

"جی!" اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بیٹا ہوگی تو زحمت، لیکن کیا ایک کپ چائے مل جائے گی؟"

خالو جان کے التجائیہ لہجے پر فوراً سر ہلاتے ہوئے اٹھی...... اور پندرہ منٹ بعد وہ دو کپ لیے باہر تھی...... ٹھنڈی ہوا نے موسم خاصا خوشگوار کر دیا تھا...... اور چاند کی روشنی میں لائٹ جلانے کی ضرورت قطعاً محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے گہری نیند سوئی خالہ کو رشک بھری نظروں سے دیکھا......

"خالو جان! آپ کے پاس خالد چچا کا نمبر ہوگا۔" وہ ان کے پاس بیٹھ کر کچھ جھجکتے ہوئے بولی...... خالو بری طرح چونکے......

"ہاں ہے، لیکن کیوں؟"

"میں ان سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ایک دم کسی نتیجے پر پہنچ گئی تھی......

"تم یہاں سے جانا چاہتی ہو؟" ان کے سو فیصد درست اندازے پر اس نے سر ہلا کر تائید کی۔ وہ پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بولے۔

"میں جانتا تھا، تمہارا اب یہی فیصلہ ہوگا۔"

وہ دانستہ خاموش رہی......

"انا! ایک ہفتہ پہلے میں نے تم سے بات کی تھی اور کہا تھا کہ اگر میں تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کروں تو تمہیں اعتراض تو نہیں ہوگا...... تمہیں یاد ہے؟" وہ بہت سنبھل کر گویا ہوئے۔

"جی!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا لیکن ساتھ ہی اس نے خوف زدہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ کسی اور جذباتی فیصلے کی بھینٹ نہیں چڑھنا چاہتی تھی۔

خالو نے چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھا اور اس کو بغور دیکھا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ فیصل نے ایک سال پہلے سے شادی کر رکھی تھی؟"

"جی!!" وہ بری طرح چونکی اور الجھن بھرے انداز سے انہیں دیکھا جو کوئی اور نیا انکشاف کرنے جا رہے تھے......

"اور یہ کہ یہ بات اس کی ماں کو پچھلے ایک سال سے ہی پتا تھی......"

شریانوں میں بھاگتا خون پل میں منجمد ہو گیا...... وہ کوئی سوال کرنے کے قابل نہیں رہی تھی، پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی...... وہ خالہ کے صبح والے ڈرامے کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

"فیصل کی ماں نے صرف اور صرف میرے سامنے سچا ہونے کے لیے صبح وہ واویلا کیا تھا تاکہ میں اسے کوئی الزام نہ دے سکوں......" وہ انتہائی شرمندہ لہجے میں بول رہے تھے......

"مجھے ایک مہینہ پہلے تمہارے چچا نے فون پر فیصل کی شادی کی اطلاع دی تھی، وہ کویت سے کسی کام سے امریکہ گئے تھے اور جاتے ہوئے مجھ سے اس کا ایڈریس اور فون نمبر لے کر گئے تھے۔ وہ تو اسے سرپرائز دینے کے چکر میں بغیر بتائے گئے اور آگے ان کے لیے فیصل کی بیوی سرپرائز بن کر کھڑی تھی۔ تب انہوں نے مجھے فوراً اطلاع دی اور میں نے فیصل کو جواب طلبی کے لیے فون کیا اور کہا کہ وہ تمہیں فوراً فارغ کر دے۔ لیکن وہ خودغرض ماں کا خودغرض بیٹا تھا جس کی رگوں میں خودغرضی خون کی طرح دوڑ رہی ہے۔ وہ صرف اور صرف ہماری تنہائی کی وجہ سے تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اور پاکستان آنے کا بھی اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا......

میری ناراضی پر اس نے صاف صاف کہا کہ اس شادی کی اطلاع اس نے اپنی ماں کو دے دی تھی اور ماں نے ہی کہا تھا کہ اپنے باپ اور انا کو اس کی بھنک تک نہ پڑنے دینا۔" وہ دل گرفتی سے بول رہے تھے......

"لیکن پھر میں نے صاف صاف دوٹوک انداز میں اس سے کہا کہ انا کو تمہاری شادی کی اطلاع نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ تمہارے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ فیصل اسے چھوڑ کر کہیں بھی شادی کر سکتا ہے۔ اور میرے منہ سے یہ بات سن کر وہ کئی لمحے تک بول ہی نہیں سکا۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسے۔

انا کی سانسیں بحال ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے تشکر بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

"وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی اسے بھی ٹھکرا سکتا ہے۔ اس کی مردانگی کے لیے یہ

بہت بڑی چوٹ تھی۔ وہ ایسی اسٹیج پر تھا جہاں وہ تمہیں چھوڑتا تب بھی اس کے لیے ذلت والی بات تھی اور اگر ساتھ رکھتا تو اس سے بھی بڑھ کر ذلالت والی بات ہوتی۔ تب اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا انا کہیں اور انٹرسٹڈ ہے؟"

"پھر؟" انا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"میں نے کہا کہ دونوں طرف پسندیدگی کا عنصر برابر ہے......"

انا نے بے یقینی سے خالو جان کو دیکھا جو فیاضی سے مسکرا رہے تھے۔ اسے ایک ٹھنڈی لہر اپنے اندر اترتی محسوس ہوئی۔

"آپ نے کیا کہا؟" وہ بے تابی سے بولی تھی۔

"پہلے یہ بتاؤ کہ تمہیں میرا فیصلہ منظور ہوگا ناں؟ تم مجھے اس چیز کا اختیار دے چکی تھیں۔"

اس نے سخت خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھا وہ خاصے مطمئن اور بالکل خوش دکھائی دے رہے تھے......

"یقین کرو، اس فیصلے پر بہت سارے لوگوں کی خوشی کا دارومدار ہے۔ تمہاری صباحت پھپھو کی تو شروع سے خواہش تھی اور مجھے بھی اندازہ تھا کہ یہ سعدی بھاگ بھاگ کر یہاں کے چکر کیوں لگاتا ہے اور بچیاں بھی یہی چاہتی تھیں لیکن اس کے باوجود میں نے تمہاری پھپھو اور سعدی سے خود دوبارہ پوچھا۔ وہ تو احساس تشکر سے کافی دیر تک بول ہی نہ سکے...... میں نے بھی کہہ دیا کہ اب ڈبل رشتہ ہو جائے گا۔ میں ماموں ہی نہیں بلکہ سسر بھی بن جاؤں گا اور میرے لیے پہلے "انا" اور اس کے بعد باقی لوگ ہوں گے......"

وہ خاصے مطمئن لہجے میں بول رہے تھے......

"میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ میری بیٹی "قدر" کرنے والے لوگوں کے گھر میں جائے حالانکہ میری یہ خواہش بھی تھی کہ تم اسی گھر میں رہو۔ لیکن بیٹا! میں کیا کروں میں سب کچھ ہو سکتا ہوں لیکن خودغرض نہیں۔ میں کسی کی زندگی کو اپنی خودغرضی کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا......"

انا بے یقینی سے انہیں دیکھے جا رہی تھی......

"یقین کرو، بچیوں کو جب پتا چلا۔ انہوں نے گھر میں ہنگامہ مچا دیا۔ تمہاری پھپھو نے فوراً شکرانے کے نفل پڑھے۔ وہ بہت نرم دل، مخلص اور نیک خاتون ہے۔ اس گھر میں پیسے کی

فراوانی نہیں لیکن پیار، محبت اور اپنائیت وافر ہے۔"

انہیں بولتے بولتے احساس ہوا کہ وہ بالکل چپ ہے...... انہوں نے کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"انا!" ان کے لہجے میں خوف اور اندیشے تھے...... "کیا تمہیں میرا فیصلہ پسند نہیں آیا؟" انہوں نے خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں خالو جان!"

"پھر؟"

"بس کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ صاف گوئی سے بولی تھی...... "لیکن مجھے ایک چیز کا اطمینان ہے کہ کوئی باپ جان بوجھ کر اپنی بیٹی کے لیے غلط فیصلہ نہیں کر سکتا اور مجھے آپ پر بھرپور اعتماد ہے......"

"اوہ!" خالو جان نے ایک لمبی سانس لی اور شفقت بھرے انداز سے اس کا سر سہلایا۔ وہ اب خاصے مطمئن تھے......

جبکہ اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے اس نے سوچا کہ خدا کبھی کبھی اس طرح بھی دل پسند منزلیں سامنے لے آتا ہے کہ بندہ بے یقینی سے بس دیکھتا ہی رہ جاتا ہے...... وہ آسمان پر موجود روشن چاند کو دیکھتے ہوئے مسکرائی...... اسے نہ جانے کیوں یقین تھا کہ ایک روشن راہ اس کی منتظر ہے...... اور فیصلوں کے درست ہونے کو اتنا ہی کافی ہے کہ انسان کا دل ہلکا پھلکا اور پرسکون ہو جاتا ہے اور انا کو آج سے پہلے اپنا دل اتنا ہلکا پھلکا کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے اطمینان سے آنکھیں موند لی تھیں، چاند بھی اسے دیکھ کر اس لمحے مسکرایا تھا۔

❖ ❖ ❖

زندگی خوبصورت ہے

"آپ کا بل ادا ہو چکا ہے۔"

اکنامس ڈیپارٹمنٹ کی اس چھوٹی سی کینٹین کے ملازم کے منہ سے نکلنے والے الفاظ نے کاشف بٹ کو اچانک حیران کر دیا تھا۔

اس نے اپنے پاس کھڑے ولید کو حیرت سے دیکھا تو جواباً اس نے بھی کندھے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا کیونکہ وہ بھی صبح سے ہر لحہ اس کے ساتھ ہی تھا۔

بینک چوک سے کامرس ڈیپارٹمنٹ اور وہاں سے پھر دوبارہ بینک کے دو' تین چکروں نے ان دونوں کو خجل خوار ہو کر اس چھوٹی سی ٹک شاپ پر ریفریشمنٹ لینے پر مجبور کر دیا تھا اور ٹھنڈی کولڈ ڈرنکس کے ساتھ گرم گرم سینڈوچ کھاتے ہوئے دونوں کا موضوع گفتگو کاشف کی چھوٹی بہن مہرین کا اکنامکس ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن تھا۔ جس کی بی اے میں پرسنٹیج کم ہونے کی وجہ سے "سلف فنانس" پر اپلائی کرنا ان کی مجبوری بن گیا تھا۔ ابھی بھی سارے مراحل طے کرنے کے بعد وہ دونوں تھک ہار کر اس "ٹک شاپ" پر آن کھڑے ہوئے تھے۔

کولڈ ڈرنکس اور چکن تکہ سینڈوچ کے بعد جب کاشف نے بل منگوایا تو ملازم کی بات نے ان دونوں کو ہکا بکا کر دیا کہ پورے آٹھ سال کے بعد کیمپس میں ان دونوں کا کون واقف کار نکل آیا۔ حالانکہ اس یونیورسٹی سے ان دونوں نے آٹھ سال پہلے اکنامکس میں ہی ایم اے کیا تھا لیکن کیمپس میں یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد ان کا آنا جانا کم بلکہ نہ ہونے کے برابر تھا اور آج بھی ایک طویل عرصے کے بعد وہ دونوں آئے تھے۔

"ہمارا بل کس نے پے کیا ہے؟" آخر کار ولید رحمانی نے وہ سوال کر ہی لیا جو اسے سب سے پہلے ملازم سے کرنا چاہیے تھا۔

"میڈم "خدیجہ نور" نے۔" کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے ملازم نے انتہائی مصروف انداز میں جواب دیا اور مینگو شیک کے لئے آم چھیلنے لگا جبکہ وہ دونوں اس کے جواب پر حیران رہ گئے۔

"بھئی' یہ کون ذات شریف ہیں؟" ولید نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے حیرات سے پوچھا تو ملازم نے سخت بے زاری سے ناک پر بیٹھی مکھی اڑائی۔

"وہ اسی ڈیپارٹمنٹ میں پڑھاتی ہیں' سامنے ان کا دفتر ہے' باقی معلومات آپ ان سے جا کر لے سکتے ہیں۔" وہ انتہائی بدمزاجی سے بولا تھا۔

"لگتا ہے کہ کوئی اپنی خوبصورت پرسنالٹی اور ڈریسنگ سے متاثر ہو گیا ہے۔ یاد نہیں صبح مہرین کہہ رہی تھی کہ آپ میرا ایڈمیشن کروانے جا رہے ہیں یا کوئی ولیمہ اٹینڈ کرنے۔"

"جناب مجھے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں۔ کبھی آتش جوان ہوتا تھا، اب مابدولت دو اور آپ ایک عدد بیٹے کے والد بزرگوار ہیں۔" ولید چڑ کو بولا۔

وہ دونوں باتیں کرتے کرتے میڈم خدیجہ نور کے آفس کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔

"یار! یہ خدیجہ نور......؟" دونوں کے ذہن میں یک لخت جھماکا ہوا اور حیرت کی زیادتی سے منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور دونوں کے منہ سے اکٹھے ہی نکلا۔

"اوہ مائی گاڈ یہ خدیجہ نور یعنی چھوٹی دنیا۔"

دونوں آنکھیں پھاڑ کر آفس کے باہر لگی نیم پلیٹ کو دیکھ رہے تھے۔

"بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے۔" سب سے پہلے ولید ہی اپنے حواسوں میں آ کر بولا تھا۔

کاشف نے آنکھ کے اشارے سے پوچھا۔ "تو پھر ملنا ہے کیا؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔ ولید نے لاپروائی سے کندھے اچکائے۔" ابھی ابھی اس کا نمک کھایا ہے' اسے حلال بھی تو کرنا ہے۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ وہ کالی سی' موٹی سی' چھوٹی سی خدیجہ نور یونیورسٹی میں لیکچرار لگ گئی۔ یاد نہیں کہ عام اور معمولی سے کپڑوں اور جوگرز میں یہ پورے کیمپس میں کیسے پھدکتی پھرتی تھی اور ہم کتنا مذاق اڑاتے تھے۔" ولید نے یاد دلایا۔

"ہاں یار! بس حادثات زمانہ ہیں۔" کاشف ہنسا اور مزید گویا ہوا۔ "اب یہ چغلی

پروگرام بند کروا اور اپنی کلاس فیلو "چھوٹی دنیا" اوہ سوری میڈم خدیجہ کو بھی سلامی دے کر آؤ۔" کاشف نے اسے آگے دھکیلا تو وہ اسے گھورتے ہوئے آفس کا دورازہ ناک کرنے لگا۔

"استغفر اللہ۔ اتنا برا وقت بھی ہم پر آنا تھا کہ اب اس موٹی کے آفس میں اجازت لے کر جانا پڑتا ہے۔" ولید دھیمی آواز میں بڑبڑایا اور اندر سے آواز سن کر دونوں محتاط انداز میں داخل ہوئے۔

"آفس کی بڑی سی میز کے پیچھے قمیض پر سفید دوپٹہ اوڑھے، ناک پر مخصوص عینک چڑھائے خدیجہ کی شخصیت میں چھپا وقار اور سنجیدگی دونوں نے پہلی نظر میں ہی محسوس کر لی تھی۔ وہ ہاتھ میں پکڑی اسائنمنٹ میز پر رکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

یہ وہ خدیجہ نور تو نہیں تھی جو اپنے لاپرواحلیے اور فربہی مائل سراپے کے ساتھ جوگرز پہنے پورے ڈیپارٹمنٹ میں ادھر ادھر گھومتی نظر آتی تھی نوٹس کے چکر میں۔

یہ وہ خدیجہ نور بھی نہیں تھی جس کی چپٹی ناک پر پڑی عینک پر سب کلاس فیلوز مذاق میں فقرے کستے اور وہ خوش دلی سے ہنستی رہتی۔

یہ وہ خدیجہ نور بھی نہیں تھی جو مدر ٹریسا بنی ہر کسی کی مدد کو تیار اور اکثر پروفیسرز کی فیورٹ اسٹوڈنٹ تھی لیکن کاشف بٹ اور ولید کا گروپ اسے گھاس بھی نہیں ڈالتا تھا۔

"کیسے ہیں آپ لوگ؟" اس نے ہاتھ میں پکڑا قیمتی قلم بھی میز پر رکھ دیا تھا اور اب سادہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا حال احوال پوچھ رہی تھی۔ دونوں مرعوب انداز میں صرف سر ہی ہلا کر رہ گئے۔

"میں کلاس لے کر نکلی تو آپ لوگ "ٹک شاپ" پر کھڑے ریفریشمنٹ لے رہے تھے۔ میرے بے شمار اسٹوڈنٹس آس پاس تھے اس لیے میں نے مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ بہت باوقار انداز میں بول رہی تھی' اسی وجہ سے کاشف نے بھی ریزرو انداز سے پوچھا۔

"کب ہوئی آپ کی جاب یہاں؟"

وہ اپنے چہرے سے عینک اتار کر ٹشو سے صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"مجھے تو یہاں پورے پانچ سال ہو گئے ہیں' ڈیپارٹمنٹ نے سیٹس ایڈوانس کی تھیں۔ مجھے ذاکر صاحب نے کہا کہ اپلائی کر دو۔ وہ چونکہ میرے تھیسس کے سپروائزر بھی تھے۔" اس لیے ان کی بات میں ٹال نہیں سکی۔ بس اللہ کی رحمت سے میری سلیکشن ہو گئی' حالانکہ مجھے قطعاً امید نہیں تھی۔"

اس کی صاف گوئی پر وہ دونوں بے ساختہ مسکرائے تھے۔ "ہاں' ہم لوگوں کا بھی کافی سالوں سے یہاں کا چکر نہیں لگا۔ ایم اے کے بعد بس غم روزگار نے ادھر ادھر دیکھنے کی مہلت ہی نہ دی۔ تم نے تو شاید "ایم فل" میں بھی ایڈمیشن لیا تھا؟" ولید اپنے ازلی بے تکلف لہجے میں بولا تھا۔

"ہاں' میری دوسری پوزیشن تھی ایم فل میں۔"

اس نے ایک اور انکشاف کیا تھا۔

"یا اللہ! میں تو آج بے ہوش ہو جاؤں گا۔" ولید شرارتی لہجے میں کہہ رہا تھا' وہ اس انداز پر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"آپ کو یاد ہے کہ میں "مائیکرو اکنامکس" سے کتنی چڑتی تھی۔" اس نے یاد دلایا۔

"جی جناب! اور تم نے اس کے نوٹسوں کیلئے عامر مغل کو بھاری بھر کم ٹریٹ کا لالچ بھی دیا تھا اور تب جا کر عامر کمینہ مانا تھا۔" ولید کے یاد دلانے پر وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"مجھے تو یہ بھی یاد ہے کہ ریسپشن پر تم نے پہلی دفعہ جوگرز کے بجائے نازک سی ہیل کا جوتا پہنا تھا اور جو سیڑھیاں اترتے ہوئے ٹوٹ گیا تھا اور تم دھواں دھار روئی تھی کہ گھر کیسے جاؤں گی' تب وہ ہمارا بیچارہ سی آر فراز جنجوعہ اور سارہ مجتبیٰ دونوں تمہارا جوتا لے کر اپنی گاڑی میں مرمت کروانے گئے تھے۔" کاشف نے شوخ لہجے میں ماضی کی یادوں کو زندہ کیا۔

"اور پھر کچھ عرصے کے بعد فراز اور سارہ کی منگنی ہو گئی تھی اور فراز با نگ دہل کہتا تھا کہ یہ صرف اور صرف خدیجہ نور کے جوتے کی برکت ہے جس نے ہم دونوں کو موقع فراہم کیا اور اس وقت راستے میں پہلی دفعہ فراز نے سارہ سے محبت کا اظہار کیا تھا۔"

"بہت خوبصورت اور یادگار دن تھے وہ......" خدیجہ نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں۔" وہ دونوں بھرپور انداز میں مسکرائے تھے۔

اس کے بعد یونیورسٹی کے یادگار واقعات اور کبھی فراموش نہ کی جانے والی باتوں کا جو

لامحدود سلسلہ شروع ہوا تو دو گھنٹے کے بعد فاطمہ نامی کسی اسٹوڈنٹ کے آنے پر ہی منقطع ہوا۔ خدیجہ نور بہت سنجیدگی سے اب اس اسٹوڈنٹ کی اسائنمنٹ کی طرف متوجہ تھی جبکہ ان دونوں نے بھی وہاں سے اٹھنے کی اجازت مانگی خدیجہ نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مہرین کے ایڈمیشن کے سلسلہ میں بھرپور کوشش کرے گی۔

❖❖❖

"یار ولید! کبھی کبھی مجھے تمہاری صلاحیتوں پر سخت رشک آتا ہے۔" کاشف نے خدیجہ نور کے دفتر سے نکلتے ہی توصیفی لہجے میں کہا تو ولید نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں' میں کون سا امریکہ کے صدارتی انتخاب میں کھڑا ہوگیا ہوں یا میں نے بیس کاریں پھلانگنے کا عالمی ریکارڈ قائم کردیا ہے۔" ولید اپنے ازلی لاپروا لہجے میں بولا تھا جبکہ وہ سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"پھر بھی یار! میں نے مانا کہ خدیجہ نور اپنی کلاس فیلو تھی اور جسے ہم نے کبھی گھاس نہیں ڈالی تھی بلکہ کلاس کے کسی بھی لڑکے نے اسے اہمیت نہیں دی' الٹا ہم اس کا مذاق ہی اڑاتے تھے لیکن اس خدیجہ نور اور اس خدیجہ نور میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ تو انتہائی سنجیدہ' ڈیسنٹ اور باوقار سی ہوگئی ہے اور میں تو کم از کم جرات نہیں کرسکا کہ تمہاری طرح اسے 'تم' کرکے بات کرسکوں۔" کاشف نے اپنے دل کی بات بتائی تو ولید قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"سچی بات بتاؤں' ڈر تو مجھے بھی لگا تھا لیکن میں نے سوچا کہ "ولید ارشد" یہ موقع اچھا ہے' اگر "چھوٹی دنیا" کو ہماری مرعوبیت کا پتا چل گیا تو کہیں پہاڑ پر ہی نہ چڑھ جائے اور ہماری بچی مہرین کے ایڈمیشن کے چانسز خاصے کم ہیں۔ چلو خدیجہ نور کو مکھن لگاؤ' کہیں تو کام آئے گی۔ دیکھا' وہ کس طرح یقین دلا رہی تھی کہ آپ کا کام ہوجائے گا۔" ولید نے اس کی نقل اتاری تو کاشف نے ایک جھانپڑ اسے رسید کیا۔

"بہت کمینے ہو تم' وہ تو جب "تم تم" کرکے شروع ہوئے تو میں نے سوچا کہ لو بیٹا! اب اسے جھاڑ پڑے گی لیکن خیریت رہی ......اور میں نے تو اسی ڈر سے اسے زیادہ مخاطب نہیں کیا۔" کاشف نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا تب ہی تم گونگے کا گڑ کھائے بیٹھے تھے۔ قسم سے کاشف! تمہاری تو عروج بھابھی نے مت مار کر رکھ دی ہے۔ اچھے خاصے کونفیڈنٹ اور حاضر جواب ہوتے تھے اور اب

کئی کئی منٹ ہونق بن کر اگلے بندے کی شکل دیکھتے رہتے ہو۔" ولید کے طنزیہ لہجے پر کاشف کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کو پھیکی ہوئی تھی پھر وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں یار! تم ٹھیک کہتے ہو' اس ایک لڑکی نے صرف مجھے ہی نہیں میرے پورے گھر کو ڈسٹرب کرکے رکھ دیا ہے۔ امی بالکل خاموش ہوگئی ہیں۔ ڈیڈی زیادہ وقت آفس میں رہتے ہیں اور فرزام کو مہرین اور ثمرین سنبھالتے ہلکان ہوجاتی ہیں اور جو سچ پوچھو تو اتنے ٹینس ماحول میں میرا قطعاً گھر جانے کو دل نہیں کرتا۔"

ولید نے ہمدردی سے اپنے جگری دوست کو دیکھا جو تین سالوں میں بالکل بدل کر رہ گیا تھا۔

"دفع کرو یار! اس خودغرض اور مفاد پرست لڑکی کو۔ زندگی ایک لڑکی پر ختم نہیں ہوجاتی اور انکل اور آنٹی کو بھی کہو کہ اس کا سوگ منانا ختم کریں اور فرزام کے ساتھ نارمل سلوک کریں۔ زیادہ توجہ بھی بعض اوقات بچوں کو ابنارمل کردیتی ہے......" ولید نے خلوص سے مشورہ دیا۔

"یار! کس منہ سے انہیں مشورہ دوں' تمہیں پتا تو ہے کہ عروج سے شادی میں نے سارے خاندان سے مخالفت مول لے کر کی تھی۔ امی ابو تو آخری لمحے تک نہیں مان رہے تھے لیکن میرے دماغ پر عشق کا بھوت سوار تھا اور بعض دفعہ جب اولاد والدین کے تجربات سے فائدہ نہیں اٹھاتی تو خسارہ ہی اس کے حصے میں آتا ہے۔" کاشف کا اضطراب اس کے لہجے سے ظاہر ہورہا تھا۔

وہ دونوں آہستہ آہستہ بینک چوک تک پہنچ گئے تھے۔ ولید نے بہت غور سے اپنے دوست کا چہرہ دیکھا جس کے لہجے سے تھکن عیاں تھی جبکہ پیشانی شکنوں سے پر تھی۔

"کہاں ہوتی ہے عروج آج کل؟"

"دبئی۔" کاشف کا لہجہ اس کے ذکر پر خود بخود روکھا سا ہوگیا۔

"پی ٹی وی پر ہی اس کی جاب ہے نا؟" ولید نے بھی سوچتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں' اب محترمہ دوسرے چینل پر جلوہ گر ہوتی ہیں۔" کاشف کی اطلاع پر وہ ٹھٹکا۔

"اوہ......دبئی میں کس کے پاس ہے' بھائی تو اس کا انگلینڈ میں ہوتا ہے نا؟"

"بھئی' اس کو کسی کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ پراعتماد اور خودمختار

ہے۔عورتوں کی آزادی کی علم بردار...... اس کو کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں۔'' عادت کے مطابق کاشف نے اضطراری انداز میں انگلیاں بالوں میں پھیریں' ایک اذیت پسندی مسکراہٹ اس کے لبوں پر سجی ہوئی تھی۔

''یار! چھوڑو' یہ فضول ٹاپک۔ یاد ہے ایک دفعہ ہم نے بینک چوک کے سامنے والی اس سڑک پر کرکٹ کھیلی تھی اور عمر چھچھوندر نے ہٹ لگائی تو گیند اڑتی ہوئی ''وائس چانسلر'' کی گاڑی کا شیشہ توڑ گئی اور پھر ہم سب کے کیسے ہاتھ پیر پھولے تھے اور سکیورٹی والے پاگلوں کی طرح ہمارے پیچھے بھاگے تھے لیکن ایک بھی لڑکا ان کے قابو میں نہیں آیا تھا۔'' ولید نے دانستہ موضوع تبدیل کرتے ہوئے کاشف کی توجہ دوسری جانب مرکوز کروائی' اب دونوں وہ واقعہ یاد کر کے ہنس رہے تھے۔

''چلو ولید میاں! کیفے میں چائے کا ایک ایک کپ پئیں۔'' کاشف نے اچانک فرمائش کی تو گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے ولید رک گیا اور اگلے دو منٹوں میں وہ دونوں کیفے ٹیریا میں بیٹھے چائے پیتے ہوئے ایک دفعہ پھر خدیجہ نور پر تبصرہ کر رہے تھے۔

❖❖❖

اس دن ولید آفس سے سیدھا کاشف کی طرف چلا آیا تھا۔

شام کی چائے کے لئے سب ہی لان میں اکٹھے تھے۔ موسم خاصا بدل چکا تھا اور ہواؤں میں ٹھنڈک سی محسوس ہوتی تھی۔ وہ دونوں بزنس کے کسی پروجیکٹ میں الجھے ہوئے تھے جب مہرین چائے کی ٹرے لیے سیدھی وہیں چلی آئی تو ولید کو اسے دیکھتے ہی یاد آیا۔

''ہاں بھئی مہرو! کیا بنا تمہارے ایڈمیشن کا!''

مہرین نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا اور کمر پر ہاتھ رکھ کر مصنوعی خفگی سے بولی۔ ''توبہ ہے ولید بھائی! ہماری کلاسز شروع ہوئے بھی بیس دن ہو چکے ہیں اور آپ کو آج یاد آ رہا ہے۔''

''رئیلی۔'' ولید نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

''جی جناب! آپ کو اپنی بیگم کے رشتہ داروں سے فرصت ملے تو تب نا!''

مہرین نے اسے چھیڑا۔ وہ پچھلے دنوں اپنی سالی کی شادی میں خاصا مصروف تھا' ورنہ کاشف کا بیسٹ فرینڈ اور پڑوسی ہونے کی حیثیت سے بھی ہر دوسرے تیسرے دن اس کا چکر

لگ جاتا تھا۔ کاشف اور ولید کی کوٹھی کی درمیانی دیوار مشترکہ تھی۔ ولید کی اکلوتی بہن صنوبیہ اور ثمرین دونوں کلاس فیلو تھیں۔ ولید لوگ تین بھائی اور ایک بہن جبکہ کاشف صرف ایک بھائی اور دو بہنیں تھیں اور دونوں گھرانوں کی آپس میں خاصی بے تکلفی تھی اور دن رات کا آنا جانا تھا۔ کاشف اور ولید کی شادیاں بھی تین مہینے کے وقفے سے ہوئی تھیں۔ ولید کی مسز حنا خاصی زندہ دل' شوخ اور دوستانہ مزاج کی حامل تھیں اور ان کی مہرین کے ساتھ بنتی بھی خوب تھی۔

''اور سناؤ مہرو! تمہاری ''میڈم چھوٹی دینا'' کا کیا حال ہے؟'' ولید نے پوچھا۔ مہرین نے حیرانی سے دونوں کو دیکھا۔

''کون سی میڈیم چھوٹی دنیا؟'' وہ لمحے بھر کو سوچ میں پڑ گئی۔

''شرم کرو' اس کی استاد کا اس کے سامنے الٹا نام لے رہے ہو۔ حالانکہ اس بے چاری نے مہرین کو خاصا گائیڈ کیا اور وقتاً ''فوقتاً'' ہمارا حال احوال بھی پوچھتی رہتی ہے۔'' کاشف کی بات پر مہرین بے ساختہ بولی۔

''آپ میڈم خدیجہ نور کی بات کر رہی ہیں؟''

''یس آف کورس۔'' ولید کی تائید پر مہرین کو خاصا صدمہ ہوا تھا۔

''بہت بری بات ہے ولید بھائی! آپ ہماری اتنی زبردست میم کا ایسا نام رکھ رہے ہیں۔''

''لو میں نے کب رکھا ہے پوری کلاس اسے یہی کہتی تھی۔'' ولید نے فوراً صفائی دی۔

''آپ کو پتا ہے کہ پورے ڈیپارٹمنٹ میں اسٹوڈنٹس میڈیم خدیجہ نور کے دیوانے ہیں، ان کا وے آف ٹیچنگ بہت شان دار ہے اور اتنی پولائٹ اور کوآپریٹو ہیں کہ کسی کو بھی کوئی مسئلہ ہوتا ہے تو بے دھڑک میم کے آفس میں پہنچ جاتا ہے۔ ان کی پرسنالٹی میں بہت گریس ہے۔'' مہرین سخت متاثر تھی جبکہ ولید اسے کسی خاطر میں لائے بغیر شرارتی لہجے میں بولا تھا۔

''ذرا اپنے بھائی سے پوچھو' یہ تمہاری میم کتنی بونگی ہوتی تھی۔ ہونقوں کی طرح منہ کھول کر بات کرتی تھی اور ''مدر ٹریسا'' بننے کے چکروں میں ادھر ادھر جوگرز پہن کر پھدکتی پھرتی تھی۔ کالے، پیلے، نیلے، رنگ کے کپڑے پہنتی تھی' ہم لوگ تو بہت ہنستے تھے اس پر......''

''کاشف بھائی پلیز! آپ ولید بھائی کو منع کریں، مجھے سخت غصہ آ رہا ہے۔ آپ لوگوں کو اللہ نے اگر کچھ ڈھنگ کی پرسنالٹی دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں کا مذاق

اڑاتے پھریں اور ہم اسٹوڈنٹس نے کبھی میڈیم خدیجہ کی ظاہری شکل وصورت کو نہیں دیکھا، ان کی ''نیچر'' اتنی سوفٹ اور پیاری ہے کہ شکل وصورت کی طرف دھیان ہی نہیں جاتا' ورنہ میم حوریہ بھی تو ہیں۔ دیکھنے میں جتنی اسٹائلش اور خوبصورت اور طبیعت ان کی انتہائی بدمزاج اور مغرور......'' مہرین سخت جذباتی ہورہی تھی۔

''بھئی خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آہی جاتی ہے۔ اب تمہاری میم حوریہ پر نخرہ سوٹ بھی کرتا ہوگا اور وہ بے چاری ''چھوٹی دنیا'' کس بل بوتے پر نخرہ کرے؟'' ولید نے اسے پھر چھیڑا' اس کی اور مہرین کی نوک جھونک اکثر چلتی رہتی تھی۔

''ایسے حسن اور خوبصورتی کا اچار ڈالنا ہے جو دوسروں کا بھی دماغ خراب کرکے رکھ دے۔ جب زبان کے آگے ''خندق'' ہو تو وہی خوبصورت چہرا انتہائی بدصورت لگنے لگتا ہے اور ہمارے تو گھر کی مثال ہے.....''

مہرین کے تلخ لہجے پر کاشف کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔ ولید نے بھی بوکھلا کر بے ساختہ کاشف کو دیکھا تھا جو چائے کے خالی کپ میں بلاارادہ چمچہ ہلائے جارہا تھا جبکہ مہرین کو احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ وہ بے ساختگی میں اپنے بھائی کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ بیٹھی تھی۔

اسی وقت ثمرین چار سالہ فرزام کو اٹھائے لان میں چلی آئی۔ وہ اس کی گود میں بلک رہا تھا۔ سب کی توجہ اس کی طرف ہوگئی تھی۔ کاشف نے بے اختیار کھڑے ہوکر بیٹے کو گود میں لیا تھا۔

''کیا ہوا میری جان کو؟'' کاشف کے دل کو کچھ ہورہا تھا۔

''ہونا کیا ہے بھائی!'' ثمرین جو کہ فورتھ ایر کی اسٹوڈنٹ تھی، خاصی بے زاری سے بولی تھی۔ ''امی نے اسے ٹی وی پر کارٹون لگا کر بٹھایا ہوا تھا۔ پتا نہیں کب ریموٹ سے اس نے چینل تبدیل کرلیا اور بھابی عروج کو پروگرام کرتے دیکھ کر تب سے رورہا ہے کہ مما کے پاس جانا ہے۔'' ثمرین کی بات پر سب کو جھٹکا لگا تھا۔

''ہزار دفعہ امی سے کہا ہے کہ کیبل ختم کروادیں' نہ وہ منحوس چہرہ اسے نظر آئے گا اور نہ یہ ضد کرے گا۔''

کاشف نہ جانے کیوں بھڑک اٹھا تھا۔ حالانکہ اس طرح ضبط کھونا اس کا کبھی شیوہ نہیں رہا تھا لیکن فرزام کی ضدی طبیعت اور مسلسل بخار کی وجہ سے اس کی برداشت کبھی کبھی ختم

ہوجاتی تھی۔

''ٹیک اٹ ایزی یار!'' ولید نے آگے بڑھ کر روتے ہوئے فرزام کو زبردستی اس سے لیا جبکہ دونوں بہنیں دم بخود اپنے نرم مزاج بھائی کو دیکھ رہی تھیں۔

''اوہ میرا یار! اتنا بڑا ہوکر روتا ہے۔ بھئی میں تو اپنے شیر بیٹے کو لینے آیا تھا۔ ہنی اور سنی کہہ رہے تھے کہ سوزو واٹر پارک جانا ہے لیکن اب میں سوچ رہا ہوں کہ آپ کو یہیں چھوڑ جاؤں اور سنی اور ہنی کو لے جاؤں۔'' ولید کے دوستانہ انداز پر فرزام کے رونے میں ایک دم کمی آگئی تھی۔

''بس فائیو تک گنوں گا' اگر آپ چپ نہیں کریں گے تو پھر میں آپ کے پاپا، ثمرین آنی' مہرین آنی آپ کی حنا آنٹی سب چلے جائیں گے جبکہ آپ دادو کے پاس گھر پہ رہیں گے۔ کیوں بھئی ثمرین۔'' ولید کے محبت بھرے لہجے پر فرزام ایک دم خاموش ہوگیا تھا لیکن اس کے پھولے پھولے گالوں پر رکے آنسو دیکھ کر کاشف کے دل پر بے بسی کا حملہ ہوا تھا۔

''ادھر آؤ جانو' اپنے پاپا کے پاس' آپ تو بیٹا ٹائیگر ہو' اتنے بڑے ہوکر روتے تھوڑی ہیں۔'' کاشف نے زبردستی مسکراتے ہوئے اسے اپنے بازوؤں میں لے کر بے ساختہ پیار کیا تھا اور یہ تو سچ تھا کہ بیٹے میں اس کی جان تھی، حالانکہ عروج اتنی جلدی بچے کے حق میں نہیں تھی۔ اس کو ڈر تھا کہ اس کا فگر خراب ہوجائے گا لیکن کاشف نے اس معاملے میں اس کی ایک نہیں سنی تھی اور یہی وجہ تھی کہ فرزام کی پیدائش پر وہ خاصی بے زار اور چڑچڑی سی ہوگئی تھی اور اتنے چھوٹے بچے سے اس کی لاتعلقی بعض اوقات کاشف کو سخت دکھ دیتی تھی۔ فرزام زیادہ تر دادی اور پھپھوں کی گود میں رہا تھا۔

''چلو بیٹا مہرو آنی آپ کو چینج کروادیں گی۔ اس کے بعد میرا بیٹا ولید چاچو کے ساتھ سوزو واٹر پارک جائے گا، آئس کریم کھائے گا۔'' کاشف نے اسے بہلایا۔

''پاپا! سلانٹیز بھی......'' فرزام کے ناراض لہجے میں کی گئی فرمائش پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں ہاں بیٹا! کیوں نہیں۔'' کاشف نے اسے تسلی دی جبکہ مہرین اسے اٹھا کر اندر لے گئی تھی اور ثمرین اس کے پیچھے۔

''یار! ایسے کب تک چلے گا' یہ فرزام تو بہت زیادہ حساس بچہ ہے۔ حالانکہ عروج بھابی

نے کبھی اسے زیادہ ٹائم نہیں دیا لیکن اگر یہی حال رہا تو وہ ذہنی طور پر بہت ڈسٹرب رہے گا۔"

ولید نے جانچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا جبکہ وہ فوراً نظریں چرا گیا تھا۔

"یار! اس معاملے میں، میں بے بس ہوں۔ بے شک وہ اسے ٹائم نہیں دیتی تھی لیکن آتے جاتے ہیلو ہائے تو کر لیتی تھی۔ کبھی کبھار گود میں بھی اٹھا لیتی تھی اور جہاں بلڈ ریلیشن ہو بندہ نہ چاہتے ہوئے بھی کبھی کبھار متوجہ ہو ہی جاتا ہے۔ حالانکہ چار سالوں میں اس نے بمشکل چار دفعہ ہی اسے پیار کیا ہوگا لیکن بچہ تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ماں کی طرف ہی لپکے گا نا!"

کاشف کے دل گرفتہ انداز پر ولید نے تائید میں سر ہلایا۔

"بہرحال ایک بات تو طے ہے کہ عروج بھابی نے نقصان کا سودا کیا ہے۔ مجھے ان سے اس بے وقوفی کی امید نہیں تھی اور تم نے بھی ان کی جاب کے ساتھ نہ چاہتے ہوئے بھی کمپرومائز کر لیا تھا پھر سسرال والوں کی طرف سے بھی کوئی روک ٹوک نہیں تھی پھر صرف "دوبئی" میں جاب کرنے کی ضد کے آگے گھر ہی برباد کر لیا...... صحیح کہا ہے سیانوں نے، عورت جب ضد پر اتر آئے تو اپنا بڑے سے بڑا نقصان بھی برداشت کر لیتی ہے۔"

"یار ولید! سارے حالات تمہارے سامنے ہیں، مجھے ٹی وی پر اس کی جاب سخت ناپسند تھی لیکن اس کا شوق اور ضد دیکھ کر ہتھیار ڈال دیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ٹی وی پر کام کرنے والی گھر نہیں بساتیں، اب تمہاری بڑی سالی بھی تو چینل سے وابستہ ہے۔ سارا گھر سنبھالا ہوا ہے ماشاءاللہ۔ دونوں بچوں کو بھرپور ٹائم دیتی ہے لیکن عروج پر تو گھر کی کوئی ذمہ داری بھی نہیں تھی پھر بھی اسے گھر کا ماحول گھٹا گھٹا اور بیک ورڈ لگتا تھا...... میں نے فرزام کی خاطر پورے چار سال اس کی ہر ضد مانی کہ شائد اسے عقل آجائے مگر میرے کمپرومائز کو اس نے میری کمزوری سمجھ لیا۔" ایک استہزائیہ مسکراہٹ نے کاشف کے چہرے کا احاطہ کر لیا تھا۔

"تمہارے سسر صاحب تو اچھے خاصے سمجھدار انسان ہیں۔ انہوں نے بیوی کے انتقال کے بعد اپنے دونوں بچوں کو ماں سے بڑھ کر پیار دیا۔ انہوں نے بیٹی کو نہیں سمجھایا؟"

"یار! ساری دنیا نے سمجھایا تھا۔ تم تو ان دنوں ہالینڈ گئے ہوئے تھے ورنہ دیکھتے۔ میرے سسر صاحب بے چارے شریف آدمی۔ بس مجھے کول ڈاؤن ہونے کا مشورہ دیتے رہے اور جب عروج نے خلع کیلئے عدالت میں کیس کر دیا تو انہوں نے کہا تھا کہ بیٹا! یہ سمجھنے سمجھانے

کی حدوں سے آگے نکل گئی ہے۔ شہرت اور نام کمانے کا نشہ اس کے دماغ پر سوار ہو گیا ہے، اس لیے دنیا کو تماشا دکھانے سے اچھا ہے کوئی بہتر فیصلہ کر لو۔" کاشف نے سنجیدگی سے بتایا۔

"اور میں نے تب ہی اس سے کہا کہ اگر دوبئی والا چینل جوائن کرنے کے بجائے پاکستان میں ہی کام کرو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن وہ بضد تھی کہ مجھے بھی اپنے والدین کو چھوڑ کر دوبئی شفٹ ہو جانا چاہئے جبکہ آفرین ہے میرے امی ابو پر۔ انہوں نے تب بھی کہا کہ تم دوبئی چلے جاؤ، اپنا گھر بچالو لیکن یار! میرے ضمیر نے مجھے اجازت نہیں دی۔ میں اتنی بڑی قربانی اس خودغرض لڑکی کیلئے دوں جو صرف اپنی ذات کے بارے میں سوچتی ہے۔"

"اور فرزام کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں سوچا؟" ولید نے حیرت سے پوچھا۔

"اس نے مجھے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ صرف تمہاری خواہش پر تمہارا بیٹا دنیا میں آیا ہے، مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اپنا کیریئر بنانا چاہتی ہوں اور سات مہینے ہونے کو ہیں، ایک دفعہ بھی اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔ البتہ فرزام کے نانا اکثر چکر لگا لیتے ہیں۔ بے چارے خاصے شرمندہ ہیں۔" کاشف نے بے حد ستے ہوئے انداز میں کہا تو ولید اسے دیکھ کر رہ گیا۔

❖❖❖

امی ہاسپٹل میں ایڈمٹ تھیں، انہیں ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ انہوں نے اکلوتے بیٹے کا گھر اجڑنے کا صدمہ دل پہ لے لیا تھا اور اندر ہی اندر کڑھتی رہتی تھیں، عرصے کی گھٹن اور دکھ ہارٹ اٹیک کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔

کاشف کا فیکٹری سے آنے کے بعد زیادہ ٹائم ہاسپٹل میں ہی گزر رہا تھا۔ اس کے آنے کے بعد ابوجی فیکٹری کیلئے نکل پڑتے۔

اس دن وہ مطلوبہ میڈیسن لے کر امی کے پرائیویٹ روم کی طرف آیا تو کھلے دروازے سے مہرین کے ساتھ خدیجہ نور کو دیکھ اسے بڑی خوشگوار حیرت ہوئی۔ بلیک سوٹ کے ساتھ پھولوں والا اسکارف سلیقے سے لیے وہ بڑی [illegible]مت سے امی کا ہاتھ پکڑے ان کی طبیعت پوچھ رہی تھی۔

"دیکھیں بھائی! کون آیا ہے۔ میں ابھی امی کو بتا رہی تھی کہ میری میم بھائی کی کلاس فیلو بھی ہیں اور مجھے اسی وجہ سے خصوصی توجہ دیتی ہیں......" مہرین کے لہجے سے بے حد خوشی جھلک رہی تھی۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس نے دوائیاں سائیڈ پر رکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے وہ جس حال میں جیسا رکھے۔ میری والدہ ہائی شوگر کی مریض ہیں۔ پچھلے دنوں واش روم میں سلپ ہوجانے کی وجہ سے گھٹنے پر چوٹ لگ گئی۔ یہ آپ کے ساتھ والے روم میں کل سے ایڈمٹ ہیں۔ ویسے تو چھوٹی بہن اسماء بھی ہاسپٹل میں ڈاکٹر ہے لیکن میری والدہ مجھ سے خصوصی اٹیچ ہیں' اس وجہ سے میں یونیورسٹی سے چھٹیاں لے کر ہر وقت ان کے پاس ہوتی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے مہرین سے اچانک ملاقات ہوئی تو آپ کی امی کا پتا چلا۔" وہ تفصیل سے بتارہی تھی۔

"اللہ آپ کی والدہ کو صحت دے۔" کاشف نے خلوص دل سے کہا۔ اسی وقت ڈاکٹر اسماء نے کمرے میں جھانکا تھا' وہ خاصی خوش مزاج اور بے تکلف سی لگ رہی تھی۔

"آپی! آپ یہاں بیٹھی ہوئی ہیں جبکہ میں نے پورے ہاسپٹل میں اعلان کروادیا ہے کہ میری آپی کو ڈھونڈنے والے کو گلوکوز کو پرا پیکٹ انعام میں ملے گا۔ سارا اسٹاف آپ کی تلاش میں ہے۔" وہ خاصے شرارتی انداز سے بولی تھی۔

"ادھر آؤ ذرا' اعلان تو بعد میں کروانا' پہلے ذرا سنو۔ آنٹی شکایت کررہی ہیں کہ اس ہاسپٹل کا اسٹاف بالکل ذمہ دار نہیں ہے۔ کئی کئی گھنٹے کوئی اندر جھانکتا نہیں ہے۔" خدیجہ نے مصنوعی خفگی سے کہا تو وہ فوراً اندر داخل ہوگئی۔

"خدا کا خوف کریں آپی! ذرا آہستہ بولیں، سرجن خالد نے سن لیا تو سب کے سامنے جھاڑ دیں گے۔ کیا واقعی آنٹی آپ کو شکایت ہے؟" وہ بڑی اپنائیت سے پوچھ رہی تھی، اس کے فکرمند لہجے پر سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ارے نہیں بیٹا! ویسے ہی مذاق کررہی ہے بہن، ورنہ ماشاء اللہ سارے ہی محنتی بچے ہیں اور مجھے تو بالکل نہیں پتا تھا کہ اتنی پیاری بچی میری بیٹی کی استاد کی بہن ہے۔" امی کی تسلی پر ڈاکٹر اسماء کے چہرے کی رونق بحال ہوئی۔

"توبہ ہے آپی! آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔ میں بھی حیران ہورہی تھی کہ ان پرائیوٹ رومز میں تو خاص طور پر سب ایکٹو رہتے ہیں اور اوپر سے اگر سرجن خالد جیسے سخت مزاج بندے کی نگرانی ہو تو دل کرتا ہے کہ بندہ ایک ہی ٹانگ پر کھڑا رہے۔" وہ خاصے شرارتی انداز میں بول رہی تھی۔

"فی الحال تو تم دونوں ٹانگوں کے ساتھ امی کے پاس جاؤ' وہ اکیلی پریشان ہورہی ہوں گی۔ میں آنٹی کے ساتھ گپ شپ لگا کر آتی ہوں۔" خدیجہ نے اسے کمرے سے نکالنا چاہا جبکہ اس کا شائد جانے کا دل نہیں کررہا تھا، تب ہی آرام سے بولی۔

"ڈونٹ دری۔ میں سمیرا جیسی باتونی نرس کو وہاں کھڑا کرکے آئی ہوں۔ اسے اپنے سسرال والوں کے دکھڑے رونے کا خاصا شوق ہے۔ آپ دو گھنٹے بعد بھی جائیں گی تو وہ بڑے جوش وخروش سے اس موضوع پر اظہار خیال کررہی ہوگی۔"

کاشف نے بڑی دلچسپی سے اس شرارتی سی ڈاکٹر کو غور سے دیکھا جو اپنی بہن کے برعکس دبلی پتلی اسمارٹ اور گوری رنگت کے ساتھ خاصے تیکھے نقوش کی حامل تھی۔

"ٹھیک ہے اگر بیٹھنا ہے تو بالکل خاموشی سے بیٹھنا، ورنہ تم بھی کون سا سمیرا سے کم ہو۔" خدیجہ نے بہت محبت سے اسے ڈانٹا تھا۔

"کچھ خدا کا خوف کریں آپی! میں نے کب سمیرا کی طرح اپنی سسرال کی چغلیاں کی ہیں۔ اللہ صحت اور زندگی دے میری ساس کو' وہ تو میری سگی ماں سے زیادہ مجھ سے پیار کرتی ہیں۔"

کاشف کی امی نے مسکراتے ہوئے دونوں بہنوں کی نوک جھونک دیکھی۔

"ہاں تو وہ بے چاری بہت "صبر" والی خاتون ہیں' ورنہ تم جیسی باتونی لڑکی کو برداشت کرنا کون سا آسان کام ہے۔" خدیجہ نے اسے چھیڑا۔

"دیکھیں آنٹی! یہ آپی کتنی غلط بات کررہی ہیں۔"

اس نے امی کا ہاتھ پکڑ کر فوراً اپنائیت بھرے انداز سے شکایت لگائی۔

"بہت بری بات ہے خدیجہ؟" امی نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہوگئی۔ کاشف نے ان سب کو گپ شپ میں مصروف دیکھا تو امی کی رپورٹس لینے کیلئے لیب کی طرف نکل گیا۔ جب وہ آدھے گھنٹے بعد واپس آیا تو ولید کو کمرے کے باہر دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"بھئی تم کب پہنچے اور یہاں کاریڈور میں کیا کررہے ہو؟"

"بھئی انقلابات زمانہ پر حیران ہورہا ہوں' ذرا اندر جاکر "چھوٹی دنیا" کی بہن ڈاکٹر اسماء کو دیکھ' کیا پتلی پتنگ اور خوبصورت لڑکی ہے۔ مجھے تو سن کر دھچکا لگا۔ میں نے تو فوراً پوچھ لیا کہ کیا دونوں سگی بہنیں ہو؟"

"پھر......؟" وہ ابرو اچکا کر بولا۔

"ڈاکٹر اسماء نے فوراً کہا۔ "آف کورس" آپ کو کوئی شک؟" دل تو چاہ رہا تھا کہ کہوں "شک" نہیں پکا یقین ہے لیکن اسی وقت تمہاری حنا بھابی نے مجھے گھور کر دیکھا اور میں فون کرنے کے بہانے باہر نکل آیا، ورنہ میری گستاخ نظریں بار بار ڈاکٹر اسماء کی شفاف جلد پر پھسل رہی تھیں اور تمہیں تو پتا ہے کہ مجھے کسی ڈاکٹر سے شادی کرنے کا کتنا شوق تھا۔" وہ لہجے میں حسرت سمو کر بولا تھا۔

"اور آپ کو شائد اندر کسی نے نہیں بتایا کہ ڈاکٹر اسماء نہ صرف شادی شدہ بلکہ ایک بچے کی والدہ بھی ہیں۔" کاشف نے ہاتھ میں پکڑا فائل کا فولڈر اس کے سر پر مارا۔

"اوہ......نہیں یار......!" ولید کو خاصا صدمہ ہوا تھا۔

"بہت کمینے اور خبیث ہو تم......" وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

اور پھر جتنے دن امی ہاسپٹل میں رہیں، دونوں بہنیں صبح وشام ان کا حال احوال پوچھنے کیلئے ضرور چکر لگاتی تھیں۔ کاشف نے محسوس کیا تھا کہ اس کی امی خدیجہ کے ساتھ نہ جانے کن کن باتوں میں مصروف رہتیں اور اس کی آمد پر کھل اٹھتی تھیں۔ دو چار دفعہ کاشف بھی مہرین کے ساتھ خدیجہ کی امی کی عیادت کر آیا تھا۔ وہ بھی خاصی مہربان خاتون تھیں۔ اسماء مکمل طور پر اپنی والدہ پر جبکہ خدیجہ اور ان کا بھائی ابوبکر اپنے والد پر تھے۔ جن کا انتقال ان کے بچپن میں ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر اسما کا بیٹا بھی چار سال کا تھا اور وہ بھی ماں کی طرح فوراً بے تکلف ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ فرزام کی موجودگی میں آیا اور اسے منٹوں میں اپنا دوست بنا گیا تھا۔ حالانکہ فرزام ماں کے جانے کے بعد خاصا حساس اور ریزرو سا ہو گیا تھا اور بہت کم کسی سے بے تکلف ہوتا تھا۔

اس دن ڈاکٹر اسماء امی کو چیک کرنے آئی تو فرزام نے جھجکتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"آنٹی! آج آپ سعد کو لے کر نہیں آئیں؟"

کمرے میں موجود کاشف نے چونک کر اپنے بیٹے کو دیکھا جو آج چھٹی کی وجہ سے زبردستی ہاسپٹل آ گیا تھا۔

"ارے میری جان! آپ سعد کا ویٹ کر رہے تھے، آپ مجھے کہہ دیتے تو میں اسے لے آتی۔" ڈاکٹر اسماء نے بے اختیار اسے پیار کیا تھا۔

"اس نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ وہ اپنے گھر رکھے اپنے "برڈز" مجھے دکھانے لے کر جائے گا۔"

فرزام کے شکوے پر کاشف نے بڑی خوشگوار حیرت سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔

"رئیلی......؟ اس نے مجھے تو بتایا نہیں۔ آپ یوں کرنا، ابھی لنچ بریک میں دادو اور پاپا سے پوچھ کر میرے ساتھ چلنا اور گھر میں "برڈز" بھی دیکھ لینا اور واپسی پر ہم سعد کی نانو کا لنچ بھی لے آئیں گے۔" ڈاکٹر اسماء کے محبت بھرے انداز پر فرزام کے چہرے پر بڑی بے ساختہ خوشی کی لہر دوڑی تھی۔

"پاپا! میں آنٹی کے ساتھ چلا جاؤں؟" وہ خاصا بے چین ہو گیا تھا۔

"ہاں جانو! چلے جاؤ لیکن آنٹی کو تنگ نہیں کرنا۔"

کاشف کی نصیحت پر اس نے بڑے مدبرانہ انداز میں سر ہلایا تھا۔

اور پھر دو گھنٹے کے بعد جب وہ واپس آیا تو خاصا خوش تھا اور بہت جوش و خروش سے اپنی دادو کو سعد کے گھر کا احوال سنا رہا تھا۔

❖❖❖

امی ہاسپٹل سے گھر شفٹ ہو گئی تھیں اور فرزام کی پانچویں سالگرہ پر مہرین نے میڈم خدیجہ کی ساری فیملی کو انوائٹ کر رکھا تھا۔ ہر سال فرزام کی سالگرہ خاصے اہتمام کے ساتھ منائی جاتی تھی اور وہ اس لیے بھی زیادہ خوش ہوتا تھا کیونکہ اس دن اس کی مما بھی گھر پر ہوتی تھیں مگر عروج کے جانے کے بعد یہ پہلی سالگرہ تھی، اس لیے سب ہی گھر والے حساس ہو رہے تھے۔ مہرین، ثمرین نے فرزام کے سارے کلاس فیلوز کو گھر پر بلا رکھا تھا۔ پورے ڈرائنگ روم کو اسپیشل ڈیکوریٹ کیا گیا تھا اور یہ خالصتاً مہرین اور ثمرین کی محنت تھی۔

"ارے یہ کیا ڈاکٹر اسماء کو بھی انوائٹ کیا ہے؟"

لان میں کھڑے کاشف نے مہرین سے آہستگی سے پوچھا جبکہ ڈاکٹر اسماء بلیک ساڑھی میں خاصی اٹریکٹو لگ رہی تھی اور اس وقت سعد کا ہاتھ تھامے ادھر ہی آ رہی تھی۔

"جی جناب! آپ کے بیٹے کی خصوصی فرمائش پر۔" مہرین نے شوخی سے جواب دیا۔

"بھئی، یہ بہن بھائی کس کے خلاف کھڑے ہو کر سازش کر رہے ہیں۔" اسماء نے آتے ہی ان کو چھیڑا تو دونوں مسکرا دیے۔

"بھئی، ہم سوچ رہے تھے کہ اگر سعد کے پاپا بھی ساتھ ہوتے تو کتنا خوبصورت اور مکمل کپل لگتا۔"

مہرین نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ مصنوعی آہ بھرتے ہوئے بولی۔

"ہماری ایسی قسمت کہاں، کبھی کبھی تو دل کرتا ہے کہ میں خود ہی مریض بن کر ان کے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو جاؤں، وہ اتنے بزی ہیں۔ بیوی کے لئے ٹائم نکالیں یا نہ نکالیں لیکن مریض کے لئے ضرور نکال لیں گے۔"

"بھئی آپ جیسی خوبصورت بیوی کیلئے اگر کسی شوہر کے پاس ٹائم نہیں تو پھر ہم جیسوں کو تو کوئی پوچھے گا بھی نہیں۔" مہرین محبت اور اپنائیت سے ان کا ہاتھ پکڑے اندر لے جاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

سارے مہمان آچکے تھے۔ فرزام آج خاصا خوش اور چہک رہا تھا لیکن کیک کاٹتے وقت اس نے عجیب ہی ضد پکڑ لی۔

"میری مما کو لائیں، سب بچوں کی مما ہی کیک کاٹتی ہیں۔"

ماحول ایک دم تناؤ کا شکار ہو گیا تھا۔ ایک چبھنے والی خاموشی نے سارے منظر کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

کاشف جتنا فرزام کو بہلا رہا تھا، وہ اتنی ہی ضد کر رہا تھا پھر تھوڑی دیر میں تو وہ باقاعدہ پاؤں پٹخنے لگا تھا۔

"ارے میری جان! سارے بچے کیا کہیں گے فرزام اتنا بڑا ہو کر روتا ہے۔ بری بات ہے بیٹے جن بچوں کی ماما جاب کیلئے دور ہوتی ہیں، ان کی دادو کیک کٹواتی ہیں۔" خدیجہ نے آگے بڑھ کر اسے گود میں اٹھا کر پیار کیا تو اس کا موڈ کچھ بہتر ہوا۔

"بھئی فرزام کی دادو کہا ہیں، فٹافٹ بلاؤ پھر کیک کاٹ کر مزے مزے کی چیزیں کھائیں گے۔ جلدی کریں، مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے....." خدیجہ کے شور مچانے پر فرزام کی توجہ دوسری جانب مبذول ہو گئی تھی اور اب وہ چھری کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

تالیوں کی گونج میں کیک کٹ گیا تھا اور فرزام اب اپنے دوستوں کے ساتھ خاصا خوش باش کیک کھانے میں مصروف تھا۔

کاشف بچوں کو کمپنی دے کر ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد نکلا تو امی، خدیجہ اور ڈاکٹر اسماء کی

والدہ اور مہرین، ثمرین کے ساتھ چائے پینے میں مصروف تھیں۔ مہرین اپنی میم خدیجہ کو لے کر کچن میں گئی تو وہ بھی ان کے ساتھ آن بیٹھا۔ ہوسپٹل میں قیام کے دوران امی کے اس فیملی کے ساتھ خاصے خوشگوار تعلقات بن چکے تھے جس کا اندازہ ان کے لہجے سے بخوبی ہو رہا تھا۔

مہرین نے آج فرزام کے دوستوں کے علاوہ بس انہی کی فیملی اور ولید کی فیملی کو بلا رکھا تھا۔ حنا بھابی تو فوراً چلی گئی تھیں لیکن ان کے دونوں بیٹے وہیں تھے۔ ولید نے اپنی ایک اہم میٹنگ کی وجہ سے آنے سے معذرت کر لی تھی۔

"بھئی، اسماء اور آپ کے بیٹے کا گھر تو بس گیا۔ اب آپ خدیجہ کیلئے بھی کچھ سوچیں۔"

امی کے پرخلوص لہجے پر خدیجہ کی والدہ کے چہرے پر ایک تاریک سا سایہ لہرایا تھا۔

"بس بہن! کس ماں کا دل نہیں چاہتا اور مجھے تو خدیجہ عزیز بھی بہت ہے۔ میری اس بیٹی نے اپنے دونوں بہن بھائیوں کیلئے بہت قربانیاں دی ہیں۔ ایک تو بڑی تھی، باپ کی اچانک ڈیتھ کے بعد اس نے ایک بیٹے کی طرح اپنی ذمہ داری نبھائی تھی۔ اسماء کو ڈاکٹر بنایا، اپنے بھائی کو C.A کروایا۔ اللہ میری بیٹی کی قسمت بہت اچھی کرے۔ اور لوگوں کو عقل سلیم دے جو سیرت کے بجائے صورت کی طرف بھاگتے ہیں۔" خدیجہ کی والدہ کے دکھی لہجے پر کاشف نے بے اختیار نظریں چرائی تھیں۔ اس کا شمار بھی تو انہی لوگوں میں ہوتا تھا جو ٹھوکر کھا کر سنبھلتے تھے۔

"بھئی آپ کی خدیجہ میں کیا کمی ہے۔ پڑھی لکھی ہے، سلیقہ مند، ذمہ دار اور خاصی رکھ رکھاؤ والی بچی ہے اور یقین کریں مجھے آپ کی دونوں بچیاں ہی پیاری ہیں لیکن جو بات خدیجہ میں ہے وہ اسماء میں نہیں۔ بہت حساس اور دوسروں کا خیال رکھنے والی بچی ہے۔"

کاشف کی والدہ نے مسکرا کر کہا۔

"بس بہن دعا کیا کریں مجھے اپنی اس بچی کی بہت فکر ہے، دونوں چھوٹے بہن بھائیوں کے گھر بس گئے۔ اللہ میری اس بچی کو بھی قدر کرنے والے لوگ دے....." خدیجہ کی والدہ کے لہجے میں اس کیلئے محبت ہی محبت تھی۔

"اللہ بہتر کرے گا، آپ پریشان نہ ہوں۔" امی نے انہیں تسلی دی۔

اسی وقت ڈاکٹر اسماء اور خدیجہ گرما گرم پکوڑوں اور املی چٹنی ٹرے میں رکھے ادھر آئیں تو کاشف نے دونوں بہنوں کو غور سے دیکھا، وہ ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھیں لیکن خلوص

اور محبت کی فراوانی دونوں کے چہروں میں یکساں تھیں۔

"قسم سے آنٹی! مجھے آپ کی بہو کی عقل پر افسوس ہو رہا ہے۔ اتنا اچھا گھر اور اتنے محبت کرنے والے لوگ چھوڑ کر محض شہرت اور کیریر کیلئے اپنا گھر اجاڑ دینا قطعاً دانش مندی نہیں۔" ڈاکٹر اسماء اپنی والدہ کی گھوریوں کی پروا کیے بغیر بے دھڑک اپنی رائے کا اظہار کر رہی تھی۔

امی کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہمیں تو لگتا ہے بیٹا! ہماری ہی محبت میں کمی رہ گئی ہوگی کہیں۔" امی کا لہجہ رنج میں ڈوبا ہوا تھا۔

"چھوڑیں آنٹی! سارا دن ہاسپٹل میں بھانت بھانت کے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے اب تو ایک نظر چہرہ دیکھ کر ہی انداز ہو جاتا ہے کیا مرض ہوگا؟ مجھے اندازہ ہوا ہے کہ آپ کی محبت اور مروت کو محترمہ نے آپ لوگوں کی کمزوری سمجھ لیا ہوگا۔"

"اسماء.....!" خدیجہ نے تنبیہی لہجے میں اسے پکارا۔

"بھئی آپی! میں تو سچ بات کہوں گی' آپ اور امی مجھے گھوریں مت۔" ڈاکٹر اسماء کی صاف گوئی پر کاشف اپنی بے ساختہ مسکراہٹ کو نہ روک سکا۔ وہ واقعی بڑی صاف گو اور لگی لپٹی رکھے بغیر بات کرنے کی عادی تھی۔

"بہت ہی بدقسمت اور بے وقوف لڑکی تھی لیکن ایک بات تو ماننے والی ہے کہ خوبصورت بے تحاشا ہے اور اسے اس چیز کا احساس بھی ضرورت سے زیادہ ہوگا۔ بعض اوقات "احساس برتری" بھی انسان کو لے ڈوبتا ہے۔" اسماء کے سو فیصد درست اندازے پر کاشف اور اس کی والدہ نے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

"بس بیٹا قسمت کے کھیل ہیں۔" امی کے چہرے پر رنج اور غم کے سائے پھیل گئے تھے۔

"بہن! کوئی گنجائش وغیرہ نہیں نکلی کیا؟" خدیجہ کی والدہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا تو اس سے زیادہ سننا کاشف کی برداشت سے باہر تھا، تب ہی وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

"امی! میں ذرا فرزام کے دوستوں کو ڈراپ کر آؤں' کوئی چیز تو نہیں منگوانی؟"

"نہیں بیٹا!" امی نے اپنے بیٹے کا اداس چہرہ غور سے دیکھتے ہوئے کہا جبکہ وہ فوراً چل

پڑا تھا۔ وہ پھر خدیجہ کی والدہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"نہیں بہن! کوئی گنجائش تب نکلتی ہے جب وہ کوئی راستہ چھوڑتی۔ کاشف نے تو بہت کوشش کی کہ مصالحت کی راہ نکل آئے مگر اس نے عدالت سے خلع لے لیا۔"

"اوہ ......" خدیجہ کی والدہ کو گہرے تاسف نے گھیر لیا تھا۔ کتنے سارے لمحے اس تکلیف دہ خاموشی میں سرک گئے، وہ سب اب خاموشی سے چائے پینے میں مصروف ہو گئیں۔

"بہر حال آنٹی! اسی کا نام زندگی ہے۔" ڈاکٹر اسماء گہرا سانس لے کر بولی۔ "لیکن زندگی اس طرح نہیں گزرتی جیسے کاشف بھائی گزار رہے ہیں۔ وہ کچھ لمحوں کے توقف کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوئی تو کاشف کی والدہ نے بے ساختہ چونک کر اسے دیکھا۔ ان کے دل میں کسک سی جاگی۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھیں کہ جس طرح کی روکھی پھیکی زندگی ان کا بیٹا گزار رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں بیٹا!" ان کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔ "بہت سمجھاتی ہوں بیٹا! کہ کچھ اپنے لیے سوچو' یہ پہاڑ جیسی زندگی اکیلے کیسے کاٹو گے مگر وہ سنتا ہی نہیں۔ صاف کہہ دیتا ہے کہ امی اب کسی پر بھروسہ کرنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ بہت کچھ دیکھ لیا ہے زندگی میں اور اب تو بس میری زندگی کا محور فرزام ہی ہے۔"

وہ گلوگیر لہجے میں بولی تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے اسماء تمہیں ......؟" خدیجہ نے ناراض نظروں سے بہن کو دیکھا۔ "آنٹی چھوڑیں اسے' آپ خوامخواہ اپنا دل برا کر رہی ہیں۔ ابھی اس حادثے کو وقت ہی کتنا گزرا ہے اور کاشف اچھا خاصا سمجھ دار ہے۔ ابھی اسے سنبھلنے تو دیں۔ اس اسماء کی بچی کو وقت بے وقت مفت مشورے دینے کی عادت ہے۔ آپ اس کی باتوں پر رنجیدہ مت ہوں۔"

خدیجہ کو اسماء کی دوسروں کی "ذاتیات" میں گھسنے کی عادت سخت ناپسند تھی تب ہی اس نے ایک دفعہ پھر تنبیہی نظروں سے اسماء کو دیکھا جو بہن کی خفگی پر بوکھلا گئی تھی۔

"آئی ایم سوری انٹی! میرا مقصد آپ کی دل آزاری نہیں تھا۔" وہ سٹپٹا کر بولی۔

"مجھے معلوم ہے بیٹا!" وہ تحمل سے گویا ہوئیں۔

"میں تو آج صبح سے ہی اپنے بچے کیلئے پریشان تھی۔ بات بے بات دل عجیب سے انداز میں دھڑک رہا ہے اللہ خیر کرے' ایک ہی تو میرا بیٹا ہے اور وہ بھی اتنی سی عمر میں اتنے

بڑے مسئلوں میں الجھ گیا ہے' کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا کروں؟'' ٹھنڈی اور تھکی ہوئی گہری سانس میں انہوں نے اپنی ہار کا اعتراف کیا۔

'' اللہ بہتر کرے گا بہن! بس صبر کریں اور دعا کریں۔'' خدیجہ کی والدہ کافی دیر بعد بولی تھیں۔

'' میرا خیال ہے امی! اب ہمیں چلنا چاہئے۔''

خدیجہ نے سوالیہ انداز سے ماں کو دیکھا تو انہوں نے بھی فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

❖❖❖

وہ بچوں کی اس خوبصورت شاپ پر ڈھیروں ورائٹی دیکھ کر حیران ہو رہی تھی کہ کون سی چیز لے اور کون سی چھوڑ دے۔ اس کی کولیگ کے ہاں جڑواں بچے ہوئے تھے اور اس نے بچوں کے عقیقے کی تقریب میں تقریباً سب ہی سٹاف کو مدعو کر رکھا تھا۔ خدیجہ کا جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اپنی کولیگ کے اصرار بھرے انداز پر وہ مروتاً جانے کے لئے راضی ہو ہی گئی تھی اور اب مسئلہ اسے گفٹ دینے کا تھا۔

'' کیا ہوا خدیجہ! کس سوچ میں گم ہیں؟ کون سا مسئلہ درپیش آ گیا؟'' کاشف فرزام کیلئے کپڑے لینے آیا تھا' اس کی نظر ایک کونے میں کھڑی خدیجہ پر پڑی تو وہ اپنی شاپنگ ادھوری چھوڑ کر وہاں چلا آیا۔

'' بس کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا لوں۔''

'' نو پرابلم۔ آپ بے بی کی عمر بتائیں' ابھی مسئلے کا حل نکال لیتے ہیں۔'' چند لمحے بعد کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

'' نہیں۔'' وہ بری طرح شرمندہ ہوئی۔

'' السلام علیکم کاشف بھائی! آپ یہاں کیسے اور فرزام کیسا ہے؟ بہت عرصے کے بعد آپ کو دیکھا' قسم سے بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' خدیجہ نے چونک کر اپنے سامنے کھڑی اسٹائلش سی لڑکی کو دیکھا جو ایک سال کے بچے کو پرام میں ڈالے حد درجہ اعتماد اور لاپروائی سے کاشف سے مخاطب تھی۔

'' اوہ حرا! کیسی ہیں آپ اور عاطف بھائی کیسے ہیں؟'' کاشف نے بھی جواباً گرم جوشی کا مظاہرہ کیا اور ہاتھ میں پکڑا گفٹ پیک شوکیس پر رکھ دیا۔

'' میں الحمد اللہ بالکل ٹھیک ہوں، عاطف کے ساتھ پچھلے دنوں دوبئی میں تھی، ابھی ہم لوگوں کا ٹرانسفر دوبارہ پاکستان ہوا ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بتا رہی تھی اور پھر اچانک کچھ یاد آنے پر بولی۔

'' اور فرزام کیسا ہے؟ میری دوبئی میں عروج سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بالکل بھی اچھا نہیں کیا' وہ بہت بدل گئی ہے۔ میں نے اور عاطف نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی مگر......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ ایک تکلیف دہ خاموشی کا وقفہ ان دونوں کے درمیان آیا تھا۔ خدیجہ کو اپنی پوزیشن وہاں بہت آکورڈ لگ رہی تھی۔

'' بس اب میں کیا کہہ سکتا ہوں۔'' ایک پھیکی اور زبردستی کی مسکراہٹ نے کاشف کا احاطہ کیا تھا۔

'' کچھ بھی ہے لیکن عروج اس قدر خودغرض اور خود پرست ہوگی، مجھے اس کا اندازہ نہیں تھا۔ حالانکہ ہم نے چھ سال کالج اور یونیورسٹی میں اکٹھے گزارے۔ میں اور عاطف خصوصی طور پر اسے سمجھانے گئے تھے لیکن وہیں پتا چلا کہ کوئی پروڈیوسر اس میں انٹرسٹڈ ہے اور اب وہ دونوں عن قریب شادی کرنے والے ہیں۔''

غصہ' خجالت اور دکھ سب کچھ اس کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔

'' حرا پلیز......سٹاپ دس ٹاپک......'' کاشف کے سخت اور بیزار لہجے پر وہ بری طرح شرمندہ ہوئی اور تب ہی اس کی نظر بالکل خاموش کھڑی خدیجہ پر پڑی تو خجالت کا ایک شدید حملہ دوبارہ اس پر ہوا۔

'' اوہ آئی ایم سوری' میں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ آپ شاید......''

وہ بری طرح کنفیوز ہوئی اور سوالیہ نظروں سے کاشف کی طرف دیکھا جس کا موڈ خاصا خراب ہو چکا تھا۔

'' یہ خدیجہ ہیں۔''

'' السلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ؟'' وہ بوکھلا کر اس طرف متوجہ ہوئی۔

'' وعلیکم السلام۔'' اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا اور کاؤنٹر پر پڑے تین چار ڈبوں میں سے دو اٹھا کر کاشف کی طرف تائیدی نظروں سے دیکھا۔

'' کیا خیال ہے' یہ ٹھیک رہیں گے؟''

"ہوں۔" اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

لمحے بھر میں حرا کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیلے تھے اور وہ ایک دفعہ پھر سوچے سمجھے بغیر شروع ہو چکی تھی۔

"بہت بہت مبارک ہو کاشف بھائی! کب کی آپ نے شادی؟ بلکہ بہت اچھا کیا بڑا مناسب اور بروقت فیصلہ کیا آپ نے اور شکر ہے کہ اس دفعہ آپ نے لائف پارٹنر کے انتخاب میں پہلی والی غلطی نہیں کی۔ اللہ آپ دونوں کو بہت خوش رکھے۔" وہ دونوں بری طرح سٹپٹا گئے تھے۔

خدیجہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا جبکہ کاشف بھی منہ کھولے اس کی نان سٹاپ چلتی زبان کو دیکھ رہا تھا جس کے آگے کوئی اسپیڈ بریکر نہیں تھا۔

"میں اب چلتی ہوں' عاطف باہر گاڑی میں انتظار کر رہے ہیں اور کاشف بھائی ہمارا گھر پہلے والا ہی ہے۔ پلیز آپ اپنی مسز اور فرزام کے ساتھ ضرور چکر لگائیے گا' بیسٹ آف لک۔" وہ ان دونوں کو ہکا بکا چھوڑ کر اپنے بچے کی پرام لیے تیزی سے شاپ سے باہر نکل گئی۔

اس کے باہر نکلتے ہی کاشف خفت سے بولا۔ "آئی ایم سوری خدیجہ!"

"یہ محترمہ عروج کی خاصی قریبی دوست تھیں اور اسی کی طرح عقل سے پیدل۔ آپ پلیز محسوس مت کیجئے گا۔" وہ نہ جانے کیوں شرمندہ ہو رہا تھا۔

"اٹس او کے۔" ڈونٹ وری۔ زندگی میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ آپ کیوں ٹینشن لے رہے ہیں۔" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ کاشف نے غور سے اس کا صاف شفاف، بے ریا چہرہ دیکھا اور پھر مطمئن ہو کر کندھے اچکائے۔

"میرا خیال ہے آپ کا مسئلہ حل ہو چکا ہے' اب چلنا چاہیے۔ آپ کے پاس گاڑی ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں تو میں ڈراپ کر سکتا ہوں!" چند لمحے بعد کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نو تھینک یو۔ میرے پاس گاڑی ہے۔" پارکنگ کے نہ جانے کون سے کونے سے ولید نکل کر اچانک سامنے آ گیا تھا۔

"استغفر اللہ۔" وہ جھنجلا ہی گیا۔

"ہیلو میم! آپ کیسی ہیں؟ ان کے چہرے کے تاثرات تو ان کی دلی کیفیت کو عیاں

کر رہے ہیں لیکن آپ اکثر پرسکون حالت میں ہوتی ہیں' آخر اس درجہ مطمئن زندگی کا راز کیا ہے؟" وہ مصنوعی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"راز تو کوئی نہیں ہے۔" وہ مسکرائی۔ "بس کم بولنا اور زیادہ سوچنا اور اللہ پر کامل ایمان کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی منشا سے۔ انسان بے بس ہے اور اسی کی رضا میں راضی ہونے سے خود بخود انسان پرسکون ہو جاتا ہے۔" خدیجہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تو کاشف نے اپنے سامنے کھڑی گرے قمیض، سفید شلوار اور سفید دوپٹے میں ملبوس اس پروقار اور سنجیدہ سی لڑکی کو غور سے دیکھا جو انتہائی عام شکل وصورت کی حامل ہونے کے باوجود اپنے اندر "کچھ خاص" رکھتی تھی اور وہ شائد اس کے چہرے کا سکون اور سادگی ہی تھی۔

"ہاں اس میں تو واقعی کوئی شک نہیں۔" ولید نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"اچھا' میں چلتی ہوں۔" خدیجہ نے اجازت چاہی۔

"آئیں' آپ کو اچھا سا لنچ کرواتے ہیں۔" ولید کی پرخلوص پیشکش پر وہ مسکرائی۔

"نو تھینکس۔ لنچ میں اپنی والدہ کے ساتھ ہی کرتی ہوں۔ ان شاءاللہ پھر بہت جلد ملاقات ہو گی۔" خدیجہ نے الوداعی کلمات کہتے ہوئے اجازت چاہی تو وہ دونوں سر ہلا کر رہ گئے۔ جیسے ہی وہ اپنی گرے کلٹس میں بیٹھی اور گاڑی اسٹارٹ کی، ولید نے بے تکلفی سے ایک جھانپڑ کاشف کے کندھے پر مارا۔

"نہ تو چھوٹی دنیا کے ساتھ کن چکروں میں پھر رہا ہے آج کل؟"

"خبردار' دوبارہ اسے "چھوٹی دنیا" مت کہنا۔"

کاشف کے سنجیدہ انداز میں ٹوکنے پر ولید نے کھوجتی نظروں سے اس کا پوسٹ مارٹم کیا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے۔ کہیں تو اس "چھوٹی دنیا" کو اپنی دنیا میں تو لانے کا نہیں سوچ رہا۔" ولید ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔

"تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ میں تو ویسے ہی بات کر رہا تھا، وہ بہت سنجیدہ اور سلجھی ہوئی طبیعت کی لڑکی ہے۔ ہمیں زیب نہیں دیتا کہ اسے ان القابات سے نوازیں۔ پھر ظاہری خوبصورتی کا جادو بعض اوقات کتنا تباہ کن ہوتا ہے، اس کا تجربہ مجھے بخوبی ہو چکا ہے۔ بس مجھے ذاتی طور پر اچھا نہیں لگتا کہ ہم اس چیز کے لئے بندے کا مذاق اڑائیں جس میں سراسر اس کا

کوئی اختیار نہیں۔"

"ہاں شہزادے! بات تو' تو سولہ آنے درست کر رہا ہے۔ بعض دفعہ انسان کو واقعی پتا نہیں چلتا کہ وہ چند لمحے کی انجوائے منٹ کے لئے خدا کی تخلیق کردہ چیز میں نقص نکال رہا ہے بس آج سے عزت ماب میڈم "خدیجہ نور" کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کرے گا۔"

وہ بات کرتے کرتے پھر غیر سنجیدہ ہوا تو کاشف نے ایک زوردار مکا اس کی کمر میں رسید کیا اور وہ جو ذہنی طور پر اس حملے کیلئے تیار نہیں تھا، لڑھک کر چند قدم آگے پلر سے جا لگا۔

"بہت خبیث ہو تم......" وہ اپنا ماتھا اور کمر سہلاتے ہوئے اسے کوسنے لگا جو کہ اب بے تکلفی سے قہقہے لگانے میں مگن تھا۔

❖❖❖

آج اتوار تھا اور صبح ہی سے بارش ہو رہی تھی' فرزام کو رات سے ہلکا ہلکا بخار تھا۔ کاشف نے اٹھ کر کمرے کا اے سی بند کیا اور لمبی جمائی لیتے ہوئے کھڑکی کا پردہ ہٹایا۔ سامنے لان کا منظر دیکھ کر وہ مبہوت سا رہ گیا۔ ہلکی ہلکی بارش نے سارا سرسبز لان اور پودے نکھار کر رکھ دیئے تھے۔ درختوں کے پتوں پر گرے بارش کے قطرے بالکل موتیوں کی طرح لگ رہے تھے۔

اس کے کمرے کی کھڑکی کے پاس لگے نیم کے درخت کی ایک شاخ پر بیٹھی سبز رنگ کی بھیگی ہوئی چڑیا نے خوف زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا' وہ شائد زخمی تھی اگر فرزام اس کو دیکھ لیتا تو ضرور اسے پکڑنے کیلئے بھاگتا۔ چڑیا کے ساتھ ہی اس کا دھیان اپنے بیٹے کی طرف گیا۔ دن کے ساڑھے بارہ ہو رہے تھے لیکن وہ خلاف معمول سو رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بیڈ کے پاس آرکا اور بڑے پیار سے اپنے بیٹے کے اوپر پڑا ہوا براؤن کمبل ہٹایا۔ کاشف نے بے ساختہ اپنے بیٹے کے ماتھے پر پیار کیا۔

وہ ابھی تک دوائیوں کے زیر اثر گہری نیند میں تھا۔ کاشف نے اسے اٹھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور فریش ہو کر کامن روم میں آ گیا۔

مہرین ڈھیر ساری بھنڈیوں کے ساتھ نبرد آزما جبکہ ثمرین ٹی وی پر آنے والے کسی کوکنگ شو کو انتہائی توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ سنگل صوفے پر بابا صبح کا اخبار پڑھ رہے تھے اور ان کے سامنے ہی ناشتے کے خالی برتن پڑے ہوئے تھے......اسے آتا دیکھ کر ثمرین نے ٹی وی کی آواز آہستہ کی اور خود اسکرین کے بالکل پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"ٹی وی کے اندر ہی گھس جاؤ۔" کاشف نے اخبار کے کالم والا صفحہ اٹھاتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا لیکن مہرین کے جواب نے اسے چونکا دیا۔

"امی تو خدیجہ میم کی والدہ کو لے کر آنٹی جمال کے گھر گئی ہیں۔"

"کیوں؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔

"بھئی آپ کی والدہ صاحبہ نے آج کل رشتے کرنے اور کرانے کا کام سٹارٹ کر رکھا ہے۔" بابا کے شگفتہ لہجے پر اسے خاصی حیرت ہوئی کیونکہ اس کی والدہ قطعاً سوشل نہیں تھیں وہ انتہائی کم گو اور اپنے کام سے کام رکھنے والی خاتون تھیں۔

"یہ امی کو کیا سوجھی؟" اس کے منہ سے بھی بے اختیار نکلا تھا۔

مہرین اس کے تعجب پر ذرا سا ہنسی۔ "آپ کو پتا تو ہے کہ امی کتنی حساس ہیں۔ میم خدیجہ کی والدہ نے ان سے اپنی فکرمندی کا اظہار کیا تھا وہ تو کہہ کر بھول گئیں لیکن امی کو یاد رہا۔ پرسوں آنٹی جمال آرا آئیں، انہوں نے اپنے ملائیشیا والے بیٹے کی بڑھتی ہوئی عمر اور رشتہ نہ ہونے کا ذکر کیا۔ امی نے جھٹ سے میم خدیجہ کی والدہ کو فون کر دیا اور اسی سلسلے میں ان کو لے کر گئی ہیں۔" مہرین نے تفصیل سے جواب دیا۔

"چلو' اچھی بات ہے' اللہ تمہاری میم کی قسمت اچھی کرے۔" اس نے پرخلوص لہجے میں دعا دی۔

"آمین۔" مہرین کے منہ سے بھی بے ساختہ نکلا۔

"بھئی ثمرین! کوئی ناشتہ داشتہ ملے گا کہ آج صرف کوکنگ شو پر گزارا کرنا ہوگا۔" کاشف کے ہلکے پھلکے لہجے پر وہ ایک لمحے کیلئے گڑبڑائی اور پھر خوش دلی سے مسکراتے ہوئے اٹھی۔

"ہاں ہاں بھائی کیوں نہیں۔ یہ اپنا پرنس فرزام اٹھا نہیں ابھی؟"

"نہیں رات پھر اسے ٹمپریچر ہو گیا۔ ذرا اسے بھی میرے بیڈروم میں دیکھ آؤ۔" کاشف کو اچانک یاد آیا۔ ثمرین سر ہلاتے ہوئے اس کے بیڈروم کی طرف بڑھ گئی اور ٹھیک دو منٹ کے بعد وہ گھبرائی ہوئی واپس آئی، اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔

"بھائی ذرا فرزام کو دیکھیں وہ نیند میں بیڈ سے گر گیا ہے اور بیڈ کا کونہ اس کے سر پر لگا ہے۔ بہت خون نکل رہا ہے۔"

"کیا......؟" بابا اور کاشف دونوں ہی گھبرا کر اٹھے تھے۔ بیڈروم میں پہنچتے ہی سب کے ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ فرزام کی حالت خاصی خراب تھی۔ کاشف نے تیزی سے اسے اٹھایا اور باہر گاڑی کی طرف دوڑ لگائی۔ دو گھنٹے کے بعد ان سب کی واپسی ہوئی تھی۔ فرزام ابھی بھی رو رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر سفید پٹی کی ہوئی تھی اور کاشف حد درجہ سنجیدہ تھا۔

❖❖❖

سفید رنگ کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔

اس نے ذرا سا دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ سامنے پورچ میں گرے کلٹس کھڑی تھی جبکہ گیٹ پر کوئی چوکیدار یا ملازم نہیں تھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے گاڑی وہیں کھڑی کی۔

وہ چند قدم آگے بڑھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر جیب سے سیل نکال کر امی کا نمبر ڈائل کیا جو کہ آج دوپہر سے فرزام کو لے کر خدیجہ کے گھر آئی ہوئی تھیں۔ اسماء کے بیٹے سعد نے خصوصی طور پر فون کر کے فرزام کو انوائٹ کیا تھا اور وہ آفس میں تھا جب امی نے فون کر کے اس سے کہا کہ واپسی پر انہیں پک کر لے، وہ پہلی دفعہ ان کے گھر گیا تھا۔

بوگن ویلیا کی بیلوں سے ڈھکا ہوا یہ چھوٹا سا بنگلہ کافی آرٹسٹک سے انداز میں بنا ہوا تھا۔ لان پر خاصی محنت کی گئی تھی۔ ترتیب میں پودے اور گملے رکھے ہوئے تھے۔ وہ ستائشی نظروں سے دیکھتا اندر آیا تھا۔ داخلی دروازے کی بیل دے کر وہ انتظار میں تھا۔ اندر سے فرزام اور سعد کے ہنسنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔ آپ......؟" پنک کلر کے لان کے سادہ اور گھریلو سے حلیے میں خدیجہ کے چہرے پر بڑی خوشگوار مسکراہٹ پھیلی تھی۔ کاشف نے بھی اسے پہلی دفعہ اس حلیے میں دیکھا تھا۔

وہ اس کی ہمراہی میں اندر آیا تو امی کو بے تکلفی سے کارپٹ پر بیٹھے دیکھ کر اسے خاصی حیرت ہوئی تھی۔ وہ دونوں خواتین اسے آتے دیکھ کر بری طرح چونکیں۔

"ارے تم آ گئے' میرا تو خیال تھا کہ ڈرائیور کو بھجوا دو گے۔" امی بے ساختہ بولی تھیں۔

"کمال کرتی ہیں والدہ آپ' جب آپ نے مجھ سے کہا تھا تو مجھے ہی آنا تھا۔" اس نے فوراً وضاحت دی اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ فرزام اسے دیکھتے ہی آ کر چمٹ گیا تھا۔

"ماشاء اللہ بہت فرماں بردار بچہ ہے۔" خدیجہ کی والدہ کے لہجے میں حد درجہ ستائش اور

محبت تھی۔

"بس قسمت کے معاملے میں مار کھا گیا میرا بیٹا!"

والدہ کے دکھی لہجے پر وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔ خدیجہ نے ٹھنڈے اسکوائش کے گلاس ابھی ابھی میز پر لا کر رکھے تھے۔

"آنٹی! میری نوڈلز بن گئیں؟" فرزام نے اچانک پوچھا تھا کاشف نے چونک کر اپنے بیٹے کو دیکھا جو کہ بہت کم فرمائش کرتا تھا۔

"جی میری جان! بس ٹھنڈی ہو جائیں پھر آپ کھا لیجئے گا اور امی! آپ کیلئے دلیہ بھی بنا دیا ہے۔ جب بھوک محسوس ہو تو مجھے بتا دیجیے گا۔" خدیجہ کے لہجے میں حد درجہ محبت تھی اور انداز میں ذمہ داری، کاشف نے بہت غور سے اس کا جائزہ لیا تھا جو کہ خالصتاً گھریلو حلئے میں بہت سادہ اور عام سی لگ رہی تھی۔

فرزام جیسے ہی کھانے سے فارغ ہوا کاشف اٹھ کھڑا ہوا۔ امی نے بھی اس کی پیروی کی۔

"امی! کیا ہوا؟ کیا کوئی مسئلہ ہو گیا ہے؟" گاڑی مین روڈ پر لاتے ہی کاشف نے سنجیدگی سے پوچھا تو وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رنجیدہ لہجے میں بولیں۔

"مسئلہ کیا ہونا ہے' بیٹیاں بھی کبھی مسئلہ بنی ہیں۔ بس ان کی قسمت سے ڈر لگتا ہے۔ اب خدا جانے خدیجہ جیسی ٹھنڈے مزاج کی سلجھی ہوئی بچی کی قسمت میں خدا نے کیا لکھا ہے اچھی بھلی پڑھی لکھی سمجھ دار ہے، جمال آرا کو نہ جانے اپنے بیٹے کے لئے کون سی حور چاہئے۔ صاف انکار کر دیا، مجھے تو حد درجہ شرمندگی ہوئی اسی وجہ سے تو آج معذرت کرنے آئی تھی۔ کچھ بھی تھا یہ رشتہ آیا تو میرے ہی توسط سے تھا نا"

"اوہ......سوسیڈ......" کاشف کو حقیقتاً افسوس ہوا اور پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔ "آپ یہ رشتہ لے جانے سے پہلے مجھ سے تو مشورہ کر لیتیں۔ میں آنٹی جمال آرا کے بیٹے کی طبیعت اور خیالات سے اچھی طرح واقف ہوں، وہ بہت حسن پرست طبیعت کا مالک ہے۔"

"تمہاری طرح۔" امی کے بلا ارادہ اور بے ساختہ جملے پر اس پر ڈھیروں پانی پڑ گیا۔ وہ خفت سے بولا۔

"امی! مجھے اپنی غلطی کا بے حد احساس ہے اور اس کا خمیازہ بھی مجھے ہی بھگتنا ہے۔ آپ

کیوں مجھے یہ بار بار یاد دلا کر شرمندہ کرتی ہیں۔"

"بیٹا! میرا مقصد ہرگز تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا۔ بس تمہیں دیکھ کر افسوس ہوتا ہے تو منہ سے نکل جاتا ہے۔ فرزام کو دیکھ کر دل کڑھتا ہے۔"

"وہ تو کسی بھی بچے کے حق میں نہیں تھی، جب یہ خواہش میری تھی تو اصل ذمہ داری کو نبھاؤں گا بھی میں ہی اور جانتا ہوں کہ عروج سے شادی سراسر میری ذاتی خواہش اور ضد کا نتیجہ ہے۔ آپ لوگوں نے مجھے بار ہا اس سے شادی کرنے سے منع کرتے ہوئے میرے سامنے اور بھی پرپوزل رکھتے تھے لیکن اس وقت میرے حواس پر صرف ایک ہی چیز سوار تھی اور اس بات کے گواہ آپ سب لوگ ہیں کہ میں نے اپنی برداشت سے بھی زیادہ اس کو برداشت کیا لیکن جب اس نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ وہ میرے ساتھ ایک منٹ بھی مزید نہیں رہنا چاہتی تو بتائیں میں کیا کرتا؟" اس کی جھنجلاہٹ اب بے بسی میں بدل رہی تھی۔

"بیٹا! میں تمہیں کب کہہ رہی ہوں۔" وہ رنجیدہ لہجے میں دوبارہ وضاحت دینے لگیں۔

"بس تمہیں یوں اکیلے دیکھ کر بھی طبیعت خراب ہوتی ہے۔ زندگی میں اچھے لوگوں کی کمی تھوڑی ہے۔ تم شادی کے نام سے ایسے بدکتے ہو جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا ہو۔ چلو کوئی بہتر فیصلہ کرلو۔"

"امی! مجھے بہتر فیصلے کرنے نہیں آتے۔" گاڑی اپنے گھر کی سڑک پر ڈالتے ہوئے وہ حد درجہ مایوس لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"تو بیٹا! ہم پر اور خدا پر چھوڑ دو لیکن اپنا نہ سہی فرزام کا سوچو۔"

"امی! ڈر لگتا ہے کہ کہیں کسی اور چکر میں نہ پھنس جاؤں۔ پہلے ہی میرا معصوم بچہ صرف ماں سے محروم ہے اور پھر کہیں باپ سے بھی نہ ہاتھ دھو بیٹھے۔"

"بیٹا! خیر کا کلمہ منہ سے نکالو اور مثبت انداز میں سوچو۔ اللہ بہتر کرے گا۔" امی نے دہل کر اپنے لاڈلے اور اکلوتے بیٹے کو دیکھا تھا جو اب زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"امی! کوئی بہتر چیز نظر آئے تو بہتر سوچوں گا نا!"

گاڑی کو لاک کر کے اس نے فرزام کو اٹھایا اور ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھائے۔
امی جہاں کھڑی تھیں، وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

❖❖❖

رمضان المبارک کے بابرکت مہینے کا آغاز ہو چکا تھا۔ سارا ماحول بہت پاکیزہ اور نورانی سا محسوس ہوتا تھا۔ آج کل کاشف پر کام کا کافی لوڈ تھا۔ وہ پندرہ دن کمپنی کے کام کے سلسلے میں دوبئی گیا تو وہیں دو چار ملنے والوں سے عروج کی دوسری شادی کا سن کر شاکڈ رہ گیا اور انہی لوگوں سے معلوم ہوا کہ وہ خاصی خوشگوار زوداجی زندگی بسر کر رہی ہے اور اپنے سابقہ شادی کے تجربے پر خاصی شرمندہ بھی ہے اور اکثر لوگوں کے سامنے وہ بانگ دہل اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی اور بے وقوفی قرار دے چکی ہے۔

وہ گنگ سا رہ گیا تھا۔ کیا واقعتاً اس کا ساتھ عروج کیلئے تکلیف دہ تھا؟

وہ جتنے دن دوبائی میں رہا، ساری ساری رات بے چینی سے کروٹیں بدلتا۔ آفس میں کام کرتے ہوئے بھی عجیب تلخ سوچیں اس کے دماغ کا حاطہ کرلیتیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کام پر اپنی توجہ مرکوز نہیں کر پا رہا تھا۔

اس کا شدت سے دل چاہتا تھا کہ اس خود غرض لڑکی کے سامنے جا کھڑا ہو اور اس سے پوچھے کہ کیا تم واقعی اس قدر بے حس ہو کہ تمہیں ایک بھی وہ لمحہ یاد نہیں جو تم نے میرے ساتھ اچھا گزارا ہو؟

شرمندگی، غصہ اور دکھ ایک دوسرے پر غالب آ رہے تھے۔ ماضی، ذات کا وہ حصہ تھا جسے وہ چاہتے ہوئے بھی عروج کی طرح ایک لمحے میں نہیں بھلا سکتا تھا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ جس لڑکی کو وہ اتنی چاہ سے اور سارے زمانے سے لڑ کر اپنی عزت بنا کر اپنے گھر میں لا رہا ہے، وہ اسے یوں تماشا بنا کر رکھ دے گی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ وہ حد درجہ حسن پرست اور خوبصورتی کے پیچھے لپکنے والا بندہ تھا۔

اس کا اپنا مقولہ تھا۔" کہ جو چیز دیکھنے میں ہی اچھی نہ لگے وہ دل کو کیا خاک اچھی لگے گی۔"

جبکہ اس کے اکثر دوست اسے سمجھاتے۔

"ظاہری حسن دکھاوا ہے اور دائمی حسن جو انسان کے باطن میں چھپا ہوتا ہے وہ زندگی کو خوبصورت بناتا ہے۔"

لیکن وہ اور ولید اپنے خیالات پر ڈٹے رہتے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کوئی بھی چیز خریدتے ہوئے کوالٹی کے بجائے اس کی ظاہری خوبصورتی کو ترجیح دیتے۔ اوپر سے اللہ نے

شکل وصورت بھی ٹھیک ٹھاک دے رکھی تھی اور کچھ ڈریسنگ کا بھی سلیقہ تھا اور سب سے بڑھ کر کھلا پیسہ تھا۔ چنانچہ ان کے رہن سہن کا سٹائل اور نت نئے گاڑیوں کے ماڈل' مہنگے اور نفیس کپڑے' سن گلاسز اور ہر چیز میں خوبصورتی کے معیار کو مدنظر رکھا جاتا۔ان کے یونیورسٹی کے گروپ میں بھی ایسے ہی لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد نمایاں تھی اور عروج کے حسن کے چرچے تو پوری سوشل سائنسز کی فیکلٹی میں تھے۔اسے دیکھتے ہی کاشف نے اسے اپنی زندگی کا ہم سفر بنانے کا فیصلہ کرلیا تھا اور عروج سے دوستی کرنے کے لیے اسے جتنے پاپڑ بیلنے پڑے یہ بات وہ اور ولید ہی جانتے تھے۔عروج کو اپنی دلکشی کا بھرپور احساس تھا، تب ہی اکنامکس کے خوبرو، ہینڈسم کاشف کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر اس کا نخرہ آسمانوں کو چھونے لگتا تھا۔

اور پھر کاشف کی حددرجہ اور روز بروز بڑھتی ہوئی پسندیدگی کو دیکھتے ہوئے آخرکار عروج نے اپنے گھٹنے ٹیک ہی دیے تھے لیکن وہ قدم قدم پر اسے یہ احسان جتانا نہیں بھولتی تھی کہ بہت اثر ورسوخ والے خاندانوں سے اس کے درجنوں کے حساب سے رشتے آئے تھے اور اس کی خودپرستی اور حددرجہ ضدی طبیعت کی وجہ سے کاشف کو شادی کے فوراً بعد ہی احساس ہوگیا تھا کہ اس نے کتنی بڑی غلطی کرلی ہے لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی طرف سے اس رشتے کو نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن یکطرفہ مفاہمت کا نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہئے تھا۔

کم گو تو وہ کافی عرصے سے تھا لیکن دوبئی سے آنے کے بعد تو اسے چپ ہی لگ گئی تھی۔ بیٹھے بیٹھے وہ ایک دم پریشان ہوجاتا اور اس کی اضطرابی کیفیت کسی سے بھی چھپی ہوئی نہیں تھی۔

اس دن اکیسواں روزہ تھا۔ جب وہ گھر آیا تو افطاری کی تیاری کرتی مہرین، امی کے ساتھ کسی بحث میں مگن تھی۔

کاشف نے تشویش بھری نظروں سے رنجیدہ رنجیدہ سی والدہ کو پالک کاٹتے ہوئے دیکھا جبکہ مہرین زور سے بولتی ہوئی اب غصے میں آچکی تھی۔سو آواز بھی اونچی ہورہی تھی۔

"مجھے میم خدیجہ کی والدہ سے اس قدر بے حسی کی توقع نہیں تھی۔" وہ باقاعدہ ناراض تھی۔

"بھئی ان کی بیٹی ہے وہ بہتر جانتی ہیں' میں نے مناسب لفظوں میں روکنے کی کوشش تو کی لیکن ان پر تو فرض ادا کرنے کی دھن سوار ہے۔اب بتاؤ کوئی ان کو کیا سمجھائے؟" امی نے بے زاری سے سر کو خفیف سی جنبش دی۔

"لیکن امی! کچھ جوڑ بھی تو بنتا ہو، ان کو نظر نہیں آرہا۔" مہرین کی بات میں ڈھکا چھپا سا گلہ تھا۔ایک لمحے کے لئے تو امی بھی چپ ہوگئیں۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے' ہم کیا کہہ سکتے ہیں' ان کی اولاد ہے۔" امی نے ہاتھ میں پکڑی چھری پلیٹ میں رکھی۔

"کیا ہوگیا ہے تمہاری میم خدیجہ اور ان کی والدہ کو؟" کاشف نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

"شادی کررہی ہیں ان کی والدہ۔" مہرین کے لہجے میں طنز زیادہ تھا کہ غصہ وہ اندازہ نہیں کرپایا۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔" وہ لمحے بھر کو رکا اور خلوص دل سے کہا۔

"ہونہہ' پچاس سال کے بابے کے ساتھ۔ دو بیٹے ہیں شادی شدہ اور بال بچے دار جبکہ بیگم کا انتقال ہے۔" کاشف کو اندازہ ہوگیا کہ مہرین کو غصہ اس بے جوڑ شادی پر آرہا تھا۔

"ہیں' واقعی امی......؟" اس نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا جن کا آج کل خدیجہ کی والدہ کے ساتھ میل جول کافی زیادہ بڑھ گیا تھا۔

"ہاں بیٹا! میں نے تو بہت سمجھایا تھا مگر بیماری نے ان کو خاصا وہمی بنادیا ہے۔" امی نے دھیمے لہجے میں وضاحت دی تو وہ فوراً بولا۔

"بہرحال یہ کوئی مناسب جوڑ نہیں لگ رہا خدیجہ کی کیا رائے ہے؟" کاشف کے لہجے میں خاصی حیرانی تھیں۔

"بھئی وہ تو سیدھی سادی شریف لڑکی ہے بس ماں کی رضا کے آگے سر جھکا دیا۔"

"اچھا......؟" کاشف نے تعجب بھری نظروں سے اپنی حساس سی ماں اور بہن کو دیکھا۔

"جب اس کو اعتراض نہیں ہے تو آپ دونوں کیوں اپنا دل جلارہی ہیں۔"

"حد کرتے ہیں بھائی آپ!" مہرین نے شکایتی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔"میم خدیجہ نے کیمپس میں مجھے ہمیشہ چھوٹی بہنوں کی طرح ٹریٹ کیا ہے، میرے ہر چھوٹے بڑے مسئلے کو سمجھایا ہے وہ اتنی پرخلوص اور کیئرنگ ہیں کہ میرا دل ان کے ساتھ ہونے والی اس زیادتی پر کڑھ رہا ہے۔"

"اچھا...... بتاؤ میں کیا مدد کرسکتا ہوں اس سلسلے میں؟" کاشف نے بات ختم کرنے کیلئے اسے ٹالا تو وہ بے دھڑک بولی۔

"مائنڈ مت کیجئے گا بھائی! ایک فیصلہ آپ نے کیا تھا، ایک ہمیں کرنے دیں اور مجھے خدا کی ذات پر بھرپور اعتماد ہے کہ وہ ہماری نیت کا پھل ہمیں ضرور دے گا۔"

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح الجھا۔

"آپ میم خدیجہ سے شادی کرلیں۔" مہرین کے سادہ سے انداز پر وہ بری طرح اچھلا۔

اس نے سخت ناراض نظروں سے اس کو دیکھا تو وہ گھبرا کر بولی۔

"بھائی! وہ بہت خوبصورت دل کی مالک ہے۔"

"امی! دیکھیں اسے......" اس نے شکایتی لہجے میں کہا جبکہ پالک دوبارہ کاٹتی والدنے پرسکون انداز میں کہا۔ "اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے کاشف؟"

"امی! آپ بھی......" کاشف کی نگاہ ابھی تک ماں کے چہرے پر ٹکی ہوئی تھی جیسے یقین نہ آرہا ہو۔

❖ ❖ ❖

یہ میری زندگی میں آنے والی صحیح معنوں میں خوبصورت اور حسین چوتھی عید ہے، ابھی ابھی میں فرزام اور شہرام کو عیدی دے کر اوپر اپنے بیڈروم میں آیا ہوں۔ میری لاڈلی اور سمجھ دار بیگم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے لیے خصوصی تحفہ ہے' وہ اس وقت میری فرمائش پر حلیم بنانے میں مگن ہے۔ مہرین اور ثمرین کی شادی کے بعد سارا گھر اس نے انتہائی سمجھ داری سے سنبھالا ہوا ہے۔

"جی جناب! میں نے امی اور بہنوں کا مشورہ مان کر دوسری شادی کرلی تھی اور اس وقت میں انتہائی بھرپور اور خوشگوار زندگی گزار رہا ہوں کیونکہ میں نے اس اصول کو پالیا تھا۔ کہ ظاہری حسن اکثر جھوٹا اور عارضی بھی ہوسکتا ہے جبکہ باطنی حسن پائیدار ہوتا ہے اور خوبصورت اور حساس دل رکھنے والے کیئرنگ لوگ اپنے سے وابستہ لوگوں کی زندگیوں کو بھی آسان بنا دیتے ہیں جیسے کہ میری بیگم نے میری زندگی میں آسانیاں بکھیر دی ہیں اور میرے آشیانے میں شہرام کی صورت میں ایک اور پھول بھی کھلا دیا ہے۔

حالانکہ میرے اس فیصلے پر میرے دوست احباب حیران پریشان رہ گئے تھے کہ میں ہر چیز پر کمپرومائز کرسکتا تھا لیکن خوبصورتی پر ہرگز نہیں اور عروج جس کی چھ ماہ بعد ہی اپنے دوسرے شوہر سے علیحدگی ہوئی تھی، وہ بھی خصوصی طور پر فرزام سے ملنے کے بہانے میری شریک حیات کو دیکھنے آئی تھی اور اسے فرزام نے کوئی خاص لفٹ نہیں کروائی تھی، وہ بھی میرے گھر میں راج کرتی "خدیجہ نور" کو دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی۔

لیکن وہ یہ بھی جان گئی تھی کہ یہ انتہائی عام سے خدوخال رکھنے والی عام سی لڑکی میری زندگی میں اتنی "خاص" اہمیت رکھتی ہے کہ جس نے محبت' خلوص اور نیک نیتی سے فرزام تک کو اپنا گرویدہ بنا کر میرے دل میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اہمیت اور جگہ بنالی ہے اور سب سے بڑی بات کہ جب میں اس اس کو دیکھتا ہوں تو مجھے زندگی بہت خوبصورت لگتی ہے۔

یہ بازی کس نے ہاری ہے

پریولیس کا عبدالرزاق عرف ''گونگلو'' ہاتھ میں ایک پرچہ لہراتا ہوا آندھی اور طوفان کی طرح بھاگتا ہوا کلاس روم کی طرف آ رہا تھا۔

اور راستے میں کوریڈور مڑتے ہی وہ شائستہ عرف ہری مرچ سے بری طرح ٹکرایا' ہری مرچ کے منہ سے نکلنے والی چیخ نے بہت سارے اسٹوڈنٹس کو مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر دیا...... ہری مرچ کی ننھی منی سی سرخ ناک جو نزلے کی وجہ سے اکثر سرخ رہتی تھی اور اس پر دھرا غصہ جس کی وجہ سے اسے ہری مرچ کا خطاب ملا تھا...... اس وقت بھی غصے اور اشتعال سے سرخ ہو چکی تھی۔

''منحوس گونگلو! کیا اندھے ہو گئے ہو؟''

''آنکھوں میں موتیا اتر آیا ہے کیا؟''

''اور یہ کیا'' سانڈ'' کی طرح میرے سامنے'' دیوار چین'' بن کر کھڑے ہو گئے ہو' پیچھے مرو......'' ہری مرچ کا غصہ کسی طور کم ہونے کو نہیں آ رہا تھا...... کوئی اور وقت ہوتا تو گونگلو اس اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا' لیکن اس وقت اس کا سارا دھیان سیڑھیوں کی طرف تھا' جہاں ریتک روشن اپنی لمبی لمبی ٹانگوں کے ساتھ بھاگتا ہوا انتہائی خوف ناک تاثرات کے ساتھ ادھر ہی آ رہا تھا۔

نام تو ریتک روشن کا اصل میں نعیم چوہدری تھا' مگر اپنے کمزور جسم' بے تحاشا لمبے قد اور موٹی موٹی آنکھوں کی وجہ سے اسے پوری کلاس نے ریتک روشن کا نام دے رکھا تھا۔

گونگلو اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر ایک دفعہ پھر خوف زدہ ہو کر بھاگا تھا' اس کی تمام تر توجہ ہاتھ میں پکڑے کاغذ کی طرف تھی۔

''ٹھہر جا! کم بخت گونگلو! تجھے اللہ کرے ہیضہ ہو جائے۔''

''تیرے دانتوں میں کیڑا لگے۔''

''تو موبائل میں پانچ سو کا کارڈ ڈلوائے وہ خالی نکلے۔''

''سر کاظمی کے ٹیسٹ میں فیل ہو جائے۔''

ریتک روشن کوریڈور میں بھاگتے ہوئے عورتوں کی طرح بددعاؤں پر اتر آیا تھا اور اس کی آخری بددعا تھوڑی سی ردوبدل کے ساتھ اسی وقت پوری ہو گئی' جب گونگلو کوریڈور سے مڑتے ہوئے سر کاظمی سے بری طرح ٹکرایا۔

''لاحول ولا قوۃ'' کیا جنگلی بھینسے کی طرح بھاگتے پھر رہے ہو؟'' سر کاظمی اپنے سر کو بری طرح سہلاتے ہوئے غصے سے بولے...... کوریڈور میں بکھری ان کی کتابیں اور نوٹس ہری مرچ نے جلدی جلدی اٹھا کر دیئے اور نمبر بڑھانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا......

''تھینک یو! تم ایک اچھی لڑکی ہو۔'' پروفیسر کاظمی غصے میں بھی اخلاقیات نہیں بھولے تھے اور ان کے منہ سے تعریفی کلمات سن کر لال سرخ ہوتی ہری مرچ کو گونگلو نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا تھا۔

سر کاظمی نے کتابیں ہاتھ میں پکڑتے ہی غصے اور ناگواری سے گونگلو اور ریتک روشن کو دیکھا۔ ریتک کی بے چین نظریں گونگلو کے ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر تھیں' وہ اچک اچک کر اسے لینے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ پروفیسر کاظمی نے ہاتھ بڑھا کر گونگلو سے کاغذ چھینا اور وہیں کھڑے کھڑے دونوں کی شان میں جو کلمات کہے وہ ساری پریولیس اور فائنل نے اپنے گناہ گار کانوں سے خود سنے......

سر کاظمی وہ اشتعال انگیز پرچہ بطور ثبوت ہاتھ میں پکڑے کلاس روم میں داخل ہوئے تھے' پوری کلاس کے لئے اپنی مسکراہٹوں کو چھپانا انتہائی دشوار ہو رہا تھا۔

ہری مرچ اپنے سبز رنگ کے بڑے بڑے پھولوں والے پرنٹ کے سوٹ میں بڑے فخر سے کلاس روم میں داخل ہوئی تھی' جبکہ ریتک روشن اور گونگلو کے چہرے کے سارے فیوز اڑے ہوئے تھے۔

پروفیسر کاظمی نے اپنی آنکھوں پر لگی عینک کو اتار کر شرٹ کی ایک جیب میں رکھا' جبکہ دوسری جیب سے دوسرا چشمہ نکال کر پہلے ٹشو پیپر سے صاف کیا اور پھر آنکھوں پر لگا کر گونگلو

سے برآمد شدہ پرچہ اونچی آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔

پرچہ مشاہدات کل نمبر 33' وقت لامحدود' کامیابی کے نمبر 100۔

نوٹ: کمرہ امتحان میں غیر ضروری مواد مثلاً پنسل' قلم' دوات لے جانے کی اجازت نہیں' البتہ بندوق' ریوالور اور پستول کے ساتھ نقل لے جا سکتے ہیں۔

سوال نمبر1: بے وقوفی سے کیا مراد ہے؟ تجربات کی مدھم روشنی میں وضاحت کریں۔

سوال نمبر2: کشش شکل سے کیا مراد ہے؟ اپنی شکل آئینے میں دیکھ کر وضاحت کریں۔

سوال نمبر3: سرکاظمی کے فضول اور بور لیکچر کے دوران طلبہ و طالبات کے ذہن پر پڑنے والے برے اثرات پر جامع اور مفصل نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر4: میڈم عمارہ کی تنخواہ اور ان کے جدید فیشن کے اخراجات کا موازنہ کریں۔

سوال نمبر5: آسمان سے گرا' کھجور میں اٹکا' کس نے دیکھا؟ دوستوں سے پوچھ کر بتائیں۔

سوال نمبر6: لڑکے اور لڑکیوں کی کمیونیکیشن بڑھانے میں موبائل فون کے کردار پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر7: سگریٹ نوشی کے فوائد پر تفصیل سے نوٹ لکھیں۔

"یہ کیا ہے؟" سرکاظمی نے غصے سے پرچہ فضا میں لہرایا اور تنبیہی نظروں سے گونگلو کی طرف دیکھا' جس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"سر! یہ میرا نہیں ہے' میں نے تو ریتک اوہ سوری نعیم سے چھینا ہے۔" گونگلو نے اپنے سر سے فوراً بلا اتار کر نعیم کے سر ڈالی' جس نے انتہائی خوف زدہ نظروں سے سرکاظمی کے اشتعال انگیز چہرے کو دیکھا تھا۔

"سر! یقین کریں' مجھے تو خود اس کے بارے میں کچھ علم نہیں' میں نے تو یہ دیوار پر لگا ہوا دیکھا تھا۔"

ریتک روشن کے بھونڈے جواز پر کلاس میں زوردار قہقہے بلند ہوئے تھے...... وہ خجل سا ہو گیا......

"تو یہ اس پرچے کے نیچے دستخط اس دیوار نے خود کر دیے ہوں گے......؟" سرکاظمی کے طنزیہ لہجے پر ریتک روشن کے چہرے پر تشویش کے رنگ نمایاں ہوئے تھے۔

"آپ ذرا میرے کمرے میں تشریف لائیں' باقی حال احوال آپ سے وہیں ہوگا۔" سرکاظمی کے درشت الفاظ نے اس کی جان نکال دی تھی۔

"جی سر!" اس کی بمشکل آواز نکلی۔

اور ٹھیک بیس منٹ اور پندرہ سیکنڈ کے بعد جب وہ سرکاظمی کے دفتر سے نکلا تو پوری کلاس نے دیکھا تھا' ریتک روشن کا منہ سرخ اور ٹانگوں میں سے آدھی جان تو نکل چکی تھی...... اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ کر آدھی کلاس کو تو اس سے خود بخود ہمدردی ہو گئی تھی۔

"یار! کیا کہا۔" ساجد درانی عرف سرکاری انے نے اپنے جگری یار کو خفت زدہ چہرے کے ساتھ آتے دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں' بس ابا جی کو فون کر کے میرے کارنامے پر روشنی ڈالی ہے' اسائنمنٹ میں صفر نمبر دیا ہے اور کلاس میں ایک ہفتے تک اپنی شکل نہ دکھانے کا حکم جاری کیا ہے۔" ریتک روشن نے اداس اور غمگین لہجے میں مختصراً بتایا......

"تو بیس منٹ تک وہ یہی باتیں کرتے رہے؟" سرکاری انے کو یقین نہیں آیا تھا۔

"تو اور کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟" ریتک ایک دم اشتعال میں آ گیا تھا۔

"نہیں یار! میں تو مذاق کر رہا تھا۔" سرکاری انے نے اپنی سبز عینک اتار کر اس پر پھونک ماری اور قمیص کے گھیرے سے صاف کرنے لگا۔ سرکاری انے کا ٹائٹل اسے اپنی مشہور زمانہ سبز رنگ کے شیشوں والی عینک کی وجہ سے ملا تھا' جسے لگا کر وہ لڑکیوں کو تاڑتا تھا۔

"یہ کم بخت گونگلو کہاں ہے؟ میں اس کا منہ توڑ دوں گا...... اللہ کرے اس موٹے کی شادی ہری مرچ کے ساتھ ہو جائے......" ریتک کی دھمکیوں اور بددعاؤں پر ہری مرچ نے احتجاجاً چیخ ماری تو ریتک کو اپنی غلطی کا احساس ہوا لیکن اس وقت تک کافی دیر ہو چکی تھی' ہری مرچ غصے میں اس کی شکایت کرنے پاؤں پٹختی ہوئی سرکاظمی کے آفس کی طرف چل پڑی تھی۔

ریتک کے چہرے کا رنگ ایک دم اڑا تھا...... اور باقی کلاس کے لوگوں کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا...... اس موقع پر مدر ٹریسا یعنی شگفتہ بانو نے عقل مندی دکھائی اور بھاگ کر ہری مرچ کا راستہ روکا تو ریتک کے چہرے پر کچھ سکون کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"آخر میرا کیا قصور ہے جو میری اس موٹے بھینسے کے ساتھ شادی ہو۔" ہری مرچ پاؤں پٹخ پٹخ کر احتجاج کر رہی تھی۔

"ہاں خود تو جیسے حسینہ عالم ہے نا' بدمزاج ہری مرچ۔" سرکاری انے نے بھی اپنا غصہ نکالا' مگر نسبتاً سرگوشی میں۔

"بکواس بند کر' وہ پہلے ہی پہاڑی پر چڑھی ہوئی ہے۔" ریتک روشن نے جھنجھلا کر اسے کوسا۔

"کوئی بات نہیں مدر ٹریسا' معاملہ سیٹ کر لے گی۔" سرکاری انے کو شگفتہ بانو کی صلاحیتوں پر مکمل بھروسہ تھا' کیونکہ وہ خاصی حساس دل کی' دوستانہ مزاج کی حامل لڑکی تھی اور ہر کسی کی پریشانی میں اس سے زیادہ پریشان ہونے کی وجہ سے پوری کلاس نے اس کا نام ہی مدر ٹریسا رکھ دیا تھا۔

"یار! ویسے سر نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا' جو کہنا تھا خود کہہ لیتے' اب ابا جی کے ہاتھوں کون مجھے بچائے گا۔ وہ تو پہلے ہی کہتے ہیں' دفع مار پڑھائی کو اور......" نعیم عرف ریتک روشن کو ابا جی کی متوقع بے عزتی کے خوف نے پریشان کر رکھا تھا۔

"ویسے یار! کہتے تو تم ٹھیک ہو' تمہارے ابا جی بے عزتی بھی تو "رج" کے کرتے ہیں' یاد ہے جب ہمارا "چناب" سے ٹرپ لیٹ ہو گیا تھا۔ تمہارے ابا جی نے ساری بس کے سامنے تمہیں ناقابل بیان گالیاں دی تھیں...... اور سر تنویر کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا۔" ساجد عرف سرکاری انے نے یاد دلایا تو نعیم کا چہرہ خاصا خفت زدہ ہو گیا۔

"بس یار! وہ تو بے بے کی وجہ سے ابا پریشان ہو گئے تھے' میں ہوں بھی تو اکلوتا' تھوڑا ٹائم اوپر نیچے ہو جائے تو ابے اور بے بے دونوں کا بی پی ڈاؤن ہونے لگتا ہے۔"

نعیم نے گھبرا کر فوراً صفائی دی۔ پوری کلاس کی اب اس واقعے سے دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ اس لئے سب ادھر ادھر ہو گئے تھے۔

"بلال بھائی! کیا واقعی میرے ہاتھ میں لو میرج کی لائن نہیں ہے؟" طوبیٰ کو نہ جانے کیوں یقین نہیں آ رہا تھا' اس نے انتہائی رنجیدہ لہجے میں پوچھا۔

"جب کوئی ایسی لائن نہیں ہے تو کیا اب بلال بھائی خود بنا دیں؟ اب پیچھے کرو ہاتھ۔ صبح سے دکھا رہی ہو۔ اب ہمیں بھی موقع دو' ورنہ بریک ٹائم ختم ہو جائے گا۔" ہری مرچ کو نہ جانے کیوں پھر غصہ آ گیا تھا' اس وقت ان کا سارا گروپ "سوشل سائنسز" ڈیپارٹمنٹ کے سامنے بنے ہوئے لان میں بیٹھا فائنل ایئر کے "بلال رضا" کو ہاتھ دکھانے کے شغل میں

مصروف تھا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے' اگر بلال بھائی میرا ہاتھ دیکھ رہے ہیں' دو منٹ سکون سے نہیں بیٹھ سکتیں' فوراً ہی ٹر ٹر شروع کر دیتی ہو۔" طوبیٰ بھی بھڑک اٹھی تھی۔

"مجھے کیوں تکلیف ہونے لگی' لیکن اگر لو میرج کی لائن نہیں ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور۔ اتنی مشکل سے تو بلال بھائی ہاتھ لگے ہیں اور تم لسوڑھے کی طرح چمٹ کر بیٹھ گئی ہو۔" ہری مرچ حسب عادت بھڑک اٹھی تھی۔

"بلال بھائی کے ساتھ جڑ کر بیٹھ جاؤ اور دکھا لو اپنا چھٹانک بھر ہاتھ' جس میں صرف ڈیڑھ لائن ہے اور باقی صاف اور چٹا' جیسے تمہارا دماغ' طوبیٰ نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھ کر حساب برابر کیا۔

"لڑکیو! پہلے یہ لڑنا بند کرو بھائی' بھائی کی گردان بھی ختم کرو' ورنہ میں سب کی قسمتیں پھیر دوں گا۔ حد ہو گئی پچھلے ایک گھنٹے سے' چاروں کی پسند کی شادی کروا چکا ہوں' اگر ایک آدھ کی نہیں ہو رہی تو وہ بندہ صبر کر لے' مگر ہماری قوم میں صبر کہاں؟"

بلال بھائی کے مصنوعی خفگی بھرے لہجے کو کسی نے بھی اہمیت نہیں دی...... اور اسی افراتفری میں گونگلو بالکل شائستہ کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گیا تھا اور شائستہ عرف ہری مرچ کو اس کا قطعاً احساس نہیں تھا' ورنہ اب تک وہ اچھل کر دور جا بیٹھتی۔

"بلال بھائی! آپ پہلے مجھے بتائیں کہ میری شادی خاندان میں ہے یا خاندان سے باہر۔" گونگلو نے اپنا ہاتھ ہری مرچ کے ہاتھ کے بالکل اوپر رکھ دیا تھا۔

"تمہارے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں ہے' اپنا منحوس ہاتھ پیچھے کرو۔" ہری مرچ کو اس نامعقول حرکت پر غصہ آ گیا تھا' بہت مشکل سے تو طوبیٰ کو وہاں سے اٹھایا تھا۔

"بندے کی اگر شکل اچھی نہ ہو تو وہ بات اچھی کر لے' میری ساہیوال والی پھپھی' زبیدہ کا رشتہ لے کر پچھلے چار روز سے ہمارے گھر دھرنا مارے بیٹھی ہے...... اور تم کہتی ہو کہ لائن نہیں۔" گونگلو نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہاری پھپھی کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ یا پھر اس کی سوتیلی بیٹی ہے کوئی؟" ہری مرچ نے سراسر چڑایا۔

"میری پھپھی کا دماغ خراب نہیں' بلکہ تمہارا دماغ خراب ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر

رہی ہو اور اپنی عینک صاف کرو تا کہ تمہیں واضح نظر آنے لگے......'' گونگلو کون سا کسی سے کم تھا۔

اس لڑائی کا سب سے زیادہ فائدہ سرکاری انے نے اٹھایا' وہ ہاتھ دکھانے میں مصروف تھا...... جبکہ شائستہ اور عبدالرزاق اب ہاتھ دیکھنا بھول کر ایک دوسرے پر بمباری کرنے میں مصروف ہو چکے تھے۔

'' اوئے نجومی کی اولاد! پرپولیس کے بے وقوفوں کو گولی مارو اور کلاس میں آ جاؤ میڈم عمارہ '' میڈیا کمیونیکیشن'' کی کلاس لینے آ رہی ہیں۔'' فائنل کے کسی اسٹوڈنٹ نے سیکنڈ فلور سے لٹک کر بلال کو اطلاع دی تو وہ فوراً اپنا مشغلہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

'' یار! ٹھہر جاؤ میڈم عمارہ جتنی لمبی ہیل پہن کر اور جتنی نزاکت کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہیں' وہ اگلے پندرہ منٹ میں ہی کلاس روم میں پہنچیں گی' تم میرا ہاتھ تو مکمل دیکھ جاؤ۔'' گونگلو نے بازو پکڑ کر بلال کو دوبارہ بٹھایا۔

'' یار! مجھے جانے دو۔ میڈم کو تو ویسے ہی آج کل مجھ پر بہت غصہ آتا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ان کی پارکنگ میں کھڑی گاڑی کے ٹائروں کی ہوا میں نکالتا ہوں۔'' بلال نے اپنا دکھڑا بیان کیا۔

'' دفع کر میڈم کی پھٹیچر گاڑی کو' میرا ہاتھ دیکھ لے ورنہ آج میڈم کی گاڑی کو پنکچر کر کے ٹائروں پر تمہارا نام اور رول نمبر لکھ دوں گا۔'' گونگلو نے دھمکی دی۔

'' اوئے تم! موٹے اپنے سینئر کو دھمکی دے رہے ہو۔ بلال کو ابھی ابھی اپنے سینئر ہونے کا احساس ہوا تھا۔''

'' اوہیں یار! ویسے ہی مذاق کر رہا تھا۔'' گونگلو نے اسے غصے میں دیکھ کر فوراً پینترا بدلا تو بلال نے بھی بادل نخواستہ اس کا ہاتھ پکڑا اور بے زاری سے دیکھنا شروع کر دیا۔

'' عبدالرزاق عرف گونگلو' تمہارے ہاتھ میں اچانک محبت کی لائن ہے' جیسے لوگ اچانک ملیریا سے ٹائی فائیڈ بخار میں مبتلا ہو جاتے ہیں' ویسے ہی تیری قسمت میں ایک دھواں دھار محبت لکھ دی گئی ہے۔''

بلال کے انکشاف پر گونگلو کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور وہ اپنے ہاتھ کو ایسے دیکھنے لگا جیسے اس ہاتھ میں محبت کا چہرہ بھی دکھائی دے رہا ہو......

'' مگر کس سے؟'' رتیک روشن نے خاصا معقول سوال کیا۔

'' اسی سے...... جس سے یہ سب سے زیادہ لڑتا ہوگا۔'' بلال نے دھماکہ کیا۔

'' کیا؟'' سب کی نظریں ہری مرچ کی طرف منتقل ہو گئیں جو اپنی عینک اتار کر دوپٹے کے پلو سے اس کا شیشہ رگڑنے میں مصروف تھی۔

'' تم مس ورلڈ جو ہوئیں۔'' گونگلو نے طنز کیا۔

'' اپنا منہ بند رکھا کرو موٹے آلو گول' گول۔'' ہری مرچ نے بھڑک کر جواب دیا۔

ایک دفعہ پھر ایک نئے دنگل کا آغاز ہو چکا تھا...... جبکہ بلال نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور وہاں سے کھسک گیا جبکہ باقی ساری کلاس گونگلو اور ہری مرچ کی صلح کروانے میں لگ گئی۔

'' مجھے یقین ہے کہ '' سرکاری انا'' اپنے ڈیپارٹمنٹ کا الیکشن اپنی '' عینک'' کی وجہ سے ہارا ہے اور یہ بات شک وشبے سے بالاتر ہے' تب ہی کلاس کی چار لڑکیوں کے علاوہ سب نے اپنے ووٹ کن کھجورے کو دیئے۔'' جیدے فلاسفر نے ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین پر بیٹھ کر اپنا ماہرانہ تبصرہ پیش کیا۔

اس وقت ان کا سات لوگوں پر مشتمل گروپ خاصا رنجیدہ اور افسردہ' افسوس کے لئے کینٹین پر جمع تھا...... اس گروپ میں تین لڑکیاں شگفتہ بانو عرف مدر ٹریسا' شائستہ عرف ہری مرچ اور طوبیٰ عرف توبہ' توبہ اور لڑکوں میں عبدالرزاق عرف گونگلو' نعیم عرف ریتک روشن' ساجد عرف سرکاری انا اور جاوید عرف جیدا فلاسفر شامل تھے۔

'' میں نے اس کم بخت کو کہا تھا کہ کلاس CR کے الیکشن سے ایک ہفتہ پہلے یہ منحوس عینک اپنے موٹے موٹے ڈیلوں پر چڑھانا چھوڑ دے' مخالف گروپ کی ذکیہ کو ویسے بھی یہ خوش فہمی ہے کہ ساجد اس عینک سے ہمیشہ اس کو دیکھتا ہے اور کن کھجورے کی تو ویسے بھی ذکیہ کے اوپر نظر تھی' اس نے تو لڑکیوں میں اس عینک کے خلاف ایسا پروپیگنڈا کیا کہ لڑکیاں ساری کی ساری بدظن ہو گئیں اور نتیجہ تم لوگوں کے سامنے ہے' ہم یہ الیکشن ہار گئے۔'' نعیم چوہدری نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

'' اچھا' اچھا بس کرو اب تم لوگ تو اس بے چارے کو '' شریکوں'' کی طرح طعنے نہ دو' وہ پہلے ہی بہت پریشان ہے۔

شگفتہ کو ہی سب سے پہلے اس کا خیال آیا تھا جبکہ ساجد درانی اپنی مشہور زمانہ عینک کو گود میں رکھے خاصا دکھی دکھی سا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آگے رکھی بریانی کی پلیٹ جوں کی توں پڑی تھی اور وہ ''گونگلو'' کی نظروں کی زد میں تھی۔

''شرم کرو گونگلو! وہ بے چارا پہلے ہی الیکشن ہار گیا ہے اور اوپر سے تم اس کی بریانی کی پلیٹ پر بھی ہاتھ صاف کر رہے ہو' تمہارا پیٹ تو مجھے کنواں لگتا ہے' جو کبھی نہیں بھر سکتا۔''

ہری مرچ نے عبدالرزاق کو بری طرح لتاڑا تھا' جو اپنی پلیٹ صاف کر کے ان کو باتوں میں مصروف دیکھ کر اب سرکاری انے کی پلیٹ پر حملہ کر چکا تھا۔

''تو تمہیں کیا تکلیف ہے؟ اتنا ہی دکھ ہو رہا ہے تو اپنی پلیٹ دے دو' جب وہ کھا ہی نہیں رہا تو رزق کی بے حرمتی ضرور کرنا ہے' کسی کے پیٹ میں ہی چلا جائے۔'' عبدالرزاق نے تیز تیز کھاتے ہوئے جواب دیا۔

''ہاں' ہر دفعہ وہ پیٹ تمہارا ہی ہوتا ہے۔'' ہری مرچ نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا جس کی نظریں اب ریتک روشن کی ٹھنڈی بوتل پر تھیں اور وہ اب پھر موقع کی تاک میں تھا۔

''یار! میں تو سخت حیران ہوں کہ مجھے لڑکیوں کی سائیڈ سے چوتھا ووٹ کس نے دیا؟'' ساجد نے کچھ بے چین ہو کر پوچھا۔ بظاہر اس کا لہجہ خاصا افسردہ لیکن انداز سے تجسس و خوشی صاف عیاں تھی۔

''ہاں یار! یہ تو سوچنے کی بات ہے۔'' وہ سب بری طرح چونکے۔ گونگلو نے بھی کھانا چھوڑ دیا تھا۔

''دیکھو نا ہماری کلاس میں صرف پندرہ لڑکیاں ہیں' جن میں سے تین ہمارے گروپ میں جبکہ سات مخالف گروپ میں اور باقی پانچ لڑکیوں نے اپنی علیحدہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائی ہوئی ہے اور اپنے گروپ کی تین کے علاوہ مخالف گروپ سے تو کسی ووٹ کی ہرگز توقع نہیں جبکہ ''پاکیزہ بہنوں'' والا گروپ تو ویسے ہی ان تمام لڑکیوں کے خلاف ہے جو لڑکوں کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہیں پھر آخر سرکاری انے کو چوتھا ووٹ کس نے دیا؟'' جیدے فلاسفر نے اپنی عینک اتارتے ہوئے خاصے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ہاں یار! بات تو واقعی سوچنے والی ہے۔'' گونگلو نے دوبارہ رغبت سے کھانا شروع کر دیا تھا اور اب کے اس نے اپنی بائیں سائیڈ پر بیٹھے جیدے کی پلیٹ سے کباب بھی اٹھا لیا تھا

لیکن جیدا اس لئے اس چوری کا نوٹس نہیں لے سکا' کیونکہ وہ سوچنے میں مصروف تھا جبکہ ہری مرچ نے اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا مگر وہ کندھے اچکا کر پورا کباب منہ میں رکھ چکا تھا۔

''یہ کوئی خاموش محبت بھی ہو سکتی ہے۔'' جیدے نے اچانک انکشاف کیا' ساجد کی آنکھیں سوواٹ کے بلب کی طرح روشن ہو گئیں۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی بوتل بے دھیانی میں گونگلو کو پکڑا دی۔

''کیا واقعی؟'' ساجد بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے بولا تھا۔ اس کے چہرے پر تجسس کے سارے رنگ تھے۔

''یہ کسی کی غلطی بھی ہو سکتی ہے؟'' طوبیٰ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

''تم کبھی ڈھنگ کی بات نہ کرنا۔'' ساجد کو طوبیٰ کا تجزیہ ہرگز پسند نہیں آیا تھا۔

''کہیں میمونہ ہاشمی نے تو اسے ووٹ نہیں دیا۔ وہ پچھلے کئی دنوں سے ہمارے سرکاری انے کو بڑی میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی ہے۔'' ریتک روشن نے ایک نیا انکشاف کیا۔

''دفع دور' وہ ہی میرے لئے رہ گئی ہے' وہ تو اس نے مجھ سے ریسرچ کے ایک دو لیکچر مانگے تھے اور میں نے دینے کا وعدہ مروت میں کر لیا تھا۔ اسی لئے اس کے کرخت چہرے پر نرمی کے آثار ہیں' ورنہ یہی میمونہ ہاشمی ہے' جس کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے پوری کلاس نے مجھے سرکاری انے کا ٹائٹل دے دیا تھا۔'' ساجد نے برا مان کر جواب دیا۔

''جناب یہ ٹائٹل تمہیں صرف میمونہ سے ٹکرانے پر نہیں بلکہ اس کے بعد نورین اور پھر میڈم عمارہ سے ٹکرانے کے بعد ملا تھا......'' گونگلو نے اس کی بوتل کا آخری گھونٹ بھی پیتے ہوئے یاد دلایا......

''بکواس بند کرو' بہت کمینے ہو تم' میری ساری بوتل ڈکار گئے......'' ساجد کو اچانک احساس ہوا۔

''اور میرا کباب کہاں گیا؟'' جیدے کو بھی اچانک خیال آیا۔

''میری بریانی؟'' ساجد چلایا۔

''سب کچھ اس موٹے جنگلی کے پیٹ میں' جو عنقریب پھٹ جائے گا۔'' ہری مرچ نے جل کر کہا۔

''جلنے والے کا منہ کالا'' گونگلو نے قہقہہ لگا کر اسے مزید چڑایا۔

"چلو دنگل ایک دفعہ پھر شروع۔" طوبیٰ نے بدمزا لہجے میں کہا۔

"یار! میرا مسئلہ تو حل کرو' آخر مجھے چوتھا ووٹ کس نے دیا؟" سرکاری انا' ان کی لڑائی پر جھنجھلا کر بولا تھا۔

"لعنت بھیجو چوتھے ووٹ پر' تم کون سا اس ووٹ کی وجہ سے جیت گئے ہو۔" ریتک روشن نے چڑ کر جواب دیا' وہ بھی ہری مرچ اور گونگلو کی لڑائی کی وجہ سے سخت بے زار ہو رہا تھا۔

✥ ❖ ✥

اس دن وہ سب پرپولیس کی ڈیٹ شیٹ دیکھ کر بنانے والے کو بلند آواز میں لان میں بیٹھے کوس رہے تھے...... جس نے ریسرچ کے پیپر میں صرف ایک چھٹی دی تھی۔

"مجھے معلوم تھا کہ سر کاظمی اپنا ساڑا کہیں نہ کہیں ضرور نکالیں گے۔" ریتک روشن کو ڈیٹ شیٹ کے پیچھے سراسر سر کاظمی کا انتقامی رویہ نظر آ رہا تھا۔

"نہیں یار! میڈم عمارہ نے یقیناً کوئی دشمنی نکالی ہے......" جیدے نے فوراً اپنا خیال ظاہر کیا۔

"جبکہ میرا خیال ہے کہ سر تنویر کا ہاتھ ہے اس میں' یاد نہیں کہ کرکٹ کے میچ میں جب وہ پرپولیس کے ہاتھوں پہلی بال پر آؤٹ ہو گئے تھے' تب کتنی دھمکیاں دے رہے تھے۔" سرکاری انے کو یاد آیا۔

"ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو' لیکن یہ گونگلو کو کیا ہوا۔ یہ کیسے فٹ بال کی طرح لڑھکتا ہوا بھاگا آ رہا ہے۔"

ہری مرچ نے سب کی توجہ سیڑھیوں کی طرف دلائی' جہاں گونگلو سرخ چہرے کے ساتھ انتہائی جوش و خروش سے بھاگا آ رہا تھا۔

"اللہ خیر کرے یوں لگ رہا ہے جیسے پوری بلڈنگ میں زلزلہ آ گیا ہو۔" طوبیٰ ناگواری سے بولی۔

"مجھے لگتا ہے کہ عبدالرزاق کے پاس کوئی بمباسٹک نیوز ہے' اس کی یہ حالت اسی وقت ہوتی ہے۔" شگفتہ بانو نے سنجیدگی سے کہا ویسے بھی وہ ان کے گروپ کی واحد ممبر تھی' جو سب کو ان کے اصل ناموں سے پکارتی تھی۔

ہری مرچ نے نوٹس بنانے بند کر دیئے اور ناگواری سے سامنے گھاس پر گرے گونگلو کو دیکھا جس کا ایک ہاتھ فضا میں بلند تھا اور اس ہاتھ میں سنہرا جھلملاتا ہوا کوئی کارڈ تھا......

"اوئے عدنان سمیع! یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے جسے تبرک کی طرح تو نے اٹھا رکھا ہے۔" جیدے فلاسفر نے اونچی آواز میں پوچھا۔

"میرے ہاتھ میں ایٹم بم ہے' خبردار کوئی پاس نہ آئے۔" گونگلو نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے انکشاف کیا۔

"ارے ڈرامے بند کر' چارلی چپلن کی اولاد...... اور اپنا پیٹ ہولا کر' ورنہ پھٹ جائے گا۔" ساجد نے ہنستے ہوئے اسے چڑایا۔

"بیٹا جو خبر میرے پاس ہے' اس کو سن کر تم سب کے دماغ کے فیوز اڑ جائیں گے۔" گونگلو نے ان کے تجسس کو مزید ابھارا۔

"کیوں فاطمہ بھٹو نے لاڑکانہ سے تمہیں الیکشن جتوانے کا تو اعلان نہیں کر دیا؟" ریتک روشن کی طنزیہ نظروں پر گونگلو نے ہاتھ میں پکڑا کارڈ لہرایا۔

"کم بختو! اسے دیکھ کر تم سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔"

"کہیں پرائم منسٹر ہاؤس والوں نے باورچی کی خدمات کے لئے تو تجھے کال نہیں کر لیا؟" ساجد نے اسے ایک دفعہ پھر چڑایا۔

"یہ تو بہت معمولی خبریں ہیں' شریکوں نے ایک دفعہ پھر میدان مار لیا کم بختو! اور تم میں سے کوئی بھی کام کا نہیں' سارے کے سارے ایک نمبر کے چغد ہو۔" گونگلو کے طنزیہ لہجے پر وہ سب چونک گئے۔

"اب منہ سے کچھ پھوٹو گے بھی کہ نہیں؟" ہری مرچ کا پارہ ہائی ہو گیا۔

"کن کھجورا ایک دفعہ پھر بازی جیت گیا' ہم سب کے لئے ڈوب کے مرنے کا مقام ہے۔" گونگلو کی ادھوری بات پر سب نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"آخر ہوا کیا ہے؟" مدر ٹریسا نے اطمینان بھرے لہجے میں پوچھا تو گونگلو کے چہرے پر ایک چڑا دینے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"تم سب ایک نمبر کے نکمے کے نکمے رہے اور وہ کن کھجورا میدان مار گیا۔" گونگلو نے پھر دہائی دی تو ریتک روشن نے بے ارادہ اٹھ کر اس کی موٹی گردن پکڑ لی۔

"کن کھجورا تو بعد میں میدان مارے گا' البتہ گونگلو تو آج میرے ہاتھوں مارا جائے گا۔" نعیم کے خطرناک ارادے دیکھ کر گونگلو فوراً بولا۔

"اوئے ٹارزن کی اولاد میری گردن چھوڑ۔ یہ دیکھ کن کھجورے کی شادی کا کارڈ؟"

"کیا مظہر بھٹی کی شادی؟" مدر ٹریسا کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"کس کے ساتھ؟" وہ سب اکٹھے بولے تھے۔

"فائنل ایئر کی مس ایشوریہ رائے یعنی مائرہ صدیق کے ساتھ۔"

"کیا......؟" سب کو باجماعت شاک لگا تھا۔ ہری مرچ اپنے نوٹس چھپانا بھول گئی جبکہ طوبیٰ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور جیدے فلاسفر کے پاس بیٹھی ہوئی موٹی تازی بلی ساتھ پڑی پلیٹ سے چکن پیس اٹھا کر بھاگ گئی۔ لان میں چاروں طرف ان کی کتابیں اور نوٹس بکھرے ہوئے تھے اور وہ سب اب شدید شاک میں ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

"ہے ناں شاکنگ نیوز۔" گونگلو نے فخریہ انداز سے سب کی طرف دیکھا۔

"لو یہ کیسے ہوسکتا ہے' اس ایشوریہ رائے میرا مطلب ہے' مائرہ کا قد پانچ فٹ سات انچ اور کن کھجورا بمشکل پانچ فٹ چھ انچ کا ہوگا۔" طوبیٰ نے اعتراض کیا۔

"طوبیٰ تمہاری عقل دیکھ کر بس توبہ' توبہ کرنے کو دل کرتا ہے۔ بھئی کس کتاب میں لکھا ہے کہ اپنے سے ایک انچ بڑی لڑکی سے شادی نہیں ہوسکتی۔" گونگلو نے اسے چڑایا۔

"یہ تو واقعی حیرت انگیز خبر ہے...... اور کیا کن کھجورے نے یہ کارڈ ہمارے گروپ کے لئے دیا ہے۔" جیدے فلاسفر نے ناک سے مکھی اڑاتے ہوئے پوچھا۔

"جی نہیں جناب! یہ کارڈ تو اس بھٹی منحوس نے پاکیزہ بہنوں کے گروپ کو دیا ہے اور ساری کلاس انوائیٹ ہے' سوائے ہمارے۔"

"کیا......؟ بھٹی کا دماغ ٹھیک ہے' پہلے فائنل ایئر کی لڑکی سے ہماری ناک کے نیچے عشق لڑایا اور لڑکی بھی اتنی لمبی' جسے سر اٹھا کر دیکھنا پڑتا ہے' اوپر سے ہمارے معزز گروپ کو شادی میں انوائیٹ نہیں کیا' لگتا ہے بھٹی آداب دشمنی سے ناواقف ہے۔" ساجد کو سخت غصہ آ رہا تھا۔

"تو تم بھی اپنی شادی پر اسے نہ بلانا۔" طوبیٰ نے جھٹ مشورہ دیا۔

"ہونہہ! اس سے شادی کرے گا کون؟" گونگلو نے مذاق اڑایا۔

"بکواس بند کر' ہمارا خاندان تو لڑکیوں سے بھرا پڑا ہے تو اپنی فکر کر' موٹے عدنان سمیع۔" ساجد بری طرح چڑ گیا تھا۔

"ہاں خاندان کی بے چاری مظلوم لڑکیاں ہی ایسے نمونوں کے لئے قربانی دیتی ہیں۔" گونگلو نے شادی کے کارڈ سے ہوا جھلتے ہوئے اسے مزید چڑایا۔

"تم میری فکر چھوڑو اور یہ سوچو کہ پندرہ دن بعد ہونے والے امتحان میں تمہیں پاس کیسے ہونا ہے' کیونکہ شائستہ نے اس دفعہ پہلے ہی اعلان کر دیا ہے کہ وہ اپنے نوٹس کسی کو نہیں دے گی۔" ساجد نے بھی اسے طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

"بھئی امتحانوں کی کس ظالم کو پروا ہے۔ ابھی پورے پندرہ دن پڑے ہیں' کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ ہماری بھی مدد کر دے گا۔ ابھی تو یہ سوچو کہ کن کھجورے نے جو ہمیں شادی پر نہ بلا کر ہماری بے عزتی کی ہے' اس کا بدلہ کیسے لیا جائے۔" گونگلو نے لاپروا انداز سے کہتے ہوئے کتابوں کا تکیہ بنایا اور لان کی گھاس پر لیٹ گیا۔

"ویسے یار! بھٹی نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا' اب ہم فائنل کے سامنے سر تان کر چلیں گے' آخر کو ہم لڑکے والے ہیں اور وہ لڑکی والے۔" جیدے فلاسفر نے ایک اور نکتہ نکالا۔

"ہاں بے گانی شادی میں عبداللہ دیوانہ!" ریتک روشن نے مذاق اڑایا۔

"ویسے یار! بھٹی زیادتی کر گیا ہمارے ساتھ' ایک تو کلاس کے الیکشن میں ہمیں ہرایا اور اوپر سے اپنے ولیمہ کا زردہ بھی نہ کھلایا' بہت ہی کمینہ نکلا مظہر بھٹی عرف کن کھجورا۔"

"اپنی بکواس بند کر' بھٹی اپنی ایشوریہ کے ساتھ ادھر لان میں ہی آ رہا ہے۔" ساجد نے گونگلو کا منہ بند کروایا اور وہ چونک کر اٹھ بیٹھا اور حیرت سے بھٹی اور مائرہ کو دیکھنے لگا جو کہ ہری مرچ اور مدر ٹریسا کو اپنی شادی کے کارڈ بڑے خوشگوار موڈ میں دے رہے تھے' مائرہ کا نام اس کے لمبے قد اور دبلے پتلے جسم کی وجہ سے پریویس نے ایشوریہ رائے رکھا ہوا تھا۔

اور پھر سارے گروپ کو انفرادی طور پر شادی کے کارڈز دے کر وہ دونوں گئے تو پورا گروپ بھٹی اور ایشوریہ رائے کی اعلیٰ ظرفی کے گن گانے لگا۔ چن چن کے بھٹی کی خوبیاں یاد کی گئیں اور اس خوشی میں گونگلو نے سب کو سموسے کھلائے کیونکہ ولیمہ کے کھانے کا سوچ کر وہ ابھی سے خوش ہو رہا تھا۔

❖❖❖

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سب ہری' پیلی' نیلی کالی لڑکیوں کی دھڑا دھڑ منگنیاں ہوتی جا رہی ہیں اور ہمیں کوئی پوچھتا ہی نہیں کہ لگتا ہے لوگ اندھے ہو گئے ہیں۔"

طوبیٰ کو آج صبح سے بس ایک ہی غم کھائے جا رہا تھا کہ اگر میمونہ ہاشمی کی انگیجمنٹ ہو سکتی ہے تو اس کی کیوں نہیں' حالانکہ اس کا رنگ اچھا خاصا گورا اور قد بھی ٹھیک ٹھاک لمبا تھا۔

"یار دفع کرو' یہ اللہ کے کام ہیں۔ جب وقت آئے گا ہو جائے گی۔" شگفتہ نے اسے تسلی دی۔ اس وقت وہ تینوں اکٹھی لائبریری میں تھیں' شائستہ دھڑا دھڑ نوٹس بنا رہی تھی' جبکہ لڑکے آج فٹ بال کا میچ کھیلنے عمر ہال کے پاس بنے گراؤنڈ میں گئے ہوئے تھے۔

"پتا نہیں کب وقت آئے گا' بلکہ مجھے تو لگتا ہے کہ آ کر گزر بھی گیا' کتنا شوق تھا کہ میں بھی ڈیپارٹمنٹ میں شرماتے شرماتے مٹھائی لے کر آؤں۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ یہ حسرت' حسرت ہی رہے گی۔" طوبیٰ کا دکھ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"اللہ خیر رکھے' کیوں اتنی مایوس ہو رہی ہو۔" شگفتہ نے پرخلوص لہجے میں اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنی پرکشش چہرے والی دوست کو غور سے دیکھا۔

"قسم سے مجھے میمونہ ہاشمی پر صبح بہت غصہ آ رہا تھا۔ بہت اترا اترا کے پوری کلاس کی لڑکیوں کو اپنی منگنی کا قصہ سنا رہی تھی' حالانکہ اس کا منگیتر تو تصویروں میں اچھا خاصا لگ رہا ہے۔ پتا نہیں اسے اس مغرور لیلیٰ میں کیا نظر آ گیا......؟" طوبیٰ کے لہجے میں دکھ سا اتر آیا تھا۔

"بہت بری بات طوبیٰ! ایسے نہیں کہتے۔" شگفتہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"اور کیا یار! اوپر سے اللہ نے قد کے معاملے میں بھی خود کفیل کر دیا۔ اب بتاؤ کہ لڑکیوں کا بھلا پانچ فٹ چھ انچ قد اچھا لگتا ہے کیا؟" طوبیٰ پر آج قنوطیت کا دورہ پڑا ہوا تھا۔

"فضول باتیں بند کرو' اور آرام سے پبلک ریلیشن کے نوٹس بناؤ' دماغ ایک دم سیٹ ہو جائے گا۔"

شائستہ نے تیزی سے قلم چلاتے ہوئے خلاف معمول نرم لہجے میں مشورہ دیا' جو طوبیٰ کو ہرگز پسند نہیں آیا تھا' تب ہی وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"محترمہ شائستہ صاحبہ! ان کتابوں اور نوٹسوں کی دنیا سے نکل آیئے "ماس کمیونیکیشن"

میں ماسٹرز کرنے کے بعد کوئی آپ کو تمغہ نہیں مل جائے گا...... ہم لڑکیوں کی زندگی کا واحد کام ہانڈی چولہا کر کے بچے پالنا ہے...... اور سب سے مشکل کام شادی کرنا ہے' جسے ہمارے معاشرے کے لوگوں نے سخت مشکل بنا دیا ہے۔ یہ ایم اے کی ڈگری تو مل جائے گی' مجھے اس کے بعد کے سالوں کی فکر ہے' جب لڑکوں کی مائیں' ہمیں "اوور ایج" کا میڈل پہنا کر ریجیکٹ کر دیا کریں گی...... اور تم بھی خود کو بدلو' یہ موٹا چشمہ اتار کر لینز لگواؤ' اپنی اسکن کی طرف توجہ دو اور یہ رضائیوں والے پرنٹ پہننا چھوڑ دو۔ آج کل پڑھاکو' فلاسفر ٹائپ لڑکیوں کا کوئی اسکوپ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری والدہ کو بھی میری والدہ کی طرح اپنی جوان ہوتی بیٹیوں کو دیکھ دیکھ کر ڈیپریشن ہونے لگے۔"

طوبیٰ کے تلخ لہجے پر شائستہ کے چہرے کی رنگت ایک دم پھیکی ہوئی تھی' وہ زبردستی مسکرائی اور خوامخواہ اپنا چشمہ اتار کر ٹشو سے صاف کرنا شروع کر دیا۔

"فار گاڈ سیک! طوبیٰ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" شگفتہ نے اپنے سنجیدہ لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے میرا' کیمپس سے گھر جاؤں تو میری ماں کے ڈیپریشن میں کہے گئے جملے مجھے ساری رات سونے نہیں دیتے۔ اگر ہم پانچ بہنوں میں سے کسی کی بھی شادی یا منگنی نہیں ہوئی تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے یار! مائیں تو بول بال کے اپنا کتھارسس کر لیتی ہیں' ہم کہاں جائیں' ہر روز کوئی نہ کوئی خاتون آ کر ریجیکٹ کر کے چلی جاتی ہے' بہت اذیت کا احساس ہوتا ہے۔"

طوبیٰ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

شائستہ اور شگفتہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا' وہ لائبریری کے ایک سنسان گوشے میں بیٹھی تھیں' اس لئے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

وہ دونوں زبردستی اسے اٹھا کر گرلز کے کامن روم میں لے آئی تھیں۔ جہاں اچھی طرح رو لینے کے بعد طوبیٰ کے دل کا غبار خاصا ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں اس کا منہ دھلوا کر باہر آئیں تو معلوم ہوا فٹ بال کا میچ کھیل کر دونوں ٹیمیں واپس آ چکی ہیں۔

ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیوں پر گونگلو کو منہ بنائے آتا دیکھ کر شائستہ اور شگفتہ نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ گونگلو کے پیچھے پیچھے ریتک روشن اور سرکاری انا تھے اور سب سے پیچھے فلاسفر فائنل ایئر کے کسی لڑکے سے بحث کرتا ہوا آ رہا تھا۔

"خدا کے واسطے عبدالرزاق! آج یہ مت کہنا کہ ہم لوگ پھر ہار گئے۔" شگفتہ نے خوشگوار لہجے میں اسے دیکھتے ہی چھیڑا۔

"جی نہیں آج فائنل ایئر ہماری وجہ سے جیت گئی۔" گونگلو نے ڈھٹائی سے اطلاع دی۔

"ویسے اب تو ڈوب کے مرجانے کا مقام ہے۔" ہری مرچ نے طنز کیا۔

"بسم اللہ کرو' تمہارے لئے تو چلو بھر ہی کافی ہوگا۔" گونگلو نے جواباً وار کیا۔

"اوئے یہ اس کو کیا ہوا......؟" رینک روشن نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم لوگوں کی ہار کی اطلاع اس سے برداشت نہیں ہوئی' جب سے اطلاع ملی ہے' تب سے محترمہ رو رہی ہیں۔" ہری مرچ کے شرارتی لہجے کو رینک روشن نہیں سمجھ سکا تھا۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا؟ کھیل میں ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے' اس میں رونے سے کیا حاصل؟ قسم سے طوبیٰ تم واقعی بہت اسٹوپڈ لڑکی ہو' دیکھ لینا اگلی دفعہ ہم پوری محنت سے کھیلیں گے۔"

"اور پھر ہاریں گے......" گونگلو نے بے ساختہ بات کاٹی تو طوبیٰ اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

اس کی سرخ روئی روئی آنکھوں میں نمودار ہونے والی چمک نے اس کے چہرے کی دلکشی کو ایک دم بڑھا دیا تھا۔

رینک روشن نے بڑی خوشگوار حیرت سے اپنے سامنے میرون کلر کے سوٹ میں کھڑی طوبیٰ کو دیکھا جو اس سمے اسے بہت اپنی اپنی سی لگی تھی۔

"آؤ طوبیٰ! تمہیں اپنی ہار کی خوشی میں آئس کریم کھلا کر لاؤں۔" رینک روشن کے الفاظ اور لہجہ دونوں ہی معنی خیز تھے۔ ہری مرچ نے آنکھیں پھاڑ کر سامنے کھڑے نعیم کو دیکھا جس کے چہرے پر بہت انوکھے اور خوب صورت رنگ تھے۔

"ہاں ہاں طوبیٰ جاؤ' جاؤ اور ہمارے لئے پیک کروا کے لے آنا۔" شگفتہ نے بھی شاید نعیم کی آنکھوں میں پھیلنے والی خوشگوار حیرت کو پڑھ لیا تھا۔

موسم ایک دم بدل گیا تھا...... بادل تو صبح سے چھائے ہوئے تھے اور اب مہین مہین سی پھوار برسنے لگی تھی' ٹھنڈی ٹھنڈی شفاف بوندوں نے ایک سکون اور کیف آگیں سا احساس

بیدار کر دیا تھا۔

"آؤ مدرٹریسا! ہم لوگ ہری مرچ والے پکوڑوں کا آرڈر دے کر آئیں' اس موسم میں پکوڑے کھانے کا اپنا ہی سواد ہے۔" گونگلو نے چٹخارہ بھرا جبکہ وہ دونوں سامنے روش پر چلتے طوبیٰ اور نعیم کو دیکھنے میں مصروف رہی تھیں۔ "کیا دیکھ رہی ہو۔" شگفتہ نے اس کا کندھا ہلا کر متوجہ کیا۔

"یار! میں سوچ رہی ہوں کہ دونوں لمبے لمبے کتنے اچھے لگ رہے ہیں ناں۔" شائستہ کے سرگوشی نما انداز پر گونگلو نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

"غیبت کرنے والے کا انجام قرآن پاک اور حدیث میں پڑھ لینا۔"

"تمہیں کیا تکلیف ہے' میں تمہاری بات تھوڑی کر رہی ہوں۔" شائستہ نے چڑ کر جواب دیا۔

"دیکھ تو میری طرف ہی رہی تھیں۔" گونگلو نے بھی غصے سے جواب دیا۔

"عبدالرزاق' شائستہ تمہارے متعلق بات نہیں کر رہی تھی' ہماری اپنی بات تھی۔" شگفتہ کے سلجھے ہوئے انداز پر عبدالرزاق کو کچھ اطمینان ہوا تھا' ورنہ وہ یہی سمجھا تھا کہ شائستہ نے اسی کے متعلق سرگوشی میں بات کی ہے۔

وہ لوگ پکوڑوں کا آرڈر دے کر آئے تو اچھی خاصی بارش شروع ہو چکی تھی۔ ساون کے ہریالے چھینٹے نے موسم خاصا دل ربا بنا دیا تھا...... سبزے کی مہک اور تراوٹ' فضاؤں کی تازگی اور دلکشی کو محسوس کرنے کے لئے کئی منچلے کلاسز چھوڑ کر لان میں نکل آئے تھے...... تراشیدہ گھاس پر موسم کے تغیرات سے بے نیاز اور بے پروا لڑکوں نے ایک طوفان مچا رکھا تھا۔

بارش خوب زور زور سے برس رہی تھی۔ آسمان سے ایک عظیم الشان' صاف و شفاف پانیوں والی آبشار پوری قوت سے برس رہی تھی۔

"اُفوہ آج گھر کیسے پہنچیں گے۔" طوبیٰ نے خوف زدہ نظروں سے دھواں دھار گرجتے بادلوں کو دیکھا جہاں ہوائیں فراٹے بھر رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں' آج میں اپنے اباجی کی پھٹیچر گاڑی پر چھوڑ آؤں گا۔"

رینک روشن یعنی نعیم کی مہربانیاں آج عروج پر تھیں...... شگفتہ نے اپنی مسکراہٹ کو

چھپانے کے لئے فوراً پکوڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا' جبکہ گونگلو بارش کو بھلائے مکمل طور پر پکوڑوں کی پلیٹ کو صاف کرنے میں مصروف تھا۔

اگلے دن رات کو ہالی ڈے ان میں مظہر بھٹی اور مائرہ صدیق کا ولیمہ تھا اور صبح کیمپس میں حاضری نہ ہونے کے برابر تھی...... جس کی وجہ سے مسز کاظمی نے رات کو فنکشن میں آنے والے اسٹوڈنٹس کی وہیں باجماعت کلاس لی تھی...... اور ہر کوئی منہ چھپاتا پھر رہا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ! یہ ہری مرچ ہے؟'' جیدے فلاسفر کے منہ سے نکلنے والے حیرت آمیز فقرے نے سب کو چونکا دیا۔

''امیزنگ!'' طوبیٰ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''واؤ زبردست!'' نعیم نے بھی کھلے دل سے سراہا۔

بروسٹ کے ساتھ بھرپور انصاف کرتا عبدالرزاق حقیقتاً نوالہ منہ میں ڈالنا بھول گیا تھا......

ریڈ کلر کی چنری کے سوٹ میں اپنے گھنے سیاہ بال جو کہ کیمپس میں ہمیشہ تیل سے بھیگے رہتے تھے' اس وقت شیمپو کر کے کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ سوٹ کے ساتھ ہم رنگ جیولری پہنے' لائٹ سے میک اپ اور بلیو لینز میں ہری مرچ کسی طور نہیں پہچانی جا رہی تھی۔

وہ شگفتہ کے ساتھ خاصی لیٹ شادی کے فنکشن میں پہنچی تھی اور اب حیران نظروں سے ادھر ادھر اپنے گروپ کی تلاش میں دیکھ رہی تھی۔

''دیٹس گریٹ یار! آج تو تم ہری کے بجائے سرخ مرچ لگ رہی ہو۔'' گونگلو کے توصیفی لہجے پر ایک لمحے کو وہ بلش کر گئی' گونگلو نے بہت دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔

''قسم سے شائستہ! آج تو تم کسی طور بھی پہچانی نہیں جا رہی ہو' بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔'' طوبیٰ نے اسے گلے لگاتے ہوئے خلوص دل سے کہا......

''تھینک یو! تم بھی بہت نائس لگ رہی ہو۔'' اس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن آج کا دن حقیقتاً تمہارا دن ہے۔'' طوبیٰ نے سچے دل سے حقیقت بیان کی۔

''رئیلی؟'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''حیرت ہے ہری مرچ کو ہنسنا بھی آتا ہے۔ آج تو انکشافات کا دن ہے۔'' گونگلو نے جیدے فلاسفر کے کان میں سرگوشی کی...... تو وہ صرف مسکرا کر رہ گیا۔

''تم تو اچھی خاصی معقول لڑکی ہو جبکہ ڈیپارٹمنٹ میں پتا نہیں کیوں بی اماں بن کے آ جاتی ہو۔'' گونگلو کے لئے اپنی زبان پر قابو رکھنا خاصا مشکل کام تھا۔

''میں وہاں پڑھنے آتی ہوں' ماڈلنگ کرنے نہیں...... اور تو پیس میں تم بھی کچھ کم موٹے لگ رہے ہو' ورنہ ڈیپارٹمنٹ میں تو فٹ بال بن کر آ جاتے ہو۔'' شائستہ نے بھی حساب برابر کیا۔

''یعنی کہ دوسرے لفظوں میں آج میں بھی اچھا لگ رہا ہوں۔'' اس نے قہقہہ لگایا تو وہ جھینپ کر رہ گئی۔

''یہ ساجد کمینہ آج پھر اپنی سبز عینک لگا کر آ گیا ہے۔'' اس کی نظر سرکاری انے پر پڑی جو آج اچھا خاصا سج دھج کے آیا تھا اور اس وقت فائنل ایئر کی رضوانہ کو پکڑے نہ جانے کون سے قصے سنا رہا تھا۔

''پٹھان بچہ ہے' کسی سے ڈرتا تھوڑی ہے۔'' گونگلو نے مذاق اڑایا۔

''خیر ہے' آج تم کھانے کے ٹائم پر کھانا کیوں نہیں کھا رہے؟'' شائستہ کو حیرت ہوئی۔

''ساری بھوک ہی اڑ گئی آج تو جناب!''

گونگلو کی ذومعنی نظروں اور لہجے نے شائستہ کو بوکھلا دیا تھا' تب ہی وہ شگفتہ اور طوبیٰ کو دیکھتے ہی تیر کی طرح ان تک پہنچی اور پھر سارے فنکشن میں وہ گونگلو کے بدلے ہوئے انداز دیکھ کر اسے دل ہی دل میں کوستی رہی...... جو آج حقیقت میں کھانا' کھانا بھول گیا تھا۔

❖❖❖

پریویس کے سالانہ ایگزام نے سب طلباء کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا اور ہر کوئی اپنے لیکچرز اور نوٹسوں کے پیچھے بھاگا پھر رہا تھا۔ ایک عجیب طرح کی افراتفری کی کیفیت پورے کیمپس پر چھائی ہوئی تھی' ہر کوئی مصروف اور مگن تھا...... لائبریری میں اسٹوڈنٹس کی تعداد میں ایک دم اضافہ ہو گیا تھا۔

ایگزام سے پانچ دن پہلے عبدالرزاق عرف گونگلو کے والد صاحب کے اچانک انتقال کی خبر سب پر بجلی بن کر گری تھی۔

وہ سب لوگ کیمپس سے مختلف گاڑیوں میں عبدالرزاق کے گھر پہنچے تو وہاں پہنچ کر سب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ دو کنال کے خوب صورت بنگلے کے اندر کھڑی گاڑیوں کی طویل لائنیں

اور شہر کے پوش علاقے میں رہنے والے عبدالرزاق جو خاصا درویش صفت تھا اس وقت غم سے نڈھال اپنی تین چھوٹی بہنوں اور ماں کا تعارف کروا رہا تھا۔

شگفتہ' شائستہ' طوبیٰ' جاوید اور نعیم حیران نظروں سے اس کے وسیع و عریض بنگلے کو دیکھ کر اور وہاں موجود لوگوں سے ان کی فیکٹریوں کی تفصیل سن کر سخت حیران تھے۔ سب کا ہی خیال تھا کہ اپنے آپ میں مست' لاپروا سا عبدالرزاق ان جیسی مڈل کلاس سے تعلق رکھتا ہوگا...... لیکن اس کے انداز اور طرز گفتگو سے انہیں کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ شہر کی جانی پہچانی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔

وہ پہلے پیپر والے دن کیمپس آیا تو خاصا افسردہ تھا اور اس کا پیپر بھی بس سو سو ہوا تھا اور پیپر کے اختتام پر سارا گروپ اسے حوصلہ اور ہمت کی تلقین کرتا رہا تھا' جبکہ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ وہ لوگ دو بھائی اور تین بہنیں تھے' جبکہ بڑا بھائی اسٹڈی کے سلسلے میں امریکہ میں تھا اور وہ بھی سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آ گیا تھا...... اور آ کر اس نے باپ کا بزنس سنبھال لیا تھا۔

وہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو جانے کے لئے پوائنٹ کی طرف نکلے تو ایک دم شائستہ نے عبدالرزاق کو روک کر ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے حیران نظروں سے دیکھا۔

"یہ سب مضامین کے ارینج کئے ہوئے نوٹس ہیں' میں نے تمہارے لئے فوٹو اسٹیٹ کروا لئے تھے' مجھے معلوم تھا کہ سخت لاپروا ہو' سارے ٹاپک کہاں تمہارے پاس ہوں گے۔" شائستہ کے بظاہر سادہ مگر پرخلوص لہجے پر اس نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا' جسے آج پھر زکام ہو رہا تھا اور وہ بار بار ٹشو سے اپنی ننھی منی ناک رگڑ رہی تھی۔

"تھینک یو سو مچ!" وہ زبردستی مسکرایا۔

"فار واٹ؟" شائستہ نے ناک چڑھائی۔

"بھئی نوٹس کے لئے' مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے ہاتھ کا لکھا ایک صفحہ بھی کسی کو نہیں دیتیں' حتیٰ کہ طوبیٰ اور شگفتہ کو بھی نہیں...... اور مجھے حقیقت میں ان کی ضرورت تھی۔" عبدالرزاق نے صاف گوئی سے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا کے ڈیپارٹمنٹ کی دیوار کے ساتھ لگی بیل کے پتے توڑنے لگی۔

"کیا اگلے سال بھی دو گی......؟" وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

"ہرگز نہیں موٹے' اگلے سال کھانے کے بجائے اسٹڈی پر دھیان دینا۔" وہ چڑ کر بولی تھی تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"تھینک یو' تم اسی اسٹائل میں اچھی لگتی ہو' مجھے تو وہم ہونے لگا تھا کہ میں شاید کسی اور لڑکی سے بات کر رہا ہوں۔" عبدالرزاق نے اسے چڑایا اور وہ حسب عادت چڑ بھی گئی۔

"تم ویسے اس قابل نہیں ہو کہ تم سے عزت سے بات کی جائے...... اب کچھ تیاری بھی کر لینا' میری ناک نہ کٹوا دینا...... سب کہیں گے کہ شائستہ کے نوٹس پڑھے تھے۔"

"بھئی یہ ناک کٹ ہی جائے تو اچھی ہے جو ہر وقت بہتی رہتی ہے۔" عبدالرزاق کے شرارتی لہجے پر اس نے جھنجھلا کر پاؤں زمین پر پٹخے اور پوائنٹ کی طرف بڑھ گئی جبکہ وہ اسے روکتا ہی رہ گیا۔

✥ ✥ ✥

"تھینکس گاڈ! یہ امتحانوں کا طویل اور صبر آزما سلسلہ آخر کار اپنے انجام کو پہنچ ہی گیا ہے۔" کینٹین پر بیٹھے عبدالرزاق نے لمبی سانس بھر کر انکشاف کیا۔

"اگر ہر تین مہینے کے بعد ایگزام ہو جائیں تو تم تو اچھے خاصے اسمارٹ ہو جاؤ گے۔" نعیم نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے برگر اور پیپسی کا آرڈر دیا۔

"یار! میں اب بھی اچھا خاصا اسمارٹ ہو گیا ہوں۔" عبدالرزاق نے احتجاجی لہجے میں تردید کی۔

"ہاں اب تم گونگلو نہیں کریلے لگتے ہو۔" جاوید فلاسفر نے چھیڑا۔

"نہیں' عبدالرزاق تم واقعی خاصے اسمارٹ ہو گئے ہو۔" شگفتہ کے صاف گو لہجے پر اس نے اپنی شرٹ کے کالر کھڑے کئے اور شرٹ کی جیب سے چھوٹے سائز کا شیشہ نکال کر اپنا جائزہ لیا۔

"آئینہ ٹوٹ جائے گا' بس کرو بے جان چیزوں پر اتنا ظلم نہیں کرتے۔" شائستہ نے طنز کیا۔

"بھئی جب وہ تمہیں برداشت کر سکتا ہے تو میں تو اچھا خاصا معقول بندہ ہوں۔" اس کے انداز میں شرارت کا رنگ نمایاں تھا۔

"کیوں' مجھے کیا ہوا ہے؟ اچھی خاصی تو ہوں میں۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑاکا انداز میں

گویا ہوئی۔

"تو کیوں مجھ میں کیڑے پڑے ہوئے ہیں کیا؟" عبدالرزاق نے بھی کھا جانے والے لہجے میں کہا۔

"لو شروع ہو گئے پھر' اگر ان کی شادی ہو جائے تو سارا دن گھر میں برتن ہی ٹوٹا کریں۔" طوبیٰ نے بیزار لہجے میں کہا اور سامنے پڑی ٹرے سے برگر اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔

"میرا دماغ خراب ہے جو میں اس گونگلو سے شادی کروں۔" شائستہ تڑاخ سے بولی۔

"ہاں تو میری آنکھیں خراب ہیں جو اس ہری مرچ سے شادی کروں۔" عبدالرزاق نے تڑخ کر جواب دیا۔

"اور جاؤ جاؤ خوش قسمت ہوگا جو میرا لائف پارٹنر بنے گا۔"

"کیوں شادی کے بعد تم کیا گونگی بن جاؤ گی؟" عبدالرزاق نے ناک سے مکھی اڑائی۔

"نہیں تم بہرے ہو جاؤ گے......" اس نے غصے میں برگر اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔

"یعنی کہ تم مجھ سے شادی کے لئے راضی ہو۔" عبدالرزاق نے دلچسپ نظروں سے اسے دیکھا۔

"دفع ہو جاؤ' مجھے کوئی شوق نہیں۔"

"لیکن مجھے تو ہے۔" وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور اس کی بڑبڑاہٹ سوائے شائستہ کے سب ہی نے سنی تھی اور اپنی اپنی مسکراہٹیں چھپانے کے لئے گردنیں نیچی کر لیں۔

"مجھے لگتا ہے کہ اس دفعہ پوزیشن بھی مخالف گروپ لے جائے گا۔" جیدے فلاسفر نے نیا شوشہ چھوڑا۔

"تمہارے منہ میں خاک' کبھی اچھی بات بھی کر لیا کرو۔" ساجد کو اس پیش گوئی پر غصہ ہی تو آ گیا تھا۔

"یار! سمپل سی بات ہے' ہمارے گروپ میں سات لوگ جبکہ ان لوگوں کا گروپ تیرہ لوگوں پر مشتمل ہے اور ان میں سہیل گجر تو ہر وقت کتابوں میں سر دیئے رکھتا تھا اور میڈم نے سارا سال سب سے زیادہ کتابیں ایشو کرواتی ہیں۔" جیدے نے ماہرانہ تجزیہ پیش کیا۔

"سہیل گجر پر تو مجھے شک ہے کہ وہ کتاب میں اپنی پینڈو منگیتر کی تصویر رکھ کر دیکھتا رہتا تھا جبکہ میڈم بھی کوئی خاص اسٹوڈنٹ نہیں' ہر وقت اونٹ کی طرح گردن اٹھا کر دائیں بائیں جھکتی رہتی ہے۔ یونیورسٹی میں ہونے والے ہر سانحے پر سب سے پہلے پہنچنا گویا اس کا اخلاقی اور قانونی حق ہے' مجھے تو لگتا ہے کہ اس کے پیروں میں پہیے لگے ہوئے ہیں۔" نعیم نے بیزاری سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"نہیں یار! لڑکی وہ ذہین ہے' ایک دفعہ M.B.A ایگزیکٹو ہال کے سیمینار میں اسے بولتے سنا تھا' خاصا نالج تھا اس کے پاس۔" جیدے نے توصیفی لہجے میں کہا۔

"ادھر ادھر سے چوری کر کے اکٹھا کر لیا ہوگا۔" نعیم کو یقین نہیں آیا تھا۔

"بھئی چھوڑو اسے' یہ بتاؤ کہ رزلٹ کب تک آ رہا ہے۔ میرا "رپورٹنگ" کا پیپر اچھا نہیں ہوا' مجھے اس کی سخت ٹینشن ہے۔" شگفتہ نے بات ختم کرنے کے لئے توجہ دوسری جانب مبذول کروا دی۔

"سنا تو یہی ہے کہ اگلے ہفتے آ رہا ہے۔" جیدے کی اطلاع پر شگفتہ کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"میری تو یقیناً کوئی نہ کوئی سپلی ضرور ہوگی۔" عبدالرزاق کو بھی اپنی فکر پڑ گئی۔

"اللہ بہتر کرے گا نالائقو!" شائستہ نے سب کو تسلی دی۔ خود اس کا دل بھی اندر سے ڈر رہا تھا۔

❖❖❖

اگلے ہفتے دو حیران کن خبریں پورے ڈیپارٹمنٹ میں گردش کر رہی تھیں' پوری کلاس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

گونگلو نے ڈائس بجا بجا کر خوشی کا اظہار کیا تھا' سب کے چہروں پر بڑی خوشگوار حیرت تھی۔

پہلی خبر طوبیٰ اور نعیم چوہدری یعنی رینک روشن کی منگنی۔

اور دوسرا دھماکہ شائستہ عرف ہری مرچ کا پورے ڈیپارٹمنٹ میں ٹاپ کرنا تھا۔ دوسری پوزیشن سرکاری انے یعنی ساجد درانی نے اور تیسری جیدا فلاسفر لے گیا تھا' ہر کوئی محو حیرت تھا' مخالف گروپ نے انگلیاں دانتوں میں داب لی تھیں۔ سارے پروفیسرز رک رک کر پورے

گروپ کو مبارکباد دے رہے تھے۔

گونگلو نے خلاف توقع پاس ہو جانے کی خوشی میں پورے ڈیپارٹمنٹ کو فوراً ٹریٹ دے دی تھی۔ اس وقت پوری کلاس میں ہنگامہ برپا تھا۔

"یقین کرو آج کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی' الیکشن میں ہارنے کا دکھ آج ختم ہوا ہے۔" ساجد نے سرشار لہجے میں اپنے گروپ کو مخاطب کیا۔

"یار اس مرتبہ مخالف گروپ کی شکلوں کو دیکھ کر تو مجھے سواد ہی آ گیا۔" گونگلو نے کمینے لہجے میں ہنستے ہوئے کہا۔

"دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے' سجناں وی مر جاناں۔" ہری مرچ نے چشمے کی اوٹ سے گونگلو کو دیکھتے ہوئے انتہائی متانت سے کہا اور ویسے بھی بقول گونگلو کے ہری مرچ پوزیشن کے بعد خوامخواہ سوبر بننے کے چکر میں کم سے کم بول رہی ہے۔

"ویسے شائستہ! تم سے ایک بات پوچھوں؟" گونگلو نے انتہائی شوق سے کہا۔

"ہاں کہو۔" اس نے ناک چڑھائی۔

"کیا جب تم بازار جاتی ہو تو کپڑوں کی دکان پر جا کر ان سے یہی کہتی ہو کہ جتنے ہرے رنگ کے سوٹ ہیں وہ لے آؤ۔" گونگلو نے شرارت سے نچلا لب دبایا تو شائستہ نے قدرے برا مانتے ہوئے اسے گھورا' جبکہ طوبیٰ ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

"اصل میں گرین کلر شائستہ کا فیورٹ کلر ہے' اوپر سے اس کے ابا جی کی بھی کینٹ میں کپڑوں کی شاپ ہے' اس لئے اس کی تو موجیں ہی موجیں ہیں۔"

"ریئلی؟" گونگلو کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

"ویسے یار! دفع کرو ان کپڑوں والی خالص زنانہ گفتگو کو' میں تو ابھی تک حیران ہوں کہ پہلی تینوں پوزیشنز ہمارے گروپ کی کیسے آ گئیں؟ ہم نے تو سارا سال کبھی میچ میں' تو کبھی الیکشن میں ہارنے کا سوگ مناتے ہوئے گزارا تھا۔ یقین کرو ان پوزیشنز کی وجہ سے ہماری تو بلے بلے ہو گئی۔ ہر جگہ بڑا وی آئی پی پروٹوکول مل رہا ہے آج کل' قسم سے شائستہ اور ساجد تم نے ہمارا سر فخر سے بلند کر دیا۔"

زیتنک روشن خاصا جذباتی ہوا تھا' اس وقت ان کا گروپ کینٹین پر سموسے اور پکوڑے اڑانے میں مصروف تھا۔

"ویسے آپس کی بات ہے شائستہ! کیا تمہیں اپنے ٹاپ کرنے کی امید تھی؟" گونگلو نے ایک دفعہ پھر شرارت سے پوچھا۔

"بالکل' مجھے پوری امید تھی۔" ہری مرچ نے انکشاف کر کے سب کو ہکا بکا کر دیا تھا۔

"وہ کیسے؟"

"مجھے پتا تھا کہ ان سب نکموں میں' میں پھر بھی کچھ نہ کچھ تو بہتر ہوں اور ویسے بھی ساری کلاس نے ایک دوسرے کے نوٹس فوٹو اسٹیٹ کروائے ہوئے تھے جبکہ میری اپنی خالص محنت تھی اور پھر میرے پیپرز بھی خاصے شاندار ہوئے تھے۔ مجھے اپنی محنت اور اللہ کی رحمت پر مکمل یقین تھا......" شائستہ ان سب کے پرجوش چہروں کو دیکھ کر بڑی متانت کے ساتھ گویا ہوئی تھی......اس کے لہجے میں حد درجہ اعتماد تھا۔

"ہاں یہ تو ہے' اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتے۔" شگفتہ نے بھی تائید کی۔

"بھئی یہ باتیں تو ساری زندگی ہوتی رہیں گی' پہلے یہ بتاؤ کہ شائستہ' ساجد اور جیدا ہم لوگوں کو خصوصی ٹریٹ کہاں دے رہے ہیں؟" گونگلو نے سب کی توجہ ایک اہم ایشو کی طرف مبذول کروائی۔

"یہیں کیمپس میں اور کہاں؟" جیدا جو کافی دیر سے خاموش تھا پہلی دفعہ بولا تھا۔

"ہرگز نہیں' ہم لوگ کیمپس کی کینٹین کی فضول چیزیں کھا کھا کر بے زار ہو چکے ہیں' اس لئے ہماری طرف سے جواب ہے۔ ہم لوگ ہالی ڈے ان اور شیرٹن سے کم پر بالکل کمپرومائز نہیں کریں گے۔" گونگلو نے صاف جواب دے دیا تھا۔

"جناب ہمارے ابا جی کی تمہارے ابا جی کی طرح فیکٹریاں نہیں چل رہیں' اس لئے ہماری اوقات کے مطابق بات کرو سمجھے۔" جیدے نے مصنوعی غصے سے کہا۔

"میں تمہاری اوقات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں' جیدے فلاسفر! زیادہ ٹرٹر کرنے کی ضرورت نہیں' تم تین لوگ مل کر آسانی سے دے سکتے ہو' کوئی کمی بیشی ہوئی تو ہم چندہ اکٹھا کر لیں گے۔" گونگلو نے مسئلے کا حل چٹکی بجاتے ہوئے نکال لیا تھا۔

جیدے فلاسفر نے گود میں رکھی خلیل جبران کی کتاب اٹھا کر زور سے میز پر پٹخی اور بولا۔

"منحوس تو اس چندے سے اپنا ولیمہ کروا لینا' ابھی ہمارے حالات اتنے بھی ماڑے

نہیں ہوئے کہ دو چار لوگوں کو ٹھنسوا نہ سکیں اور یہ جو دونوں منگنی کروا کے اب معصوم بن کر بیٹھے ہوئے ہیں' یہ کسی کو نظر نہیں آ رہے۔ جنہوں نے تم سب کی ناک کے نیچے عشق لڑایا اور کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی' ان سے تو پہلے ٹریٹ لو۔" جیدے فلاسفر کی توپوں کا رخ طوبیٰ اور نعیم کی طرف تھا۔ وہ دونوں ہڑبڑا کر سنبھل کے بیٹھ گئے۔

"ہائیں ہائیں یہ ہم لوگ تمہیں کہاں سے یاد آ گئے۔" نعیم نے مصنوعی غصے سے پوچھا۔ جبکہ طوبیٰ کے چہرے پر سرخی پھیل گئی تھی۔ وہ خفت زدہ انداز سے اپنے بیگ کی زپ سے کھیلنے لگی۔

"ابھی تو سارے کھاتے کھلیں گے جناب! ہم ذرا فارغ ہو جائیں۔" جیدے فلاسفر نے دھمکی دی۔

"فلاسفر! جانے دے یار! یہ غریب لوگ جہاں کہتے ہیں' ہم ٹریٹ دے دیتے ہیں' بلکہ ہم نہیں بل صرف میں دوں گا۔" ساجد درانی عرف سرکاری انے کے شاہانہ اسٹائل پر جیدے فلاسفر کے چہرے پر اطمینان کے رنگ بڑی تیزی سے پھیلے تھے۔

"میں تو پہلے دن سے کہتا ہوں کہ پٹھان بڑے غیرت مند ہوتے ہیں۔" گونگلو نے کھلے دل سے سراہا تو سب اس مکھن پر بے ساختہ ہنس پڑے۔

اس دن وہ کافی دن کے بعد ہالی ڈے ان میں اکٹھے ہوئے تھے' جہاں ٹیبل پہلے سے ریزرو شدہ تھی۔ فائنل ایئر کی کلاسز کے دوران ہی طوبیٰ اور نعیم کی شادی کا شوشہ بلند ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ساجد کی اپنی چچا زاد کے ساتھ منگنی ہو گئی تھی...... وہ ڈیرہ اسماعیل خان کا رہنے والا تھا اور اپنے ایم اے کے سلسلے میں ہوسٹل میں مقیم تھا...... جبکہ جیدا فلاسفر اوکاڑہ سے تعلق رکھتا تھا۔

"یار! دن کیسے تیزی سے گزرتے جا رہے ہیں' ابھی کل کی بات لگتی ہے' جب ہم لوگوں نے پریوس میں داخلہ لیا تھا اور اب چند روز میں فائنل ایئر بھی مکمل ہو جائے گا۔" نعیم بہت سنجیدہ اور اداس لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ہاں وقت بہت ظالم ہے' کسی کا انتظار نہیں کرتا' یہ گزرے ہوئے دن بہت یاد آئیں گے۔" گونگلو کے چہرے پر بھی اداسی کے رنگ نمایاں تھے۔

"میں تو ہائر اسٹڈیز کے لئے انگلینڈ چلا جاؤں گا اور آج سے کچھ سال بعد جب تم لوگ

بھی یونیورسٹی میں آؤ گے تو میں اسی ڈیپارٹمنٹ میں لیکچر دے رہا ہوں گا۔" جیدے فلاسفر نے اپنے ارادوں پہ روشنی ڈالی۔

"اور میں تمہارے اسٹوڈنٹس کو تمہارے کرتوت بتاؤں گا۔" ریتک روشن نے شرارتی لہجے میں دھمکی دی۔

"اور میں تمہاری لمبی لمبی ٹانگیں' انہی اسٹوڈنٹس سے تڑواؤں گا۔" جیدے فلاسفر نے بھی ہنستے ہوئے حساب برابر کیا۔

"اور ہری مرچ تمہارے کیا ارادے ہیں؟" گونگلو نے چکن رائس کی پہاڑی اپنی پلیٹ میں بناتے ہوئے سبز رنگ کے سوٹ میں چپ چپ سی شائستہ کو چھیڑا۔

"پتا نہیں۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

"اچھا......!" اس نے حیرت سے سنجیدہ سی شائستہ کو دیکھا۔ "ویسے تم لوگوں نے غور نہیں کیا یہ اپنی شائستہ نے جب سے پارٹ ون میں ٹاپ کیا ہے' تب سے یہ کچھ سنجیدہ اور سوبر سی ہو گئی ہے اور اس نے اپنی زبان کا استعمال بھی خاصا کم کر دیا ہے۔"

"تمہیں آخر تکلیف کیا ہے؟" شائستہ نے چمچہ اٹھا کر پلیٹ میں پٹخا اور خونخوار آنکھوں سے عبدالرزاق یعنی گونگلو کو دیکھا۔

"تم آخر پہلے کی طرح بولتی کیوں نہیں ہو......؟" وہ جھنجھلا کر بولا۔

"آخر تمہیں مسئلہ کیا ہے؟ میں بولوں یا نہ بولوں؟" وہ زچ ہوئی۔

ہو نہ ہو یہ سب محبت کی علامات ہیں' پہلے تو مجھے صرف شک تھا اور اب یقین ہو گیا ہے کہ تمہارے ساتھ کوئی واردات ہو گئی ہے۔"

گونگلو کے سنجیدہ لہجے پر سب نے غور سے شائستہ کی طرف دیکھا جو اتنی ساری نظروں سے خائف ہو کر اب رشین سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگی تھی۔

"عبدالرزاق! کیوں تم اس بے چاری کو تنگ کر رہے ہو۔" شگفتہ نے اس کی سائیڈ لی۔

"یہ بے چاری نہیں پوری گھنی ہے۔" وہ نہ جانے کیوں جھنجھلا رہا تھا۔ شگفتہ نے اس کے کوفت زدہ چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ اس کی بے چینی کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

نعیم نے بھی معنی خیز نظروں سے طوبیٰ کی طرف دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی بات کی......

"اور تم سناؤ' تمہارے مستقبل کے کیا ارادے ہیں؟" نعیم کے ذومعنی لہجے پر عبدالرزاق بری طرح چونکا اور ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بڑے بھیا واپس امریکہ جانے کے لئے پر تول رہے ہیں' ان کی امریکن بیوی نے وہاں شور مچا رکھا ہے' جبکہ اماں آج کل میری شادی کے لئے حد درجہ سنجیدہ ہیں' زور و شور سے لڑکی کی تلاش جاری ہے۔"

"اوہ!" نعیم اور طوبیٰ نے فکرمندی سے شائستہ کی طرف دیکھا جس کے حلق میں نوالہ پھنس گیا تھا اور وہ بری طرح کھانس رہی تھی۔

"دھیان سے یار!" شگفتہ نے فوراً اس کی کمر کو سہلاتے ہوئے پانی کا گلاس بڑھایا' جسے گھونٹ گھونٹ پیتے ہوئے وہ خاصی سنبھل گئی تھی۔

عبدالرزاق نے بہت فکرمندی اور محویت سے اسے دیکھا جس کی ناک سرخ ہو رہی تھی...... اور اب وہ خفت زدہ انداز سے پلیٹ کے اندر صرف چمچہ ہلا رہی تھی۔

"بھئی لڑکی تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے' بس دائیں بائیں سے کوئی بھی دیکھ لو۔" جاوید فلاسفر کے حد درجہ سنجیدہ انداز پر سب چونک گئے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" عبدالرزاق نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بھئی مطلب وطلب کا تو مجھے پتا نہیں' بے شمار اچھی لڑکیاں ہیں' تم خود کسی ایک آدھ کا نام لے کر اپنی اماں کا مسئلہ حل کر دو اور ان باقی لڑکیوں کی خلاصی کرواؤ جو بے چاری روزانہ ریجیکٹ ہونے کا عذاب سہہ رہی ہوں گی۔" نعیم نے سنجیدگی سے کہا تو وہ سر ہلا کر رہ گیا۔

"اور سب کان کھول کر سن لیں' خبردار ہمارا ولیمہ اٹینڈ کئے بغیر کسی نے یہ شہر چھوڑا' چاہے آندھی آئے یا طوفان' نعیم چوہدری کا ولیمہ کوئی بھی نہیں چھوڑے گا' دوسرے شہر کے لوگوں کو دس دس سوہن حلوے کے ڈبے فری بطور گفٹ ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہارا اپنے ولیمہ پر اپنے ابے سے جوتے کھانے کا ارادہ ہے۔" عبدالرزاق نے ہنستے ہوئے اس کے ابا جان کی کنجوسی کی طرف توجہ مبذول کروائی تو سب ہنس پڑے۔

کھانے کے بعد نعیم نے اپنی گاڑی میں طوبیٰ' جاوید اور ساجد کو بٹھایا جبکہ عبدالرزاق کی گاڑی میں شگفتہ اور شائستہ تھیں۔

"رزاق بھائی پہلے شگفتہ کو ڈراپ کر دیجئے گا۔" طوبیٰ نے جاتے جاتے اسے چھیڑا تو وہ چونک اٹھا جبکہ شائستہ نے حیرانی سے دوسری گاڑی میں خوش و خرم بیٹھی طوبیٰ کو دیکھا جو مسلسل مسکرا رہی تھی۔

"اس کو کیا ہوا؟ کون سا زعفران کا کھیت دیکھ لیا اس نے؟" شائستہ نے دل ہی دل میں سوچا اور پھر رزاق اور شگفتہ کی طرف متوجہ ہوئی' جو نہ جانے کس بحث میں الجھے ہوئے تھے۔

شگفتہ کا گھر آنے تک وہ دونوں کی بے معنی سی بحث کو خاموشی سے سنتی رہی' حتیٰ کہ عبدالرزاق نے اسے بھی شامل کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن وہ دانستہ خاموش رہی۔ اسے نہ جانے کیوں آج کل کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا' وہ خود بھی اپنی طبیعت کے اس رخ کو سمجھنے سے قاصر تھی اور بعض دفعہ تو وہ خود حد درجہ جھنجھلا جاتی......

"بھئی کن سوچوں میں گم ہو' اگلی سیٹ پر آ جاؤ' میں تمہارا ڈرائیور تھوڑی ہوں۔" عبدالرزاق نے گاڑی ایک دم روک دی تھی۔ گاڑی رکی تو اس نے چونک کر دیکھا' شگفتہ نہ جانے کب اتر گئی تھی اور وہ اپنے خیالوں میں اس قدر گم تھی کہ اسے اس کے اترنے کی بھی خبر نہیں ہوئی۔

"ارے شگفتہ کہاں گئی؟" اگلی سائیڈ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس نے بوکھلاہٹ سے پوچھا۔

"ماشاء اللہ!" عبدالرزاق نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"بھئی شائستہ بتول! آج تو فیصلہ ہو کر رہے گا کہ آخر تمہارے حواسوں کو ہوا کیا ہے؟ شگفتہ بی بی آپ کے سامنے اپنے گھر کے گیٹ پر اتریں بلکہ تمہیں بھی خدا حافظ کہا...... اور تم پوچھ رہی ہو کہ آخر وہ گئی کہاں؟ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری عقل کہاں گئی ہے؟" وہ آج اس کی طبیعت درست کرنے کے موڈ میں تھا۔

"سوری مجھے پتا نہیں چلا۔" اس کے خفت زدہ لہجے پر عبدالرزاق نے بے ہوش ہونے کی ایکٹنگ کی۔

"سوری! اور وہ بھی تمہارے منہ سے' اوہ مائی گاڈ! تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" عبدالرزاق کو سخت تعجب ہوا تھا۔

"تمہارے ساتھ آخر مسئلہ کیا ہے؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟ میں نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟" وہ ایک دم جذباتی ہو کر پھٹ پڑی تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے دھواں دھار رو رہی تھی۔ عبدالرزاق کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"او! بے وقوف لڑکی یہ کیا فضول حرکت ہے؟" عبدالرزاق نے اسے کندھے سے پکڑ کر رخ اپنی طرف موڑا۔

"بلیومی شائستہ میں تو مذاق کر رہا تھا۔" وہ فوراً وضاحتیں دینے لگا۔ "یقین کرو تم مجھے ہمیشہ لڑتی جھگڑتی اور دوبدو جواب دیتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔ یہ چپ چپ اور خاموش سی شائستہ کو تو ہری مرچ کہنے کو بھی دل نہیں کرتا۔" اس کی بے چارگی میں دی گئی وضاحت کو سن کر شائستہ کے چہرے پر ایک دم مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ رونا ختم کر چکی تھی...... اور خفگی آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تم بھی تو اتنے اسمارٹ ہو گئے ہو کہ گونگلو کہنے کو بھی دل نہیں کرتا۔"

وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا اور پھر شرارت آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"میری شادی کی خبر سن کر تمہارے گلے میں پھندا کیوں لگا تھا؟"

"کیا......؟" وہ بلند آواز میں چیخی۔ "منہ دھو کے رکھو اپنا' وہ تو میں نے چاول زیادہ منہ میں ڈال لئے تھے' ورنہ مجھے کیا مسئلہ ہے؟"

"اچھا؟ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا' تو پھر تم نے اپنے خفیہ نوٹس مجھے کیوں دیئے؟"

"وہ تو تمہارے ابا کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے......" اس نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

"اچھا؟ یہ بات ہے تو پھر ایگزام کے دوران ہماری کلاس فیلو عافیہ کی امی کا بھی تو انتقال ہوا تھا' تم نے اسے کیوں نہیں دیئے؟"

"وہ تو......" وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

"ہاں نا بتاؤ' اب بولتی کیوں چپ ہو گئی۔" وہ اسے زچ کر رہا تھا۔

"شٹ اپ' تم اس قابل نہیں تھے کہ تمہاری مدد کی جاتی' خوامخواہ میری انسانی ہمدردی کو غلط رنگ دے رہے ہو۔ تم تو ہمارے گروپ کے تھے' اسی لئے میں نے تمہاری مدد کر دی اور تم خوامخواہ خوش فہمی میں مبتلا ہو رہے ہو۔"

وہ نظریں چرا کر وضاحتیں دیتی عبدالرزاق کو بہت پیاری لگی تھی۔

اس نے گہری آنکھوں سے اسے دیکھا اور معنی خیز لہجے میں کہا۔

"اب تو کچھ نہیں ہو سکتا' اسی خوش فہمی کے زیر اثر میں نے اپنی والدہ سے کہہ دیا تھا کہ ادھر ادھر لڑکیاں دیکھنا بند کریں۔ ایک "ہری مرچ" جیسی لڑکی مجھے پسند ہے' بس اسے فائنل کریں' لیکن خبردار شادی کے بعد میں اس منحوس "ہرے رنگ" کو ہرگز نہیں پہننے دوں گا۔"

"تو پھر میں بھی تمہیں ندیدے لوگوں کی طرح ٹھونس کر کھانے نہیں دوں گی۔" وہ تیزی سے بولی اور عبدالرزاق کے بے ساختہ قہقہے پر اسے احساس ہوا کہ وہ کچھ غلط بول گئی ہے...... تبھی خفت زدہ انداز سے انگلیاں مروڑنے لگی......

"اس کا مطلب ہے کہ تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟" وہ شوخ ہوا۔

"میں نے یہ کب کہا؟" وہ بوکھلائی۔

"دیکھو مکرو نہیں' ورنہ میں اپنی والدہ کی پسند کی ہوئی لڑکی فائنل کر دوں گا۔" اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"اور میں تمہاری جان نکال دوں گی۔" وہ بے ساختہ بولی تھی۔

عبدالرزاق کے بلند آواز میں لگائے قہقہے اور پرشوق نظروں نے شائستہ کو بری طرح پزل کر دیا تھا۔ شرم اور حیاء کے ملے جلے رنگ اس کے چہرے پر پھیلے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ لیکن وہ مطمئن انداز سے سامنے موجود صاف اور روشن سڑک کو دیکھ رہی تھی' اسے نہ جانے کیوں لگ رہا تھا کہ زندگی اس کے لئے بہت سے رنگ اور خوشیاں سمیٹے اس کی منتظر ہے۔

✤ ✤ ✤

''موسمِ گل حیراں ہے''

''رات کی تیرگی میں املتاس اور شہتوت کے درختوں میں گھری سیاہ کولتار والی سڑک پر سرمئی رنگ کی ہنڈا سوک گاڑی بہت سرعت سے دوڑتی جا رہی تھی۔ اس نے گاڑی کی کھڑکی سے آسمان پر ستاروں کے جھرمٹ کو دیکھا جو ان کے ساتھ ہی محوِ سفر تھا' جبکہ راستے میں آنے والے شہروں پر گہری ہوتی رات ایک سحر کی مانند طاری ہو چکی تھی۔ وہ آج نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے سحر میں گرفتار نہیں ہو سکی تھی۔ اس وقت آسمان پر جتنے ستارے تھے' اس سے زیادہ وہم اور اندیشے اس کے ذہن کے آسمان پر پوری آب و تاب کے ساتھ دمک رہے تھے۔''

وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بظاہر ٹیک لگائے انتہائی پرسکون تھی' لیکن اس کے اندر پریشانی کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اگلی سیٹ پر بیٹھا بلیو جینز کے ساتھ سفید گھریلو سی ٹی شرٹ میں ملبوس شخص اس کے لئے بالکل انجان تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش اس کو کچھ کچھ شناسا سے تو لگے تھے لیکن وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے۔

اسی لمحے اس نے بیک مرر سے اسے دیکھا' وریشہ نے گڑبڑا کر اپنی آنکھیں دانستہ باہر کے مناظر پر مرکوز کر لی تھیں لیکن ایک لمحے میں وریشہ نے اس کے چہرے پر پھیلی خاموشی اور گہری سوچ کی پرچھائیوں کو پڑھا تھا۔ چہرے پڑھنا ویسے بھی اس کا مرغوب مشغلہ تھا۔ گاڑی میں وہ دونوں ہی تھے' اس لئے بڑی بوجھل سی خاموشی پر پھیلائے ان کے درمیان گھس کر بیٹھی ہوئی تھی۔

گاڑی بہت تیزی سے اپنی منزل کی طرف گامزن تھی۔ وریشہ ایک دفعہ پھر اپنی سوچوں میں غلطاں تھی۔ ابھی کچھ گھنٹے پہلے وہ کافی کا ایک بڑا سا مگ پاس رکھے اپنی میڈیکل کی کسی کتاب میں گم تھی۔ پروفیسر جمال احمد نے کل ٹیسٹ لینا تھا اور وہ ٹیسٹ بری طرح سے اس

کے حواسوں پر سوار تھا اور اس کی روم میٹ ملیحہ تو اس ٹیسٹ کی تیاری کے لئے اپنے تایا کے گھر گئی ہوئی تھی جو خود بھی بہت اچھے ڈاکٹر تھے' جبکہ راولپنڈی میں اس کے کوئی ایسے رشتے دار نہیں تھے۔ اس لئے وہ ہر ویک اینڈ پر ہوسٹل میں ہی رہنے کو ترجیح دیتی تھی' ویسے بھی یہ اس کا راولپنڈی میڈیکل کالج میں آخری سال تھا۔

وہ اس دن بھی اپنا مخصوص بڑا سا مگ جس پر ''لیو'' اسٹار کا بڑا سا نشان بنا ہوا تھا' اس میں کافی منہ تک بھرے ہوئے ہوسٹل کے لان میں اپنے مخصوص پسندیدہ کونے میں براجمان تھی' جب خلافِ توقع بابا کی کال آئی۔ ان کی بات نے اس کا دماغ بھک کر کے اڑا دیا تھا۔ وہ بہت عجلت میں اسے کہہ رہے تھے۔

''وریشہ! ایک گھنٹے تک تمہیں میرا اسٹوڈنٹ ابتہاج پک کرنے آئے گا' اپنا بیگ تیار کر لو تمہیں دس پندرہ دن کے لئے کہیں جانا ہے......''

''لیکن پاپا' میں دس پندرہ دن کے لئے کالج سے کیسے چھٹی کروں گی' پھر پروفیسر جمال آج کل ٹیسٹ لے رہے ہیں......'' وہ بڑی سرعت کے ساتھ ان کو بتا رہی تھی۔

''میری پروفیسر جمال سے بات ہو چکی ہے' انہیں کوئی اعتراض نہیں۔'' انہوں نے ایک اور بم اس پر گرایا تھا۔ ''دیکھو وریشہ مجھے کچھ دن کے لئے کہیں جانا ہے' کہاں؟ اور کدھر؟ اس کے جوابات میں فوری نہیں دے سکتا۔'' وہ مزید کہہ رہے تھے۔

''مجھے معلوم ہے کہ میری بیٹی بہت سمجھدار ہے' وہ ان فضول سوالات میں نہیں پڑے گی' میں کسی اور دن آپ سے تفصیل سے بات کروں گا۔'' وہ بابا کی بات پر حواس باختہ ہو کر سامنے پڑے کافی کے خالی مگ کو دیکھنے لگی' سارے الفاظ بھک کر کے اس کے دماغ سے اڑ گئے تھے' اوپر سے انہوں نے تازہ تازہ ''سمجھداری'' کا تمغہ پہنایا تھا' اس لئے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خاموش ہو گئی' ورنہ دماغ میں تو مختلف سوالوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

''میری بات سن رہی ہیں نا وریشہ آپ......؟'' ہمیشہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرنے والے بابا آج بہت تیزی سے بول رہے تھے اور یہ ہی بات وریشہ کے لئے پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔

''جج جی بابا......'' اس نے فوراً بوکھلا کر جواب دیا اور پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔ ''آخر جانا کہاں ہے......؟''

"بس وہ جہاں بھی لے کر جائے' آپ چلی جانا......" بابا کا جواب اسے انتہائی بے تکا لگا تھا۔ پہلی دفعہ وریشہ کو بابا کی ذہنی حالت پر شک ہوا تھا۔ تبھی تو وہ انتہائی فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

"بابا! آپ ٹھیک تو ہیں ناں......؟"

"میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا' بس کچھ دن کے لئے ملک سے باہر جا رہا ہوں' اس لئے ہو سکتا ہے کہ میری آپ سے بات بھی نہ ہو سکے' اس لئے پریشان نہیں ہونا......" وہ حد درجہ اسے مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

"کہاں؟ کس ملک میں؟" وہ کچھ اور پریشان ہوئی۔

"بیٹا میں نے کہا تھا ناں کہ زیادہ سوال نہیں کرنے......" وریشہ کو صاف محسوس ہوا تھا کہ بابا بری طرح جھنجھلائے تھے۔ ان کی جھنجھلاہٹ نے اسے بری طرح خفت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"آئی ایم سوری بابا۔" وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔

"ابتہاج آنے والا ہی ہو گا' تم اپنے ڈاکومنٹس اور سب ضروری کاغذات رکھ لینا اور کتابیں بھی۔" وہ انتہائی غیر متوازن آواز میں اسے کہہ رہے تھے۔ "اور ہاں یاد رکھنا پریشانیاں اور مسائل ہماری زندگی کا حصہ ضرور ہوتے ہیں' لیکن پوری زندگی نہیں ہوتے' ان کے ساتھ ہی زیست بسر کرنا پڑتی ہے۔ اس لئے ان کو ذہن پر سوار نہیں کرنا......" وہ پتا نہیں اسے کیا سمجھانا چاہ رہے تھے' جبکہ وریشہ کو ان کی بے ربط گفتگو اور زیادہ پریشان کر رہی تھی' وہ ایک دم ہی تناؤ کا شکار ہوئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور پوچھتی بابا اختتامی الفاظ کہہ کر اس کی خدا حافظ سنے بغیر فون بند کر چکے تھے۔

اپنی چیزیں اٹھا کر وہ کمرے میں آئی تو پریشانی کے ساتھ ساتھ کوفت اور بے زاری بھی اس کا دامن پکڑ کر اس کے وجود میں سرائیت کر چکی تھی۔ انتہائی جھنجھلاہٹ کے ساتھ اس نے اپنے بیگ میں کپڑے ٹھونسے تھے۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ کیا رکھ چکی ہے' البتہ دوسرے بیگ میں کتابیں' نوٹس اور مختلف جرنلز اس نے بہت دھیان سے اور توجہ سے رکھے تھے۔ اپنے سارے ڈاکومنٹس رکھنے کی تک اسے سمجھ تو نہیں آئی تھی' لیکن بابا کی بات اس نے کبھی ٹالی نہیں تھی۔ اس لئے اس نے سارے کاغذات خاموشی سے رکھ لئے تھے' اپنی پیکنگ کے دوران اس کا دل چاہا کہ وہ اپنی روم میٹ کو اپنے جانے کا بتا دے لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنا ارادہ ملتوی

کر دیا' کیونکہ اسے خود علم نہیں تھا کہ آخر جانا کہاں ہے؟

شاور لے کر وہ اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی جب چوکیدار نے اسے باہر کسی مہمان کے آنے کی اطلاع دی تھی۔ اپنے دونوں بیگ اس نے چوکیدار کے ہاتھ بھجوا دیئے تھے اور خود اپنا ہینڈ بیگ کندھے پر ڈال کر وہ باہر نکلی تو اس وقت شام کے چھے بج رہے تھے۔ گیٹ کے پاس بنے وزیٹنگ روم میں بیٹھا شخص اسے دیکھ کر چونک اٹھا تھا۔

"آپ وریشہ سکندر ہیں ناں......؟" وہ انتہائی اعتماد سے اس سے مخاطب تھا۔ وریشہ نے ایک نظر میں دیکھ لیا تھا کہ وہ خاصا دراز قد تھا' اس کا جسم خاصا مضبوط اور رنگت بھی سفید تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی محسوس کی جانے والی کشش تھی۔ اس کی شخصیت کا نمایاں وصف اس کی خود اعتمادی اور بے نیازی تھی۔ اس وقت وہ دونوں بازو سینے پر باندھے بہت اطمینان سے اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

"آپ ابتہاج ہیں......" اس نے اپنی تسلی کے لئے پوچھا' ورنہ مدمقابل کا انداز ہی اسے بتانے کو کافی تھا کہ وہ اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔

"جی مجھے ابتہاج ہاشمی کہتے ہیں' مجھے سر نے بھیجا ہے......" اس نے انتہائی مختصر انداز میں بتایا۔

"اٹس او کے......!" وہ زبردستی مسکرائی......" کیا لیں گے آپ؟ چائے یا کولڈ ڈرنک......؟" اس نے ایک اچھے میزبان کے طور پر رسماً ہی پوچھا تھا' ورنہ اسے معلوم تھا کہ وہ اس صورت حال میں کیا جواب دے گا۔

"نو تھینکس......! ہم لیٹ ہو جائیں گے' ویسے بھی کافی لمبا سفر ہے......" اس کا لہجہ دوٹوک اور کسی بھی قسم کی گنجائش سے عاری تھا۔ وریشہ نے بھی کندھے اچکائے اور مزید اصرار کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وہ اب اس کے بیگ اٹھا کر گاڑی میں رکھ رہا تھا۔ وریشہ نے دیکھا وہاں پہلے سے ہی ایک لیدر کا بیگ پڑا تھا۔ وہ شاید خود بھی کہیں سے سفر کر کے آیا تھا۔ اس کی گاڑی پر پڑی گرد سے وریشہ نے اندازہ لگایا تھا۔ وہ اس کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول چکا تھا۔ اس کے لبوں سے بے اختیار ایک پرسکون سی سانس خارج ہوئی تھی' وہ خود بھی آگے بیٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ ابھی بیٹھی ہی تھی کہ سیل فون پر بابا کی کال آ گئی۔ اس کی دل کی دھڑکنوں میں ایک دم ہی ارتعاش برپا ہوا تھا۔ اس نے بے تابی سے کال اٹینڈ کی۔

دوسری طرف بابا اس کے سلام کا جواب دیئے بغیر بہت بے چینی سے بولے تھے۔

"ابتہاج آ گیا......؟"

"جی بابا......!" وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی۔

"او کے' میری بات کرواؤ اس سے......" وہ اب کے ذرا اطمینان سے بولے تھے' جبکہ وریشہ کو نہ جانے کیوں غصہ آ گیا تھا' تبھی اس نے خاموشی سے سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔ "بابا بات کرنا چاہتے ہیں۔" اس کے حیرت زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے فوراً وضاحت دی۔ وہ سیل فون لے کر قدرے فاصلے پر چلا گیا تھا۔ وریشہ نے دیکھا کہ وہ بس سر ہلا رہا تھا۔ دوسری طرف بابا کی بات شاید لمبی ہو گئی تھی۔ اسے اس وقت سخت دھچکا لگا جب اس نے بات کر کے فون بند کر دیا تھا۔ بابا نے اس سے بات نہیں کی تھی۔ اب یہ بات گھنٹوں اس کا دل جلانے کو کافی تھی اور وہ تو ویسے ہی پورے خاندان میں حد درجہ حساس مشہور تھی۔ وہ کچھ بھی بولے بغیر ڈرائیونگ شروع کر چکا تھا۔ جیسے جیسے باہر اندھیرا پھیل رہا تھا' ویسے ویسے وریشہ کے اندر ایک کثیف سی مایوسی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس نے انتہائی بے دلی سے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا لی تھی۔

اگلی سیٹ پر بیٹھا بندہ عادتاً کم گو تھا کہ کسی مصلحت کی وجہ سے خاموش تھا' وہ یہ بات سمجھنے سے قاصر تھی۔ سفر شروع ہوئے ایک گھنٹہ ہو چکا تھا لیکن وہ مسلسل خاموشی اور سکون کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا جیسے اس سے زیادہ اہم کام دنیا میں کوئی نہ ہو۔

"ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں......؟" اس نے بمشکل دل پر جبر کر کے اس کو مخاطب کر ہی لیا تھا۔ دوسری طرف سے استفہامیہ لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

"آپ کو پروفیسر صاحب نے بتایا نہیں......؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی یا سادگی' وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ اب بھی پورے دھیان سے ڈرائیونگ کرنے میں مگن تھا۔ اس کی خاموشی وریشہ کو خفت میں مبتلا کر رہی تھی۔

"ظاہر ہے نہیں بتایا تو آپ سے پوچھ رہی ہوں......" اس نے بھی ڈھٹائی کی حد کر دی تھی۔

"ابھی ان کی دوبارہ کال آئے گی تو پوچھ لیجئے گا......" اس نے احتیاط سے موڑ کاٹتے ہوئے شائستہ انداز میں کہا۔

"بابا کے سارے اسٹوڈنٹ ہی عجیب سے روکھے اور فلاسفر ٹائپ ہیں' ایک بھی کام کا نہیں......" اسے اچانک بیٹھے بیٹھے ارسلہ کا بے لاگ تبصرہ یاد آیا تھا۔ ارسلہ کی بات سے اس کی اچانک یاد بھی بے وقت آئی تھی' وہ اس کی اکلوتی بہن تھی اور شادی کے بعد اپنے میاں کے ساتھ جاپان میں مقیم تھی۔

"کتنی کمینی ہے ارسلہ' کتنے دنوں سے مجھے کال تک نہیں کی۔" اسے بیٹھے ہوئے ایک اور دکھ یاد آیا تھا۔ دل میں خودترسی کے جذبات امڈ کر آ رہے تھے۔ اچانک اگلی سیٹ پر بیٹھا بندہ بولا تھا۔

"آپ کا میڈیکل کا کون سا سال ہے......؟" وہ جو اپنی سوچوں میں گم تھی' اس کی بات پر بے اختیار چونکی۔

"آپ کو کس نے بتایا کہ میں میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں......" اس نے انتہائی بے تکا سوال کیا تھا۔

"ظاہر ہے میں نے آپ کو راولپنڈی کالج سے پک کیا ہے اور وہاں میڈیکل کی ہی تعلیم دی جاتی ہے۔" اس نے جتایا نہیں تھا لیکن وہ بری طرح شرمندہ تو ہوئی' اسی لئے دانستہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "کیوں آپ کو پروفیسر صاحب نے بتایا نہیں؟" اس کے دانستہ جتاتے ہوئے لہجے پر ایک مبہم سی مسکراہٹ ابتہاج کے چہرے پر دوڑی تھی۔ وہ بیک مرر سے اسے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"میں نے پوچھا نہیں' ورنہ وہ بتا دیتے......" اس کا انداز اور لہجہ خاصا مہذب تھا۔ وہ اب کہ ٹھیک ٹھاک شرمندہ ہوئی تھی۔ اس لئے خاموش رہی۔ ابتہاج نے بھی اپنی ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف مبذول کر لی تھی' اس نے دوبارہ نہیں پوچھا تھا۔ گاڑی موٹروے پر پوری قوت سے بھاگ رہی تھی۔ اتنی ہی تیزی سے مختلف یادیں اور مناظر وریشہ کے ذہن کے پردے پر دوڑ رہے تھے۔ اسے آج ارسلہ بری طرح یاد آ رہی تھی۔ وہ اس سے دو سال بڑی تھی لیکن دونوں میں کمال کی انڈراسٹینڈنگ اور محبت تھی۔ سی ایس ایس (CSS) کے بعد وہ فارن آفیسر کی حیثیت سے جاپان میں تعینات تھی' اس سے پہلے کچھ عرصہ اس نے اٹلی میں بھی گزارا تھا۔ وہ حد درجہ ذہین وفطین اور اوورکونفیڈنٹ لڑکی تھی۔ ماما اور بابا اس کا تعارف بہت فخر اور محبت سے کرواتے تھے۔ ویسے تو دونوں بیٹیاں ہی ان کو عزیز تھیں' لیکن شوخ وچنچل

حاضر دماغ اور باتونی سی ارسلہ ہر جگہ پر نمایاں ہوتی تھی۔ اس کے مقابلے میں وریشہ حد درجہ کم گو' تنہائی پسند اور اپنے آپ میں مگن رہنے والی تھی' حالانکہ ذہانت میں وہ بھی ارسلہ سے کم نہ تھی' لیکن وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بننے سے گھبراتی تھی۔ اس لئے ارسلہ کے مقابلے میں لوگ اس کی طرف کم ہی متوجہ ہوتے تھے۔

"ارسلہ ہر چیز میں اپنے باپ کا پرتو ہے جبکہ وریشہ میری کاپی ہے......" اسے ماما کی بات اچانک ہی یاد آئی تھی۔ ماما کی شخصیت حد درجہ سحر انگیز تھی۔ وہ ٹھنڈے مزاج کی بہت مضبوط اور متاثر کن انداز بیان کی حامل خاتون تھیں۔ وریشہ کو کبھی بھی نہیں لگا تھا کہ وہ ماما کی کاپی ہے۔ اسے ہمیشہ لگتا تھا کہ ماما بس اس کا دل خوش کرنے کے لئے ایسا کہتی ہیں۔ ماما نے نفسیات میں امریکہ سے پی ایچ ڈی کی تھی اور وہ یونیورسٹی میں اپنے شعبہ کی ہیڈ بھی رہی تھیں۔ ان میں اور بابا میں کمال کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔

گاڑی چلتے چلتے رکی تھی۔ وہ ایک دم ہی ہوش کی دنیا میں آئی تو دیکھا۔ وہ پیچھے مڑ کر اسی کو دیکھ رہا تھا۔ "سوری میں نے آپ کو ڈسٹرب کیا' یہ بھیرہ کا شاپ ہے اور یہاں کافی اچھے ہوٹلز ہیں اور مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے......" وہ خاصا طویل جملہ بولا تھا۔

"لیکن مجھے تو بھوک نہیں ہے......" وہ بے ساختہ بولی تھی' لیکن اس کے چہرے پر پھیلنے والی مسکراہٹ سے اسے اپنی بات کے بے تکے ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"اٹس او کے' اگر آپ کو بھوک نہیں تو کوئی بات نہیں' لیکن یقین مانیں میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ صبح ہی لاہور پہنچا تھا اور وہیں سے سیدھا راولپنڈی آ گیا......" وہ انتہائی سادہ انداز میں بتا رہا تھا۔

"اوہ آپ لاہور میں بابا سے مل کر آ رہے ہیں......" وہ ایک دم بے چین ہوئی۔

"جی ہاں......!" وہ اس کے بے صبرے پن پر مسکرایا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ہم کھانا کھالیں' کیونکہ سفر کافی لمبا ہے......"

"اوہ' ہاں ضرور......!" آج وریشہ کے صرف شرمندہ ہونے کا دن تھا۔ اسے کافی دیر سے اس بات کا احساس ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو وریشہ نے غور سے دیکھا' وہ اچھا خاصا دراز قد اور وجیہہ شخصیت کا حامل تھا۔ اس نے باہر نکلتے ہی اس کی سائیڈ کا دروازہ کھولا تو وہ چونک کر باہر نکلی۔ ٹھنڈی ہوا کا نم جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ "لگتا ہے کہ قریب ہی

کہیں بارش ہو رہی ہے......" وہ بلند آواز میں بولا تھا۔

"ہاں اسی لئے موسم خاصا خوشگوار ہے......" وریشہ نے اس کی بات کا جواب دیا۔ ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی۔ وریشہ کو پہلی دفعہ احساس ہوا کہ اس نے شاور لینے کے بعد بال ایسے ہی کھول رکھے تھے جو اب اسے الجھن میں مبتلا کر رہے تھے۔ وہ بیگ سے ہیر بینڈ نکال کر قدرے لاپرواہی سے بالوں میں ڈال رہی تھی۔

"آپ کے بال بالکل میڈم شائستہ کی طرح لمبے اور گھنے ہیں......" وہ بلا ارادہ ہی بولا تھا۔ اس کے سخت حیرت زدہ چہرے پر وہ پہلی دفعہ بری طرح خجل ہوا تھا۔

"آئی ایم سوری' اصل میں آپ کے نقوش میم کے ساتھ بہت ملتے ہیں اور پہلی نظر میں دیکھنے سے ہی احساس ہوتا ہے کہ آپ ان کی بیٹی ہیں......" وہ اب بلاضرورت وضاحت دے رہا تھا۔

"آپ نے میری ماما کو دیکھ رکھا ہے......؟" ایک بے ساختہ سی خوشی کا احساس اس کے چہرے سے جھلکا تھا۔ وہ بالوں میں ہیر بینڈ ڈالنا بھول گئی تھی۔ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

ابتہاج نے پہلی دفعہ اس کو غور سے دیکھا' اس کے چہرے پر بلا کی جاذبیت اور معصومیت تھی' بے ریا پرکشش آنکھیں' انتہائی متناسب جسم اور چہرے کے خدوخال خاصے پرکشش تھے۔ ڈارک گرین لمبی ایئرلائن قمیض کے ساتھ میرون چوڑی دار پاجامے اور میرون ہی دوپٹے میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ اس کے چہرے کی رنگت میں سنہری پن جھلکتا تھا۔

"آئیں اندر چلتے ہیں' مجھے لگتا ہے کہ یہاں بھی بارش ہونے والی ہے......" اس نے صاف بات کو بدلا تھا۔ اس کے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس کے بات بدلنے پر اچھی خاصی کوفت کا شکار ہوئی تھی۔ جب کہ وہ اس کے آگے آگے لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا سامنے ہوٹل کے داخلی دروازے پر پہنچ گیا تھا۔

"کیا لیں گی آپ......؟" وہ اب مینیو کارڈ ہاتھ میں پکڑے اس سے پوچھ رہا تھا جو اس سے دل ہی دل میں خفا ہوئی بیٹھی تھی۔

"کچھ بھی نہیں......" اس کے انداز سے ناراضگی صاف جھلکی تھی۔

"سوری اس مینیو میں تو اس نام کی کوئی چیز نہیں......" وہ خاصی سنجیدگی کے ساتھ کہہ رہا

تھا۔ وریشہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں آپ کی ماما کا نہیں' بلکہ بابا کا اسٹوڈنٹ ہوں......" اس نے اس کے ناراض چہرے کے پیچھے چھپی ناراضگی کو تیزی سے پڑھا تھا' اس لئے اب لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

وریشہ کو اپنے بچگانہ انداز پر شرمندگی ہوئی' اس لئے وہ اب مینیو دیکھ کر اسے ایگ فرائیڈ رائس منگوانے کا کہہ رہی تھی' حالانکہ اس کا قطعاً بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ سارا دھیان بابا کی طرف تھا۔ اس کو ابھی تک اس "ایمرجنسی" دورے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی تھی' پتا نہیں بابا ٹھیک بھی تھے کہ نہیں......؟ وہ تھوڑا سا مضطرب ہوئی۔ اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی ابتاج کی زیرک نظروں سے نہیں چھپ سکی تھی۔

"کچھ چیزوں کے جواب نہیں ہوتے' ان کو خدا پر چھوڑ دینا چاہیے' وقت بہت بڑا منصف ہے......" اس نے بہت سرعت سے اس کے چہرے کے تاثرات کو پڑھا تھا۔

"بابا ٹھیک ہیں ناں......؟" وہ کچھ بے چین ہوئی۔

"الحمدللہ وہ بالکل ٹھیک ہیں' صبح ان کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی کر آیا ہوں......" وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا' وریشہ کو اس کے لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا۔

"اوہ تھینکس گاڈ......!" وریشہ کے لبوں سے بڑی پرسکون سی سانس خارج ہوئی تھی۔

"آپ نے ماما کو کہاں دیکھا ہے......؟" وہ اب اشتیاق سے پوچھ رہی تھی' وہ مسکرایا۔

"بھئی میں اسی یونیورسٹی میں تھا اور میڈم تو بہت ہر دلعزیز تھیں وہاں' میں تو ان کا زبردست فین تھا اور اکثر سر سے کہتا تھا کہ کاش میں آپ کے دور میں پیدا ہو جاتا تو میڈم کو ہرگز آپ سے شادی کرنے نہ دیتا......" وہ ہنستے ہوئے انتہائی شرارتی انداز سے کہہ رہا تھا۔

اس کی بات پر وریشہ کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیلی تھی' وہ جانتی تھی کہ وہ غلط نہیں کہہ رہا۔ ماما حقیقت میں بہت خوبصورت اور پروقار خاتون تھیں۔

"میڈم کھانا بہت اچھا بناتی تھیں' ان کے ہاتھ کی بنی ہوئی حلیم کھانے کے لئے تو میں اکثر آپ کے گھر بھی آ جاتا تھا......" وہ اس کی بات پر بری طرح چونکی۔ بابا کے اور ماما کے اسٹوڈنٹس دن رات ان کے گھر آتے تھے' اس لئے ان دونوں بہنوں نے کبھی کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں حیرت پڑھ کر اب خوشگوار انداز سے کہہ رہا تھا۔

"اصل میں' میں پروفیسر صاحب کا بہت چہیتا اسٹوڈنٹ تھا اور ان کے ساتھ میری بہت

دوستی ہے' مجھے ان کے ساتھ بہت زیادہ عقیدت ہے' اس لئے وہ اکثر مجھے ضرورت سے زیادہ رعایت دے دیتے تھے......" وہ نہ بھی بتاتا تو وریشہ کو اس کی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ بابا اپنی لاڈلی بیٹی کے لئے کسی عام بندے پر تو اعتبار نہیں کر سکتے تھے۔

"لیکن میں نے آپ کو کبھی نہیں دیکھا' نہ اپنے گھر' نہ بابا کے ساتھ......" وہ صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں ہو سکتا ہے۔" اس نے اختلاف نہیں کیا تھا۔ وہ اب اپنی پلیٹ میں چاول نکال رہا تھا۔ "لیکن میں نے آپ کو کئی دفعہ پہلے بھی دیکھ رکھا ہے......"

"اچھا......؟" وہ منہ میں نوالہ ڈالنا بھول گئی تھی۔ "کہاں پر......؟" اس کے چہرے پر تعجب کی فراوانی تھی۔

ایک دفعہ آپ کے گھر' دوسری دفعہ ارسلہ کی شادی پر' تیسری دفعہ آپ کی ماما کی ڈیتھ پر اور چوتھی دفعہ اب......" وہ سرسری سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"کیا......؟" اسے خاصا جھٹکا لگا تھا۔ وہ اب ہاتھ میں پکڑا چمچ' پلیٹ میں رکھ کر سخت حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی' جو بڑی رغبت سے کھانا کھا رہا تھا۔

"کیا ہوا......؟" اس نے تعجب سے اسے دیکھا جو کھانا' کھانا بھول گئی تھی۔

"آپ ارسلہ کی شادی پر آئے تھے......؟" وریشہ کو اپنی سماعت پر یقین نہیں آیا تھا۔

اسے یاد تھا کہ ماما کی بیماری کی وجہ سے بابا نے بہت ہی کم اور سلیکٹو لوگوں کو مدعو کیا تھا۔

"کیوں' نہیں آنا چاہیے تھا کیا......؟" وہ بہت معصومیت سے پوچھ رہا تھا' وریشہ گڑبڑا گئی۔

"نہیں' نہیں' میرا مقصد یہ نہیں تھا' اصل میں ارسلہ کی شادی پر بہت کم لوگ انوائیٹڈ تھے' اس لئے مجھے حیرت ہے کہ میں نے آپ کو کیوں نہیں دیکھا......"

"حالانکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ سارا وقت میڈم شائستہ کے ساتھ تھیں اور اس فنکشن میں ان کی طبیعت خاصی خراب تھی......"

"ہوں......" وہ کچھ اداس ہوئی۔ اسے یاد آیا کہ اس دن ماما کی خرابی طبیعت کی وجہ سے فنکشن بہت مختصر کر دیا گیا' نکاح کے فوراً بعد کھانا اور پھر رخصتی کر دی گئی تھی۔

"میڈم بہت گریس فل خاتون تھیں' اللہ ان کو جنت میں سب سے اچھے مقام پر

رکھے......'' وہ بہت عقیدت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلی اداسی کی کیفیت کو نکالنے کے لئے وہ ایک دم سے بولا تھا۔

'' آپ ارسلہ سے بہت مختلف ہیں......'' اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا تھا۔

'' اچھا......؟'' وہ مسکرائی...... '' آپ ارسلہ کو بھی جانتے ہیں؟'' وہ تحیر کے عالم میں کچھ دیر اس کی شکل دیکھتی رہی۔ اسے اس بات پر جھٹکا تو لگا تھا لیکن اس نے جلد ہی خود کو سنبھال لیا تھا۔

'' ارسلہ نہ صرف میری کلاس فیلو تھی' بلکہ بہت اچھی دوست تھی' اس کی شادی میرے بیسٹ فرینڈ اشعر سے ہوئی ہے' میں ان دونوں کو ملنے جاپان بھی گیا تھا۔''

وہ ایک دفعہ پھر کھانا کھانا بھول گئی تھی...... '' اشعر بھائی آپ کے دوست ہیں......؟'' ایک دفعہ پھر وہ خود کو حیران ہونے سے نہیں روک سکی تھی۔

'' ہاں وہ میرا بہترین دوست ہے' ہم دونوں کئی سال ہوسٹل میں ایک ہی روم میں رہے ہیں' وہ ارسلہ سے پہلی دفعہ میرے ہی توسط سے ملا تھا اور اس کے پرپوزل کا میں نے ہی آپ کے بابا کو بتایا تھا......'' ابتہاج کی بات پر اسے یاد آیا تھا کہ ارسلہ کا پرپوزل بابا کے کسی اسٹوڈنٹ کے توسط سے آیا تھا اور ماما نے یہ بات یونہی سرسری سے انداز میں بتائی تھی۔

'' میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چلنا چاہیے......'' وہ رسٹ واچ پر وقت دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اب پہلے کی طرح سنجیدگی سی طاری ہو چکی تھی۔ وہ جو صرف اس کا ساتھ دینے کے لئے زبردستی کھا رہی تھی' فوراً نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے کھڑی ہو گئی۔

وہ بل ادا کر کے اب باہر کی طرف قدم بڑھا چکا تھا۔ وریشہ نے بھی اس کی پیروی کی۔ باہر مکمل طور پر تیرگی کا راج تھا۔ مختلف قسم کی گاڑیاں وہاں کھڑی تھیں۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ '' اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو اگلی سیٹ پر آ جائیں' مجھے کھانے کے بعد شدید قسم کی نیند آتی ہے' اگر آپ پیچھے سو گئیں تو مجھے بھی نیند آ جائے گی...... اور ڈرائیور کی نیند کا انجام خاصا خطرناک ہوتا ہے۔''

'' اوہ......'' وہ چونکی......! نیور مائنڈ......!'' وہ زبردستی مسکراتے ہوئے بیٹھ گئی۔

'' اگر آپ نہیں بیٹھنا چاہتیں تو کوئی پرابلم نہیں' اِٹس او کے......'' وہ بہت اچھا چہرہ شناس تھا یا اس کا چہرہ ہی کھلی کتاب تھا۔ وریشہ سمجھ نہیں پائی۔ '' نہیں' کوئی مسئلہ نہیں......'' وہ پُراعتماد

ہوئی۔

وہ بہت تیز رفتاری لیکن محتاط انداز میں ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اسے اس کام میں خاصی مہارت تھی۔ اس نے ایک دفعہ پھر چپ کی چادر تان لی تھی۔ وریشہ کو پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ وہ خاصا موڈی قسم کا بندہ ہے۔ ایک لمحے میں اس طرح سے بات شروع کر دیتا تھا جیسے ازلوں سے شناسائی ہو اور اگلے ہی لمحے ایسا اجنبیت کا خول اپنی ذات کے گرد تان لیتا تھا کہ اچھا خاصا بندہ خجل خوار ہو جائے۔ وریشہ نے اس کی اجازت کے بغیر ہی سی ڈیز کی سلیکشن کو دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کا انتخاب خاصا لاجواب تھا۔ خصوصاً اقبال بانو اور غلام علی کی غزلیں دیکھ کر اسے خوشی ہوئی۔

'' آپ کو موسیقی سے شغف ہے......'' وہ ایک دم ہی سوالیہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

'' ہر وہ شخص جو جمالیاتی ذوق رکھتا ہو' ادب سے اس کی شناسائی ہو' زندگی کی خوبصورتیاں اسے اپنی طرف متوجہ کرتی ہوں' وہ لطیف قسم کے احساسات کا حامل ہو' اسے یقیناً موسیقی بھی بھاتی ہی ہے......'' وہ بہت دھیمے انداز میں بولی تھی۔ اس کی بات کو ابتہاج نے خاصا انجوائے کیا تھا۔ '' بہت خوب...... میرا خیال تھا کہ میڈیکل کے لوگ ان چیزوں سے دور ہی بھاگتے ہوں گے......''

'' کیوں میڈیکل کی دنیا کے لوگ کیا انسان نہیں ہوتے......؟'' اس نے برا مان کر کہا تھا۔

'' نہیں انسان تو ہوتے ہیں' لیکن سنا ہے کہ قدرے خشک اور بور......'' وہ صاف گوئی سے بولا تھا۔

'' سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتے' ورنہ ہم دکھی انسانیت کی خدمت کرنے والے لوگ جتنے حساس ہوتے ہیں' آپ لوگ اندازہ ہی نہیں کر سکتے...... اور ہر حساس دل کو نازک جذبات کی حامل چیزیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں......''

'' ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں......'' ابتہاج نے مزید بحث کرنے کا ارادہ ملتوی کر دیا' ورنہ اس کی بات پر وہ اچھی خاصی بحث کر سکتا تھا۔

'' آپ کو پتا ہے کہ بابا نے مجھے اس طرح اچانک کیوں ہوسٹل سے بلوایا ہے اور کہاں

بھیج رہے ہیں......؟'' جگجیت کی سی ڈی کو ہاتھ میں پکڑے اس نے اچانک ہی موضوع بدلا تھا۔

''جی نہیں......!'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وریشہ کو اس کے جواب سے سخت مایوسی ہوئی' اس نے ہاتھ میں پکڑی سی ڈی ڈیش بورڈ میں رکھتے ہوئے قدرے خفا انداز سے کہا۔

''اچھا یہ تو آپ کو علم ہو گا کہ ہم جا کہاں رہے ہیں یا پھر یہ بھی پتا نہیں اور آپ شوقیہ ہی سڑکوں پر گاڑی دوڑاتے پھر رہے ہیں......''

ابتہاج نے سبک رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے اس کو مسکرا کر دیکھا جو تھوڑا سا رخ موڑے باہر اندھیرے میں بھاگتے دوڑتے درختوں میں پتا نہیں کیا چیز تلاش کر رہی تھی۔ باہر تاریکی کے ساتھ گہرا سناٹا تھا۔

''آپ کو نیند تو نہیں آ رہی......؟'' وہ فکرمندی سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے اس طرح بات پلٹنے پر وریشہ نے باقاعدہ مڑ کر اسے غصے سے گھورا تھا۔'' ایسے نامعلوم سفر پر جاتے ہوئے بھلا کس کافر کو نیند آئے گی......'' وہ بلند آواز میں بڑبڑائی تھی۔ اس کی بات پر ابتہاج بے ساختہ ہنسا تھا۔

''آپ ناراض نہ ہوں' ہم لوگ ملتان کے ایک گاؤں میں جا رہے ہیں۔''

''ملتان کے گاؤں میں......کون سے گاؤں میں......'' وہ ناراضگی بھلائے اب باقاعدہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے سخت حیران تھی۔

''دیکھا میں انہی سوالوں کی وجہ سے نہیں بتا رہا تھا' گاؤں کا نام بتا دوں تو کیا فائدہ' آپ کون سا پہلے ملتان گئی ہیں......'' اس نے صاف اسے چھیڑا تھا۔

''آپ کو کس نے کہا کہ میں نے ملتان نہیں دیکھا......؟'' وہ اسے گھورتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''آپ کے بابا نے......'' اس کے جواب نے وریشہ کے غبارے سے ساری ہوا نکال دی تھی۔ ''ہاں ٹھیک کہا تھا بابا نے......'' وہ تھوڑا سا دھیمی ہوئی۔ ''وہاں کس کے پاس جا رہے ہیں اور کیوں......؟'' وہ تھوڑا سا فکرمند ہوئی۔

''یہ آپ کو پتا چل جائے گا وہاں جا کر......'' وہ مبہم سے انداز میں مسکرایا۔

''کیا پتا چلے گا' اچھا خاصا بیٹھے بیٹھائے مجھے اس ایمرجنسی اور خفیہ دورے پر بھجوا دیا ہے؟

اور پھر بھی کہہ رہے ہیں کہ سب ٹھیک ہے۔'' وہ تھوڑا سا چڑ کر بولی تھی۔

''کیا آپ کو اپنے بابا پر اعتبار نہیں......'' وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔

''استغفراللہ میں نے ایسا کب کہا......؟'' اس کے چہرے پر حیرت کی فراوانی تھی' وہ باقاعدہ برا مان گئی تھی۔

''آپ اس طرح ناراض جو ہو رہی ہیں......''

''میں ناراض نہیں ہو رہی' مجھے بس بابا کی ٹینشن ہے' انہوں نے پہلے کبھی ایسا نہیں کیا اور ان کو پتا ہے کہ میرا میڈیکل کا آخری سال ہے......'' وہ جذباتی ہوئی۔

''ان کا تعلق بھی شعبہ تعلیم سے ہے اور ان سے زیادہ کون وقت کی اہمیت سے آگاہ ہو گا۔ آپ تھوڑا سا صبر و تحمل کریں۔ کچھ چیزیں ٹائم مانگتی ہیں۔ سب کچھ انشاء اللہ جلد واضح ہو جائے گا۔'' وہ بہت سکون سے اسے سمجھا رہا تھا۔

''مجھے وقت کے ضائع ہونے کا دکھ نہیں' آپ میرا پوائنٹ آف ویو سمجھ نہیں پا رہے' مجھے اس چیز کی ٹینشن ہے جس کی وجہ سے بابا نے اس طرح ایمرجنسی میں مجھے بلایا ہے' ورنہ وہ اسٹڈی کے معاملے میں کس قدر پکے ہیں' آپ کو اس چیز کا بخوبی اندازہ ہو گا۔''

''اگر ایسی کوئی بات ہے تو آپ کو ٹینس ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں' وہ پندرہ دن کے لئے کوئی سیمینار اٹینڈ کرنے انڈیا جا رہے ہیں' اور بالکل ٹھیک ہیں۔'' اس نے انکشاف کیا تھا۔

''تو وہ کون سا پہلی دفعہ ملک سے باہر جا رہے ہیں......'' وہ بالکل بھی نہیں چونکی تھی۔

''ہاں آپ کو پہلی دفعہ انہوں نے آپ کی مرضی کے خلاف بھجوایا ہے' یہ شاید آپ کو اچھا نہیں لگا......'' اس کی بات پر وہ بالکل ٹھنڈی ہو گئی' جبکہ وہ اس کے یوں خفت زدہ چہرے سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں......'' وہ بادل نخواستہ بولی تھی۔

''ویسے آپ کے بابا کی ایک رائے تو آپ کے متعلق غلط ہے......'' وہ خوشگوار انداز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وریشہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''ان کا خیال ہے کہ آپ خاصی کم گو ہیں اور بحث بالکل نہیں کرتیں......'' ابتہاج کی آنکھوں میں بے حد دلچسپی تھی۔ اس کی بات پر وریشہ خجل سی ہو کر فوراً وضاحت دینے لگی۔

''اصل میں سب کچھ اس طرح اچانک ہوا کہ میں بوکھلا گئی اور ایسی سچویشن میں اچھے خاصے

بندے کی مت ماری جاتی ہے اور میں تو ارسلہ کی طرح بالکل بھی مضبوط اعصاب کی مالک نہیں......''

''میرا خیال اس کے برعکس ہے' آپ ارسلہ سے زیادہ مضبوط ہیں اور اس کی طرح بالکل بھی جذباتی نہیں......'' وریشہ نے بوکھلا کر اس کی شکل دیکھی جس کی نظریں سامنے سڑک پر تھیں۔

''آپ کیسے کہہ سکتے ہیں......؟'' وریشہ کو حد درجہ تعجب ہوا تھا۔ وہ بڑی مہارت سے گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے بولا تھا۔ ''میں نے میڈم شائستہ کی ڈیتھ والے دن آپ کو دیکھا تھا' آپ ارسلہ کے مقابلے میں بہت حوصلے سے تھیں اور جس طرح اسے سنبھال رہی تھیں' وہ بھی حیران کن تھا۔ پروفیسر صاحب اکثر آپ کی تعریف کرتے ہیں......''

''میری تعریف کرتے ہیں؟'' وہ سخت حیران ہوئی۔ ''حالانکہ میرا ذاتی خیال ہے کہ وہ ارسلہ کے زیادہ قریب ہیں اور ارسلہ نے ان کی خواہش کے مطابق CSS کیا' جبکہ میں ماما کے زیادہ قریب تھی اور ماما کی آرزو تھی کہ ان کی ایک بیٹی ڈاکٹر بنے۔'' وہ ناخن کھرچتی ہوئی بے نیازی سے بولی تھی۔

''اچھا' ہوسکتا ہے' لیکن میں نے ہمیشہ ان کو ارسلہ کی بجائے آپ کی تعریف کرتے زیادہ سنا ہے......'' وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ انتہائی سکون سے گاڑی چلا رہا تھا' چونکہ رات کافی زیادہ ہو چکی تھی۔ اس لئے باہر سڑک پر ٹریفک کم تھی' زیادہ تر بڑے بڑے ٹرک اور ٹرالر ہی چل رہے تھے۔ وہ لوگ موٹروے سے اب پنڈی بھٹیاں والی سڑک پر تھے' جو خاصی خراب تھی۔ اس لئے گاڑی ہچکولے کھا رہی تھی۔

''بہت گندا روڈ ہے یہ......'' وریشہ ناگواری سے بولی۔

''کیا کیا جائے' اب کبیر والہ تک ایسی ہی سڑک کو برداشت کرنا پڑے گا۔'' وہ رسٹ واچ سے ٹائم دیکھتے ہوئے فکرمندی سے اسے بتا رہا تھا۔ اسی دوران گاڑی تھوڑا سا جھٹکا کھا کر چلتے چلتے اچانک ہی رکی تھی۔ انجن نے کچھ لمحوں کے لئے شور مچایا اور اس کے بعد ساکن ہو گیا۔

''یہ کیا ہوا......؟'' وریشہ کا دل دھک کر کے رہ گیا تھا۔ اس نے خوفزدہ نظروں سے اس سنسان سڑک کو دیکھا جس کے دائیں بائیں گندم کے کھیت تھے۔

''ڈانٹ وری......! میں دیکھتا ہوں......'' اس کے چہرے پر بڑی حوصلہ شکن مسکراہٹ تھی۔ وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا اور گاڑی کا بونٹ اٹھا کر انجن دیکھنے لگا۔ وہ بڑی توجہ سے مختلف تاروں کو گھما پھرا کر دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا؟ کہیں انجن تو گرم نہیں ہو گیا؟'' وریشہ نے اسے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے دیکھ کر پریشانی سے پوچھا۔ وہ بار بار چابی گھما رہا تھا' لیکن انجن بالکل بے جان تھا۔

''نہیں' ابھی موٹروے سے اترتے ہوئے تو پانی ڈالا تھا......'' وہ ابھی بھی پرسکون تھا۔ اس کے انداز میں بالکل بھی تشویش یا فکرمندی نہیں تھی۔ وہ ایک دفعہ پھر گاڑی سے اتر کر انجن کا معائنہ کر رہا تھا۔ جب اسے پانچ منٹ سے زائد ہو گئے تو وریشہ گھبرا کر نیچے اتر آئی۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ دور کہیں گیدڑ کے بولنے کی آواز سے وہ خوفزدہ ہوئی۔

''کیا ہو گیا اس کو اس وقت......؟'' وریشہ نے پریشانی بھری جھنجلاہٹ سے کہا۔

''کچھ نہیں ہوا' حوصلہ کریں' ہر کام کی کامیابی کی پہلی شرط صبر و تحمل ہوتا ہے......'' ابتہاج نے متبسم لبوں اور پرسکون لہجے میں کہا۔

''اتنی سنسان جگہ پر صرف چور ڈاکو ہی صبر و تحمل سے کھڑے ہو سکتے ہیں......''

''بس پھر آپ کچھ دیر کے لئے خود کو چور ڈاکو ہی سمجھ لیں......'' مشورہ مفت حاضر تھا' وہ چونکہ انجن پر جھکا ہوا تھا۔ اس لئے وریشہ اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پائی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ جنریٹر فیل ہو گیا ہے......'' ابتہاج کے لہجے میں پہلی دفعہ تشویش کا عنصر شامل ہوا تھا۔ اس کی اطلاع پر وریشہ نے سخت ہراساں نظروں سے اسے دیکھا۔ ''اب کیا ہو گا......؟''

''کچھ نہیں' بس تھوڑا سا مستری کا کام ہے......'' اس نے سر اٹھا کر وریشہ کا خوفزدہ چہرہ دیکھا۔ ''یہ آپ کو کیا ہوا؟ اتنی ہوائیاں کیوں اڑ رہی ہیں......؟ اس نے شرارت بھری سنجیدگی سے پوچھا۔

''ظاہر ہے اس طرح کے حالات میں ہر نارمل انسان پریشان ہو سکتا ہے' میں نے کون سا انوکھا کام کیا ہے......'' وریشہ چڑ گئی تھی' نہ جانے کیوں آج اسے بار بار غصہ کیوں آ رہا تھا' وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

''آپ کے اس طرح پریشان ہونے سے کیا گاڑی خود بخود ٹھیک ہو جائے گی......؟''

دونوں بازو سینے پر باندھے اسے انتہائی سکون سے کھڑے دیکھ کر وریشہ کو اس پر بے ساختہ رشک آیا تھا۔

"ایسے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے سے بھی ٹھیک نہیں ہوگی......" اس کے طنزیہ انداز پر ابتہاج قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ رات کے سناٹے میں اس کی آواز دور تک گئی تھی۔

"چلیں آپ کو میرے ہاتھ باندھنے پر اعتراض ہے تو میں سیدھا کھڑا ہو جاتا ہوں......" رات کے اس پہر اس کی شوخی وریشہ کو سخت بری لگی تھی۔ اس لئے وہ خاموش رہی۔

اسی وقت ایک ٹرک سست روی سے چلتا ہوا ان کے پاس آ کر رکا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ اندر جا کر بیٹھیں' اس طرح آپ کا سڑک پر کھڑے ہونا مناسب نہیں......" وہ بہت مہذب انداز میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔ ٹرک سے دو بندے اتر کر ان کی جانب آ رہے تھے۔ وریشہ فوراً گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی' لیکن اس کا سارا دھیان ان کی گفتگو کی طرف تھا۔ اسے تھوڑا سا غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ وہ لوگ پشتو میں گفت وشنید کر رہے تھے' جسے سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔

وہ تینوں اب ایک دفعہ پھر گاڑی کے انجن پر جھکے ہوئے تھے۔ ابتہاج نے ایک دفعہ پھر گاڑی کو اسٹارٹ کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ پھر مایوس ہو کر سر نفی میں ہلانے لگا۔ اس کے بعد ٹرک ڈرائیوروں نے دھکا لگا کر گاڑی کو ایک سائیڈ پر کیا۔ انہوں نے پھر دوبارہ آپس میں کوئی بات کی اور اس کے بعد وہ اپنا ٹرک اسٹارٹ کر کے لے گئے۔ ان کے جاتے ہی وریشہ بجلی کی سی تیزی سے نیچے اتری اور بے تابی سے بولی۔

"کیا ہوا......؟ یہ لوگ کیوں چلے گئے......؟"

"ظاہر ہے' جانے والوں نے جانا ہی ہوتا ہے' کوئی کسی کے لئے کتنا ٹھہر سکتا ہے......" رات کے اس پہر وہ اس کا فلسفہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"آپ نے ان کو کیوں جانے دیا......؟" وریشہ قدرے زچ ہو کر بولی تھی۔

"کمال کرتی ہیں آپ' میں ان کو بھلا کیسے روک سکتا تھا......" ابتہاج نے طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ جتایا تو وہ چپ کی چپ رہ گئی۔

"فکر مت کریں' ان لوگوں نے وعدہ کیا ہے کہ آگے جا کر کسی مکینک کو بھیجیں گے......" اس کی خاموشی پر اس نے مسکراتے ہوئے تسلی دی' جبکہ وریشہ نے بڑی سرعت سے اپنی کیفیت

پر قابو پایا تھا' وہ اب لاتعلقی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"آپ ٹینس نہ ہوں' اللہ بہتر کرے گا......" وہ اب بہت نرمی سے اس سے مخاطب تھا۔

"نہیں' میں ادھر ہی ٹھیک ہوں......" اس نے سنجیدگی سے جواب دیتے ہوئے سامنے جھاڑیوں میں دیکھنے کی کوشش کی' جہاں پر کسی جانور کی موجودگی کا احساس ہی اتنا خوفناک تھا کہ اس کے چہرے پر بڑی برق رفتاری سے خوف کی پرچھائیاں پھیلی تھیں۔ ابتہاج نے چونک کر اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور اسے تسلی دی۔

"میرا خیال ہے کہ وہاں جھاڑیوں میں کوئی گیدڑ ہے یا کوئی آوارہ کتا' میں دیکھتا ہوں......" وہ جیسے ہی آگے بڑھنے لگا' وریشہ نے بلا ارادہ اور بے ساختہ اس کا بازو پکڑا تھا۔

"دفع کریں' پتا نہیں کیا چیز ہو' ہم گاڑی میں جا کر بیٹھتے ہیں......" خوف کے ایک بے ساختہ قسم کے احساس کے زیر اثر اس نے بالکل لاشعوری طور پر اس کا بازو صرف ایک لمحے کو پکڑا تھا اور اگلے ہی لمحے اپنی حرکت کا احساس ہوتے ہی وہ سٹپٹا گئی۔ اس کا سرخ چہرہ ابتہاج نے بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا۔ چاند کی روشنی میں اس کے چہرے کے تاثرات بہت واضح تھے۔

"اٹس او کے......!" اس کا انداز متبسم وشریر تھا' جبکہ وریشہ خفت زدہ ہو کر خود کو اس بے اختیار حرکت پر دل ہی دل میں کوس رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر دلچسپ تھے کہ ابتہاج زور سے ہنس پڑا' جیسے کوئی پرلطف بات سنی ہو' جبکہ وہ اس کی معنی خیز ہنسی سمجھنے سے بالکل قاصر تھی۔ اچانک ہی پولیس کی گشت کی گاڑی ان کے پاس آ کر رکی تھی۔ وریشہ فوراً ہی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی تھی۔

پولیس کی گاڑی کی لائٹیں روشن تھیں' اس لئے سامنے کا منظر بالکل واضح تھا۔ وہ ان دونوں سے گفت وشنید کرنے میں مگن تھا اور وریشہ کا دل بے قابو ہو رہا تھا۔ وہ عجیب سی کیفیات میں گھر گئی تھی۔ وہ ابھی تک اس نظر کے حصار میں تھی۔ جب اس نے لاشعوری طور پر اس کا بازو پکڑا تھا۔ تب اس نے اس قدر حیرت سے اسے دیکھا تھا کہ وریشہ کو اس کے تاثرات بھلائے نہیں بھولتے تھے۔

"ہر مشکل اور ہر پریشانی کا اللہ پاک کوئی نہ کوئی حل ضرور نکال دیتا ہے' بس اللہ پر بھروسہ ہونا چاہیے......" وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بہت متوازن لہجے میں اس سے مخاطب ہوا تھا۔

وریشہ نے چونک کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ بولا۔ ''بس پانچ منٹ میں مکینک یہاں ہوگا' پولیس والے اسے لینے گئے ہیں......''

''حیرت ہے آپ نے پولیس والوں کی بات کا اعتبار کرلیا......'' اس نے آنکھیں بند کرتے ہوئے سادگی سے کہا۔

''کیوں نہیں کرنا چاہیے تھا کیا......؟'' وہ ہمہ تن گوش ہوا۔

''ظاہر ہے کہ ان کا امیج ایسا بن چکا ہے کہ اعتبار کرنا بے وقوفی ہی لگتی ہے......'' اس کا انداز خود کلامی کا سا تھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے کہ اس شعبے کے سارے لوگوں کا امیج ہی منفی ہے' ان میں اچھے لوگ کوئی نہیں......؟'' وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا' وہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

''نہیں' خیر ایسا بھی نہیں......'' وہ اب خاموشی سے اپنی دوسری انگلی میں پہنی ہوئی انگوٹھی کو بہت فرصت سے گھما رہی تھی۔

''وریشہ انصاری! زندگی گزارنے کے لئے اگر ہم مثبت رویہ اپنا لیں تو یقین کریں زندگی بہت آسان ہو جاتی ہے' اللہ انسانوں کو وہ ہی دیتا ہے جس کا وہ گمان کرتے ہیں......'' اس کی بات پر اس نے دہل کر اسے دیکھا۔

''اللہ نہ کرے' جو میں اس وقت سوچ رہی ہوں' ویسا ہو جائے......'' وہ یکدم خفگی سے بولی تھی۔ وہ اس کے اس انداز پر محظوظ ہوا۔ ''اس لئے تو کہہ رہا ہوں کہ اچھا اچھا سوچا کریں......'' اس نے مفت مشورہ دیا تھا۔

اگلے ہی پانچ منٹ میں پولیس وین واپس آ گئی تھی۔ ابتہاج نے کچھ جتاتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا جو بے اختیار جھینپ گئی تھی۔ پرانے سے کپڑوں میں جمائیاں لیتا ہوا مکینک اب انجن پر جھکا ہوا تھا۔ کوئی تھوڑا سا ہی کام تھا' وہ جیسے ہی ہاتھ جھاڑتا ہوا کھڑا ہوا۔ ابتہاج نے فوراً گاڑی اسٹارٹ کی۔ انجن اس دفعہ پوری قوت سے جاگ اٹھا تھا۔ وریشہ کے چہرے پر بڑی بے ساختہ سی خوشی جھلکی تھی۔ ''تھینکس گاڈ!'' اس نے خلوص دل سے کہا تھا۔

اگلے ہی دس منٹ میں گاڑی اب پوری رفتار سے بھاگ رہی تھی۔

''زندگی بھی گاڑی کی طرح ہوتی ہے' کبھی کبھی پریشانیوں کے کسی جھٹکے سے رک سی جاتی ہے اور ہمیں لگتا ہے کہ یہ کبھی چلے گی ہی نہیں' لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ کوئی بھی موسم چاہے وہ مایوسی

یا قنوطیت کا ہی کیوں نہ ہو' اسے بدلنا ہی ہوتا ہے۔ یہ ہی فطرت کا قانون ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''اور پتا ہے کہ غیر موافق حالات بھی اسپیڈ بریکر کی طرح ہوتے ہیں' کبھی کبھی تو اچانک ہی سامنے آ جاتے ہیں' وقتی طور پر جھٹکا ضرور لگتا ہے' لیکن کچھ ہی دیر بعد زندگی کی سڑک پھر ہموار ہو کر رواں دواں ہو جاتی ہے۔''

''آپ مجھے کیا سمجھانا چاہتے ہیں......؟'' ایک پریشانی نے بے ساختہ ہی اس کا دامن پکڑا تھا۔ وہ بری طرح گھبرائی تھی۔ ابتہاج کا قہقہہ بڑا بے ساختہ اور جاندار تھا' اس نے اس کی بات کو خاصا انجوائے کیا تھا۔

''میں تو ویسے ہی کچھ فلسفہ جھاڑنے کے موڈ میں تھا' آپ نے سارا موڈ ہی غارت کر دیا' بائی دا وے آپ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے گھبرا کیوں جاتی ہیں......''

''اس لئے کہ مجھے ٹارزن بننے کا کوئی شوق نہیں......'' اس بار وریشہ نے قدرے تحمل سے کہا۔ وہ پھر ہنس پڑا۔

''کیوں ٹارزن' انسان نہیں ہوتے کیا......؟'' وہ اسی کے انداز میں بولا تھا۔ اس کا موڈ خاصا خوشگوار ہو چکا تھا۔ حالانکہ رات کے دو بج رہے تھے۔

''پتا نہیں......'' وہ بیزاری سے بولی تھی۔

''اچھا یہ بتائیں کہ آپ نیکسٹ کس میں اسپیشلائزیشن کریں گی' خدا کے واسطے یہ مت کہیے گا کہ گائنی میں......'' اس نے میڈیکل کے حوالے سے اس سے پوچھا تھا۔

''بے فکر رہیں' میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں......'' وریشہ نے ابرو اچکا کر کہا تھا۔

''اچھا...... پھر کس میں......؟'' وہ بڑی مہارت سے گاڑی چلاتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا' وریشہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف اپنی نیند کو بھگانے کے چکر میں اس سے زبردستی گفتگو کر رہا تھا۔

''میرا ارادہ نیورولوجی میں جانے کا ہے' ہمارے ملک میں نیورو فزیشن کی تعداد بہت کم ہے......'' اس نے سنجیدگی سے کہا تھا۔

''اگر تعداد کی بات کرتی ہیں تو پاکستان میں خواتین انکولوجسٹ (ماہر سرطان) کی تعداد اس شعبے میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ کچھ سال پہلے ایک سروے ہوا تھا اور مجھے سخت حیرت ہوئی کہ پاکستان میں اس وقت صرف چھ خواتین تھیں......'' وہ بھی حد درجہ سنجیدہ تھا۔ وریشہ نے

چونک کر اسے دیکھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ، اصل میں خواتین ڈاکٹرز کی ایک بڑی تعداد گائنی میں چلی جاتی ہے، لیکن اب ٹرینڈ تبدیل ہو رہا ہے، اب تو لڑکیاں ان شعبوں میں بھی نظر آتی ہیں جو پہلے صرف مردوں کے لئے مخصوص سمجھے جاتے تھے۔ اب تو آرتھوپیڈک شعبے میں بھی کافی لڑکیاں دیکھائی دینے لگی ہیں......" وریشہ نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ پھر کچھ یاد آنے پر بولی۔

"آپ کیا کرتے ہیں......؟"

"کچھ خاص نہیں، بس زندگی گزار رہے ہیں......" وہ بہت عاجزی سے بولا تھا۔

"کیا کوالیفکیشن ہے آپ کی......؟" وہ سادہ سے انداز میں گویا ہوئی۔

"ایک نالائق بندے کی کیا کوالیفکیشن ہو سکتی ہے......؟" اس نے صاف ٹالا تھا۔

"خیر نالائق تو آپ نہیں ہو سکتے......" اس نے سامنے لمبی سڑک کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں......؟" وہ ہنسا اور دلچسپی سے پوچھا۔

"اس لئے کہ میرے بابا، نالائق لوگوں کو کوئی لفٹ نہیں کرواتے۔" اس کے شرارتی انداز پر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا تھا۔ وریشہ نے بوکھلا کر اس کی شکل دیکھی۔

"خیر ایسی بھی کوئی بات نہیں، میں واقعی بہت نالائق تھا، ارسلہ کے نوٹس پڑھ پڑھ کر پاس ہوتا رہا ہوں۔" اس نے بڑی مہارت سے موڑ کاٹتے ہوئے کہا تھا۔ اس کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔ وریشہ کو پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ اس کی آنکھیں ناصی چمکدار اور روشن ہیں۔

"یہ بات تو میں مر کر بھی نہیں مان سکتی، کیونکہ ارسلہ اپنے نوٹس دینے کے معاملے میں بہت پکی ہے۔ وہ اپنا لکھا ہوا ایک لفظ بھی کسی سے شیئر نہیں کرتی۔ اس معاملے میں وہ بہت بدلحاظ ہے۔" اس کی صاف گوئی پر ابتہاج نے باقاعدہ مڑ کر اسے دلچسپی سے دیکھا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کئے بہت اطمینان سے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ بے تحاشا خوبصورت تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے سنگ مرمر سے تراشے ہوئے ہوں، ابتہاج کچھ لمحوں کے لئے اس کے ہاتھوں سے نظریں ہٹانا بھول گیا تھا۔ گاڑی ایک دم ہی اچھلی تھی۔

"سوری میں نے اسپیڈ بریکر دیکھا نہیں......" وہ اپنا سر سہلاتے ہوئے ایک دم شرمندہ ہوا تھا۔ وریشہ نے بمشکل اپنی ہنسی کو روکا تھا۔

"ایسے ہی اسپیڈ بریکرز کی کچھ دیر پہلے آپ بات کر رہے تھے ناں، جو زندگی میں بھی اچانک آ جاتے ہیں، لیکن دیکھ لیں کچھ دیر کے لئے حواس باختہ تو کر دیتے ہیں ناں......" اس کے باقاعدہ جتانے پر وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔ اس کا اب سارا دھیان ڈرائیونگ کی طرف تھا۔

"آپ اگر تھک گئی ہیں تو سیٹ کو پیچھے کر کے ریسٹ کر لیں۔ میری ٹینشن نہ لیں، میری نیند اڑ گئی ہے۔ اب میں آرام سے ڈرائیونگ کر سکتا ہوں۔" وہ بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھے بغیر کہہ رہا تھا۔

"اٹس او کے......!" وریشہ نے تھوڑا سا سیٹ کو ریلکس کیا۔ وہ اب کیسٹ پلیئر چلا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی میں مغنیہ کی آواز گونج رہی تھی۔ "ہم کہ ٹھہرے اجنبی، کتنی مداراتوں کے بعد، پھر بنیں گے آشنا، کتنی ملاقاتوں کے بعد۔"

وہ آواز کے سوز اور شاعری کو غور سے سن رہی تھی، باہر بالکل سناٹا تھا، سڑک پر اکا دکا ٹریفک تھی، اس لئے وہ پوری قوت سے گاڑی کو دوڑا رہا تھا۔ اس نے سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا کر ٹانگیں احتیاط سے قدرے پھیلا لی تھیں۔ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ شاید کوئی تیسری غزل تھی، جب اس کی آنکھ لگ گئی اور کچھ ہی دیر بعد وہ گہری تھکن کے احساس کے تحت نیند کی وادیوں میں کھو چکی تھی۔ مختلف گاڑیوں کے ہارن اور شور کی آوازوں سے اس کی آنکھ کھلی تو وہ سٹپٹا گئی۔ چمکدار دن پوری آب و تاب کے ساتھ نمودار ہو چکا تھا۔ باہر اچھی خاصی دھوپ تھی۔

وہ گاڑی ایک پٹرول پمپ پر روک چکا تھا۔ "سامنے واش روم ہیں، آپ فریش ہو جائیں......" ابتہاج کی آواز سے وہ ایک دم ہوش کی دنیا میں آئی تھی اور اسے فوراً احساس ہوا تھا کہ وہ کہاں ہے، تبھی وہ ہڑبڑا کر ٹھیک ہو کر بیٹھ گئی۔ "آپ نے مجھے اٹھایا ہی نہیں......" اس نے شرمندگی سے وقت دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اٹھ کر کیا کرنا تھا......" اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا، ٹھٹکا، اور چند لمحوں کے لئے اس کے خوابیدہ حسن سے نظریں ہٹانا ہی بھول گیا۔ اس نے اپنے آپ سے خائف ہوتے ہوئے بمشکل نظریں ہٹائی تھیں اور فوراً ہی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

وریشہ بھی اس کے پیچھے ہی باہر نکل آئی۔ اس پٹرول پمپ کے واش روم خاصے صاف

ستھرے تھے۔ اس لئے اس نے اطمینان سے نہ صرف منہ ہاتھ دھویا بلکہ برش بھی کیا تھا۔ اسے باہر نکل کر اچھی خاصی گرمی کا احساس ہوا تھا۔ دھوپ میں خاصی تپش تھی۔ وہ گاڑی میں آ کر بیٹھی تو اس نے دیکھا وہ دو ڈسپوزیبل کپوں میں گرما گرم چائے لئے بیٹھا تھا۔ دریشہ نے آرام سے چائے کا کپ پکڑ کر منہ سے لگا لیا تھا۔ چائے اس کی کمزوری تھی۔

"کتنا سفر رہ گیا اب......؟" وہ اطمینان سے پوچھ رہی تھی۔

"ہم ملتان پہنچ چکے ہیں' اب گاؤں کی طرف جا رہے ہیں' مزید ایک گھنٹہ اور لگے گا۔" اس نے رسٹ واچ پر ٹائم دیکھتے ہوئے کہا۔ اگلے ہی پانچ منٹوں بعد وہ اپنا سفر شروع کر چکے تھے۔ اسی وقت بابا کی غیر متوقع کال نے اس کے اندیشے کافی حد تک دور کر دیئے تھے۔ وہ اب خاصی مطمئن تھی۔

❖❖❖

ان کی زبان وہ سمجھ نہیں سکتی تھی' لیکن محبت اور اشاروں کی زبان اس کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ گاؤں میں بلند و بالا حویلی نما بڑے سے گھر میں پہنچتے ہی اس کا بہت والہانہ استقبال ہوا تھا۔ وہیں چل کر اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ اسے لے کر اپنے گھر آیا ہے' اس سے پہلے تو وہ یہ ہی سمجھتی رہی تھی کہ بابا کے کسی دوست کے گھر میں چھوڑنے جا رہا ہے' لیکن حویلی میں پہنچتے ہی اس کی غلط فہمی دور ہو گئی تھی۔ اس کی آمد کی پہلے سے ہی اطلاع تھی۔ اس لئے خاصے جوش و خروش سے سب اس سے ملے تھے۔ ان کی زمینوں پر کام کرنے والے مزارعوں کے گھروں کی خواتین اس کے اردگرد جمگھٹا لگائے کھڑی تھیں۔ وہ تو اس بڑے سے صحن والی حویلی کے بہت سے کمروں میں کہیں گم ہو چکا تھا۔ اس کے اردگرد کھڑی دیہاتی عورتیں اسے انتہائی محبت اور اشتیاق سے دیکھ رہی تھیں۔

"اسے آپ لوگوں کی بولی سمجھ نہیں آتی' اس لئے آپ لوگ اپنا وقت ضائع نہ کریں......" وہ تولیے سے بال خشک کرتا ہوا باہر آیا تھا اور اب ہنستے ہوئے ان خواتین کو سرائیکی میں چھیڑ رہا تھا۔ وہ ابھی ابھی شاور لے کر آیا تھا' اس لئے خاصا فریش تھا۔

"پیار کی بولی جو بھی ہو اگر بندہ قدر کرنے والا ہو تو سمجھ ہی لیتا ہے......" بڑے سارے سبز لکڑی کے تخت پوش پر لیٹیں بے بے نے محبت بھرے انداز میں کہا تھا۔ وہ خاصی بیمار تھیں۔ اس کا اندازہ دریشہ کو فوراً ہی ہو گیا تھا۔ وہ بالکل ان کے پاس بیٹھی تھی۔

"آپ کو ان کی سمجھ آ رہی ہے......" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا' وہ اپنے گھر آ کر خاصا خوش تھا۔

"بس کچھ کچھ لفظوں کی سمجھ آ رہی ہے اور کچھ کی نہیں......" اس نے بے بسی سے اعتراف کیا۔

"اچھا' یہ تو پتا چل رہا ہے ناں کہ آپ کی آمد ان کے لئے خوشی کا باعث بن رہی ہے......"

"ہاں اس کا تو پتا چل رہا ہے کہ سب بہت پیار کرنے والے لوگ ہیں......" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

"آپ کو پتا ہے' ابھی بے بے کہہ رہیں تھیں کہ پیار کی بولی سب کی سمجھ میں آ جاتی ہے......" اس نے ہنستے ہوئے انکشاف کیا۔

"رئیلی......؟" اس نے ہنستے ہوئے اماں کا کمزور اور ضعیف سا ہاتھ تھاما تو ان کے چہرے پر بڑی خوبصورت روشنی پھیلی تھی۔ وہ سرائیکی میں ابتہاج سے کچھ کہہ رہیں تھیں......

"کیا کہہ رہی ہیں......؟" دریشہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ان کو اس چیز کی بہت خوشی ہے کہ آپ ڈاکٹر ہیں۔ کہہ رہی ہیں کہ سب خواتین کو آپ سے ملوائیں گی۔ انہوں نے میری چھوٹی بہن کو ساتھ والے گاؤں سے بلوانے کے لئے بندہ بھی بھیج دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ آپ کو بہتر کمپنی دے سکتی ہے۔" وہ اب سامنے بیٹھا بڑے ذوق و شوق سے لسی کا بڑا سا گلاس تھامے پی رہا تھا۔ اماں کو اور وہاں موجود خواتین کو اردو تو سمجھ آ رہی تھی لیکن بولنے سے ہچکچا رہی تھیں۔ صرف ابتہاج کی بوا تھیں جو بلا جھجک ٹوٹی پھوٹی ہی سہی لیکن بہت اعتماد کے ساتھ اس سے بول رہی تھیں۔ اماں نے بھی کچھ چھوٹے چھوٹے سے سوالات کئے تھے۔

"اوہ آپ کی بہن کہاں رہتی ہیں؟" اس نے ویسے ہی پوچھا تھا۔

"اس کی چھ ماہ پہلے ساتھ والے گاؤں میں شادی ہوئی ہے۔ وہ ہر ہفتے چکر لگاتی رہتی ہے......" وہ جگ سے ایک اور گلاس لسی کا بھر رہا تھا۔

"ہماری والدہ بہت سادہ خاتون ہیں' لیکن پڑھے لکھے لوگوں کی بہت قدر کرتی ہیں۔" اس کے لہجے میں اپنی والدہ کے لئے حد درجہ عقیدت اور لگاؤ تھا۔ اس کے سامنے ناشتے کی

ٹرے لگا دی گئی تھی۔ وہ اتنا بھاری ناشتہ دیکھ کر گھبرا گئی' "میں اتنا ہیوی ناشتہ نہیں کرتی......" اس نے دیسی مرغ کا گھی میں تربتر سالن اور پراٹھے دیکھ کر کہا تھا۔

"کوئی بات نہیں' سادہ روٹی بھی ہو گی......" ابتہاج نے اس کی مشکل آسان کی۔ وہ تھوڑی سی آلو کی بھجیا نکال کر سادگی سے کھا رہی تھی۔ اماں بار بار اس سے کچھ اور لینے کا اصرار کر رہی تھیں۔ وہ تکیے کے ساتھ ٹیک لگا کر بمشکل بیٹھی تھیں۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ مہمان خانے میں چلی گئی' شاور لے کر اس نے اے سی آن کیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ خاصی گہری نیند میں تھی۔ گھریلو ملازمائیں کئی دفعہ اسے آ کر دیکھ چکی تھیں۔

شام میں جب وہ اٹھی تو ایک بھرپور نیند کے بعد وہ خاصی تروتازہ ہو چکی تھی۔ بالوں میں برش کر کے وہ باہر آئی تو ایک خوبصورت شام اس کی منتظر تھی۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے باہر نکلی تو بڑے سارے صحن کے اردگرد بنے بڑے بڑے برآمدے اور ان میں چارپائیاں بچھا کر بڑے اہتمام سے سفید چادریں بچھائی گئی تھیں۔ ان پر مختلف خواتین بے تکلفی سے بیٹھی ہوئی تھیں۔ برآمدے کے ایک کونے میں بنے تندور میں آگ دہک رہی تھی اور دو خواتین بہت مہارت سے اس میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ اس نے پہلی دفعہ غور سے صحن میں لگے جامن کے بڑے سے درخت کو دیکھا' جس پر موسم کا پھل لگ چکا تھا۔ صحن کے ایک طرف بے شمار کیاریاں تھیں اور ان میں موسم کی سبزیاں لگی ہوئی تھیں۔ وریشہ کو باہر آتے دیکھ کر سب نے تجسس سے اسے دیکھا' ان سب کے کام کرتے ہاتھ ایک منٹ کو ساکت ہوئے تھے۔ وہ کچھ سوچ کر اماں کی بڑی ساری چارپائی کی طرف آئی' انہوں نے بہت محبت سے اسے دیکھا تھا۔ اس نے جھک کر سلام کیا تو انہوں نے لیٹے لیٹے اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ محبت کی اس تاثیر کو اس نے دل تک محسوس کیا تھا۔ وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ اس نے ان کے بازو کو ہاتھ لگایا تو وہ چونک گئی۔

"آپ کو بخار ہے......؟" اس نے تشویش زدہ انداز سے پوچھا۔ وہ پھیکے سے انداز کے ساتھ مسکرا دیں۔

"السلام علیکم! آپ وریشہ ہیں ناں......؟" کوئی ایک دم پیچھے سے آ کر بولا تھا۔ وریشہ نے بے ساختہ مڑ کر گلابی رنگ کے خوبصورت سے لان کے سوٹ میں ملبوس' اس نازک سی لڑکی کو دیکھا۔ اس کے انداز میں بچوں کی سی سادگی اور بے ساختگی تھی۔ وریشہ نے مسکرا کر اس کے خوبصورت نقوش کو دیکھا' وہ جھینپ گئی۔

"سوری' مجھے تابندہ کہتے ہیں' میں ابتہاج بھائی کی چھوٹی بہن ہوں......" وہ بہت شائستگی سے اپنا تعارف کروا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بڑی چمک اور ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی۔

"اوہو نائس ٹو میٹ یو......!" وریشہ کو اسے دیکھ کر حقیقتاً خوشی ہوئی تھی۔ "مجھے وریشہ کہتے ہیں......" اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔

"وریشہ نہیں' ڈاکٹر وریشہ انصاری......" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے تابندہ نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"کوئی فرق نہیں پڑتا' اس سے......" اس نے سادگی سے کہا۔

"بہت فرق پڑتا ہے جناب! اتنی محنت سے تو ڈاکٹر بنتے ہیں' پھر نام کے ساتھ بھی نہ لگائیں تو کیا فائدہ......؟" وہ خاصے دوستانہ مزاج کی حامل تھی۔ وریشہ کو ایک منٹ میں اس چیز کا اندازہ ہو گیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ......؟" بھائی کو آپ کی بہت ٹینشن تھی۔ اس لئے خود ہی لینے آ گئے' ان کو ڈیوٹی پر جانا تھا' اس لئے فوراً ہی نکل گئے۔"

"کہاں چلے گئے......؟" اسے سخت حیرت ہوئی۔

"سرگودھا' آج کل ان کی وہیں پوسٹنگ ہے ناں......" وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔ جب کہ مزید تفصیل جاننا اس نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس لئے اس موضوع پر مزید بات نہیں کی۔

"کون کون رہتا ہے یہاں......؟" اس نے اندر پھیلتی مایوسی کو چھپانے کے لئے ویسے ہی پوچھا۔

"پہلے تو بہت سارے لوگ تھے' چچا کی فیملی تھی' ان کے دو بچے تھے اور وہ دونوں ناروے میں سیٹل ہو گئے' چچی کا انتقال ہو گیا تو چچا بھی چلے گئے۔ اب یہاں اماں کے ساتھ پھپھو اور پھپھا ہوتے ہیں۔ ان کے بچے نہیں ہیں' اس کے علاوہ کچھ مزارعے ہیں' ان کو پچھلے صحن کی طرف گھر بنا کر دیئے ہوئے ہیں' جبکہ ہمارے بابا کی وفات کو بھی اب تو پانچ سال ہو چکے ہیں۔ زمینوں کا حساب کتاب پھپھا جی سنبھالتے ہیں۔" اس نے تفصیل سے بتایا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے صحن میں بنی کیاریوں کے پاس آ گئی تھیں۔ وریشہ نے پھولوں کی ایک ٹہنی

پر بیٹھی اداس سی تتلی کو دیکھا۔

''آپ دو بہنیں ہیں ناں......؟'' وہ اشتیاق سے پوچھ رہی تھی۔

''ہوں......!'' ایک اداس سی مسکراہٹ نے اس کے ہونٹوں کا احاطہ کیا تھا۔

''بھائی اکثر آپ لوگوں کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ خصوصاً آپ کے بابا سے وہ بہت متاثر ہیں۔ وہ بہت محبت سے بتا رہی تھی۔ وہ دونوں چلتے چلتے گھر کے پیچھے بنے بڑے سارے صحن میں آ گئی تھیں۔ یہاں چار پانچ بھینسیں اور کافی ساری بکریاں بندھی ہوئی تھیں۔ وریشہ نے کونے میں بنے ٹیوب ویل کو بہت دلچسپی سے دیکھا۔ وہ چل رہا تھا۔ سفید شفاف پانی ایک منہ زور جھرنے کی طرح بہہ رہا تھا۔ وہ بے اختیار سیمنٹ کے بنے بڑے سارے حوض پر بیٹھ گئی۔ ہاتھوں کی اوک میں پانی بھرتے ہوئے اس نے تابندہ سے یونہی پوچھا۔ ''تم سارا دن گھر میں کیا کرتی ہو......؟''

''آدھا دن تو میرا کالج میں گزر جاتا ہے......'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کالج میں؟ پڑھ رہی ہو؟'' وریشہ نے ہتھیلیوں میں پانی بھر کر اپنے چہرے پر اچھالا۔

''نہیں، پڑھا رہی ہوں......'' وہ کھلکھلا کر ہنسی اور وریشہ نے سخت بے یقینی سے اسے دیکھا۔ ''تم لیکچرر ہو......؟''

''ہاں، کیوں لگتی نہیں ہوں کیا......؟'' اس کی آنکھوں میں مسرت کا احساس بڑا فطری سا تھا۔

''بالکل بھی نہیں، کون سا سبجیکٹ ہے تمہارا؟'' وریشہ نے تجسس سے پوچھا۔

''انگلش لٹریچر......'' وہ اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''اچھا، کہاں سے کیا ماسٹرز......؟''

''ماسٹرز میں نے پنجاب یونیورسٹی سے کیا تھا......'' وہ خوشدلی سے بتا رہی تھی۔

''ویری نائس......!'' وریشہ نے کھلے دل سے اسے سراہا تھا۔ ''ویسے مجھے توقع نہیں تھی......'' اس نے صاف گوئی سے کہا تھا، وہ ایک دفعہ پھر پانی اب فضا میں اچھال رہی تھی۔

''ہاں ہمارے گاؤں کو دیکھ کر آپ نے اندازہ لگایا ہوگا۔ ہم لوگ آج کے دور میں بھی بہت پیچھے ہیں۔ یہاں ابھی تک صرف ایک پرائمری سکول ہے، کوئی ہسپتال نہیں۔ ہم لوگ بہت سی بنیادی سہولیات سے محروم ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ پھر بھی ہزاروں اور لاکھوں لوگوں

سے بہتر ہیں۔'' وہ خاصی قناعت پسند تھی، وریشہ کو ابھی ابھی اس چیز کا اندازہ ہوا تھا۔

''ہاں خالص آب و ہوا میں رہنے والے خالص لوگ ہیں ناں۔'' وریشہ نے ٹھنڈے پانی سے کھیلتے ہوئے کہا۔ وہ ٹیوب ویل کے پانی سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔

''اس میں تو کوئی شک نہیں......'' تابندہ کھلکھلائی۔ وہ بھی اس کے سامنے آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس نے شلوار تھوڑی سی اوپر کر کے پاؤں پانی میں ڈبو لئے تھے۔ ٹھنڈا اور یخ پانی خاصی طمانیت کا باعث بن رہا تھا۔

''اس گاؤں میں رہتے ہوئے تم لوگوں نے کیسے پڑھ لیا......'' وریشہ کی بڑی بڑی بادامی آنکھوں میں خاصی حیرانی تھی۔

''مت پوچھیں۔ اماں نے ہماری خاطر کتنے محاذوں پر جنگیں لڑیں۔ بھائی کی اسٹڈی کے لئے تو ابا خود ہی بہت کونشس تھے، ان کو تو انہوں نے قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ امریکہ بھجوایا، جبکہ خود بھی تحصیلدار تھے اور گریجویٹ تھے، لیکن گاؤں کے ماحول اور خاندان کے رسم و رواج کی وجہ سے ہمارے معاملے میں کچھ ہچکچاہٹ کا شکار ہو گئے۔''

''اچھا، پھر کیا ہوا......؟'' وریشہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ہونا کیا تھا، اماں میدان میں اتر آئیں۔'' تابندہ کی آنکھوں کی روشنی میں ایک دم ہی اضافہ ہوا تھا۔ ''دھان پان سی اماں بس دیکھنے میں ہی کمزور سی لگتی ہیں، لیکن اپنے ارادوں کی حد درجہ مضبوط اور ثابت قدم ہیں۔ ابا کی ان کے سامنے ایک نہیں چلی، ان کا کہنا تھا کہ اگر ابتہاج پڑھائی کے لئے ہوسٹل میں رہ سکتا ہے تو میری بیٹیوں کو کیا کانٹے لگے ہوئے ہیں......''

''اوہ ویٹس گریٹ......!'' اسے حقیقتاً سن کر خوشی ہوئی تھی۔ ''اس کے بعد کیا ہوا......؟''

''اس کے بعد ہم دونوں بھی بھائی کے پیچھے مری میں کانوینٹ میں پہنچ گئیں......'' تابندہ کھلکھلا کر ہنسی۔

''اوہ مائی گاڈ......! مجھے یقین نہیں آ رہا......'' وریشہ نے سخت تعجب سے اسے دیکھا جو خاصی زندہ دل لڑکی تھی اور اب بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ''کسی کو بھی یقین نہیں آیا تھا۔ پورے خاندان کے لوگ ہر دفعہ جب ہم چھٹیوں پر گھر آتے تو ہمیں دیکھنے کے لئے ایسے آتے تھے، جیسے کوئی عجوبہ دیکھنے آتا ہے۔ بھائی کا پڑھنا تو عام سی بات تھی، لیکن ہم لڑکیوں کا ہوسٹل میں رہ کر پڑھنا سب کو بہت مشکل سے ہضم ہوا تھا۔ اماں بیچاری نے ہماری خاطر بہت

تلخ جملے سہے اور ان کو صبر سے برداشت کیا۔ ہم دونوں نے بھی اماں کے اس اعتماد کو کہیں ٹھیس نہیں پہنچائی......'' اس کے لہجے میں ہلکا سا فخر جھلکا تھا۔

'' سائرہ نے نشتر میڈیکل کالج ملتان سے ایم بی بی ایس کیا اور آج کل اپنے میاں کے ساتھ نیوزی لینڈ میں ہوتی ہے۔ اس نے گائنی میں اسپشلائزیشن کی تھی۔ جب بھی گاؤں آتی ہے، اماں سارے گاؤں کی خواتین کا مفت میں چیک اپ کرواتی ہیں، چاہے کسی کو کوئی مسئلہ ہو یا نہ ہو......'' تابندہ کی اس بات کو وریشہ نے خوب انجوائے کیا تھا۔

'' دیکھ لیجئے گا، صبح سے آپ کے ساتھ بھی یہی ہوگا......'' وہ ہنستے ہوئے اسے ڈرا رہی تھی۔

'' اچھا......؟'' لیکن میرا تو یہ آخری سال ہے، ابھی مجھے ڈگری بھی نہیں ملی......'' وریشہ نے گڑبڑا کر کہا۔

'' بے شک نہ ملی ہو، یہ اماں کا مسئلہ تھوڑی ہے......'' تابندہ نے اسے مزید ڈرایا، جبکہ وہ اس کے لہجے میں شرارت کی فراوانی سے سمجھ گئی تھی کہ وہ محض اسے تنگ کر رہی ہے۔

وہ دونوں باتیں کرتی ہوئی اندر والے حصے میں آ گئی تھیں۔ مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ گھر میں خواتین کا جمگھٹا کم ہوگیا تھا، کھانا بن چکا تھا۔ ایک ملازمہ اماں کو ان کی چارپائی پر ہی وضو کروا رہی تھی۔ ان دونوں کو دیکھ کر ان کے چہرے پر بڑی شفیق سی مسکراہٹ دوڑی تھی، ایسی مسکراہٹ جو سامنے والے کو خاصی تقویت دیتی تھی۔

'' ہیپاٹائٹس کی وجہ سے اماں کا جگر کافی حد تک خراب ہو چکا تھا۔ کافی دیر بعد علم ہونے کی وجہ سے اس بیماری نے ان کو کافی نقصان پہنچا دیا ہے، اب بھی علاج تو ہو رہا ہے، لیکن ہر وقت ان کی وجہ سے ہم تینوں بہن بھائی بہت اپ سیٹ رہتے ہیں۔'' تابندہ نے ان کے سامنے پڑی چارپائی پر بیٹھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

'' اوہ ٹیسٹ وغیرہ کروائے ہیں......؟'' وریشہ کے چہرے کے تاثرات بھی بڑی تیزی سے تبدیل ہوئے تھے۔

'' سب کچھ کروایا ہے، کچھ عرصہ یہ لاہور بھی ایڈمٹ رہی ہیں، لیکن ہسپتال کے ماحول سے یہ بہت گھبراتی ہیں، اس لئے مجبوراً ہمیں یہاں لانا پڑا۔ پرسوں میں بھی میاں کے ساتھ پندرہ دن کے لئے عمرہ کرنے جا رہی ہوں، ہم لوگ ان کی وجہ سے پریشان تھے۔ بھائی نے شاید آپ کے بابا کے سامنے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو بھجوا دیتے ہیں۔ بھائی نے تو بہت منع کیا تھا، وہ خاصے شرمندہ بھی ہو رہے تھے، لیکن......'' وہ خاصی خفت محسوس کر رہی تھی۔

'' اوہ آئی سی......!'' وریشہ کو ڈھیروں وزن اپنے اعصاب سے اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے ایک دم ہی بابا پر بے انتہا غصہ آیا تھا کہ اگر ایسی کوئی بات تھی تو وہ اسے صاف صاف بھی بتا سکتے تھے، اس طرح ''پراسرار'' طریقے سے بھجوانے کی بھلا کیا تک بنتی تھی اور وہ موصوف بھی سارے راستے منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہے۔ دنیا جہان کی باتیں کر لیں، لیکن اصل بات کو دل کے پنجرے سے باہر نہیں نکالا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس قدر رازداری رکھنے پر بابا سے لڑنے کے منصوبے بنا رہی تھی، جبکہ اس کی خاموشی سے گھبرا کر تابندہ شرمندگی سے وضاحت دے رہی تھی۔

'' اصل میں سائرہ بھی یہاں نہیں ہے اور باقی خاندان میں کوئی بھی لڑکی پڑھی لکھی نہیں، کچھ دن پہلے پھپھو بیچاری نے کچھ غلط قسم کی میڈیسن بھی اماں کو دے دی، اندازے سے، جس سے خوب مسئلہ ہوا، تب سے بھائی بہت ڈر گئے ہیں۔''

'' اٹس او کے یار......نو پرابلم، تم ٹینشن نہ لو......'' وریشہ نے اس کی الجھن دور کرتے ہوئے تسلی دی۔'' مجھے بابا نے بتایا تھا......'' اس نے اس کا دل رکھنے کو غلط بیانی کی تو وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

'' تھینکس گاڈ! اصل میں، میں اور سائرہ تو بہت ڈرے ہوئے تھے۔ سائرہ کو بھی چھٹی نہیں مل رہی تھی، ورنہ وہ پاکستان آ جاتی، جبکہ میرے میاں بھی آج کل ہی فارغ تھے۔'' وہ ابھی بھی وضاحت دے رہی تھی۔

'' کیا ہوگیا ہے تابندہ......؟ میں نے کہا ناں اٹس او کے......!'' وریشہ نے اس کا ہاتھ دبا کر بہت محبت اور خلوص سے کہا تھا، جبکہ تابندہ یک ٹک وریشہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔'' کیا ہوا......؟'' وریشہ نے گھبرا کر پوچھا۔

'' کچھ نہیں اماں کہہ رہی تھیں کہ تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں، میں نے بھی ابھی ابھی دیکھا تو مجھے ان کی بات کا یقین آیا۔ بہت چمکدار اور دن کی روشنی کی طرح روشن اور بہار کی صبح کی طرح اجلی۔'' اس کی بات پر وریشہ بری طرح جھینپ گئی۔ اس کے رخساروں پر شرم کی سرخی بہت تیزی سے پھیلی تھی۔ تابندہ نے بہت دلچسپی سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

وہ اگلا دن اس کے ساتھ رہی تھی' اس نے ایک لمحے کے لئے بھی وریشہ کو بور ہونے نہیں دیا تھا۔ وہ اپنے اڑوس پڑوس میں رہنے والے رشتے داروں کے گھر اور زمینوں پر بھی لے کر گئی تھی۔ وریشہ نے کافی عرصے کے بعد خوب کھل کر انجوائے کیا تھا۔ ان کے پڑوس میں رہنے والی ایک دو لڑکیوں کو اردو سمجھ میں آتی تھی اور وہ کچھ نہ کچھ بول بھی لیتیں تھیں۔ تابندہ نے ان کی ڈیوٹی لگائی تھی کہ وہ کچھ نہ کچھ دیر ان کے گھر کا چکر لگاتی رہیں۔ تابندہ کے جانے کے بعد گھر میں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ ملے گلے کی خاصی شوقین تھی۔ اس کے جانے کے بعد وریشہ نے بابا کو کال کرنے کی کوشش کی' ان کا نمبر بند جا رہا تھا۔ کچھ ان کے گاؤں میں سیل فون کے سگنلز کا کافی مسئلہ تھا۔ سگنلز ایک دم ہی غائب ہو جاتے تھے۔ یہ چیز اسے خاصی جھنجھلاہٹ کا شکار کر رہی تھی۔

ابتہاج جو اس دن کا گیا پھر لوٹ کر نہیں آیا تھا' البتہ اماں کے سیل فون پر اس کا صبح و شام فون باقاعدگی سے آ رہا تھا۔ وہ بھی اماں کو کبھی اس کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی تو کبھی وہ وہاں سے شور مچا رہا ہوتا تھا کہ آواز نہیں آ رہی۔ ایک دن سائرہ کی بھی نیوزی لینڈ سے کال آ گئی۔ اس دن خوش قسمتی سے سگنل کافی آ رہے تھے۔ اس لئے دونوں طرف کی بات سمجھ آ رہی تھی۔ اماں گول تکیے سے ٹیک لگائے بہت محبت اور شفقت سے اپنی زبان میں بہت روانی سے اس سے گفتگو کرنے میں مگن تھیں' جس کو سمجھنے سے وریشہ بالکل قاصر تھی۔ ایک آدھ لفظ ہی پلے پڑ رہا تھا۔ اماں نے بات کرتے کرتے سیل فون اس کی طرف بڑھایا تو وہ چونک گئی۔ دوسری طرف سائرہ بہت محبت اور بے تکلفی سے اس کا حال احوال پوچھ رہی تھی۔

"تم سے تو ملاقات نہیں ہو سکی' لیکن ایک دفعہ ارسلہ سے لاہور میں بھائی نے ملوایا تھا۔ وہ بہت مزے دار لڑکی ہے......" سائرہ ہنستے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وریشہ اس کی بات پر ہکا بکا رہ گئی۔ یہ تینوں بہن بھائی ہی اسے قدم قدم پر چونکا رہے تھے۔

"اچھا کب کی بات ہے یہ......؟" وہ اس کے "مزے دار" والے کمنٹس سے لطف اندوز ہوتے ہوئے حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ آج سے تین سال پہلے جب میں شادی کی شاپنگ کرنے لاہور آئی تھی' تب بھائی اور ارسلہ نے خوب مجھے لبرٹی' اور ریگا اور فورٹریس میں گھمایا تھا' تمہاری ماما نے مجھے شادی کا لہنگا پسند کرنے میں خاصی مدد دی تھی۔ تمہارے گھر میں بھی آئی تھی' لیکن تم ان

دنوں راولپنڈی تھیں۔" وہ بہت مزے سے کہہ رہی تھی۔

"اچھا مجھے اس کا علم نہیں......" اس نے شرمندگی سے کہا' ویسے بھی ماما اور ارسلہ کا ملنا ملانا خاصا تھا' دونوں ہی اس معاملے میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں' جبکہ وہ حد درجہ تنہائی پسند اور اپنے آپ میں مگن رہتی تھی۔

"تمہاری ماما کے انتقال کا مجھے بھائی نے بتایا تھا' میں اس وقت بھی نیوزی لینڈ میں تھی' یقین مانو کہ بہت دل دکھا کہ اس قدر خوبصورت اور پروقار خاتون تھیں کہ کوئی ان کو بھلا ہی نہیں سکتا......" وہ بہت دل سے کہہ رہی تھی۔

"ہاں ماما کی ڈیتھ کا تو ہمیں بھی ابھی تک یقین نہیں آتا۔ ایسے لگتا ہے کہ اپنے ڈیپارٹمنٹ گئی ہیں اور شام کو یونیورسٹی سے گھر آ جائیں گی......" وہ افسردہ سے انداز سے گویا ہوئی۔ دوسری طرف شاید سائرہ نے بھی اس کی رنجیدگی کو محسوس کر لیا تھا' تبھی بات کو دانستہ پلٹتے ہوئے قدرے رازدانہ مگر شریر انداز میں بولیں...... "ویسے تم دیکھنے میں کیسی ہو؟ میں نے بھائی سے پوچھا تھا کہ کیا ارسلہ کی طرح خوبصورت ہے؟" بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں' اس سے زیادہ خوبصورت ہے' بالکل میڈم شائستہ کی طرح......" سائرہ کی بات پر وریشہ کا دل ایک لمحے کو بے ہنگم انداز میں دھڑکا تھا۔

دوسری طرف وہ اس کے جھینپ کر ہنسنے پر کھلکھلا کر ہنس رہی تھی...... "اماں تمہاری بہت تعریف کر رہی تھیں اور بوا بھی' کہہ رہی تھیں کہ بہت خیال رکھ رہی ہے اور وقت پر میڈیسن دیتی ہے اور صبح شام ٹمپریچر بھی چیک کرتی ہے' میں نے تو ان کو سنجیدگی سے ایک مشورہ دیا ہے......"

اپنی بات کر کے وہ ایک لمحے کو رکی...... "پتا ہے کیا......؟"

"کیا......؟" وریشہ نے سنبھل کر پوچھا' اتنا تو اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تابندہ کے مقابلے میں خاصی پراعتماد بھی ہے اور صاف گو بھی' بغیر کسی لگی لپٹی کے بات کرنے والی۔

"یہی کہ بھائی کے لئے کوئی ڈاکٹر لڑکی ہی ڈھونڈ لیں' فائدے میں رہیں گے۔" وہ ایک دفعہ پھر بلند آواز میں ہنس رہی تھی۔ "تمہاری کوئی کولیگ وغیرہ ہو تو مجھے ضرور بتانا......" وہ خاصی بے تکلفی سے کہہ رہی تھی۔

"جی ضرور......!" وریشہ اس سے زیادہ بھلا کیا کہتی' اس لئے چپ رہی۔

”ویسے تم ارسلہ کے مقابلے میں بہت کم گو سی لگ رہی ہو‘ اماں بھی بتا رہی تھیں کہ فالتو باتیں نہیں کرتی ہو‘ میں نے کہا‘ یہ بھی ٹھیک ہے‘ لیکن آپ کی زبان ہی اس بیچاری کو نہیں آتی تو وہ کیا بات کرے۔“ سائرہ کے سو فیصد درست اندازے پر وریشہ کو خاصی حیرت ہوئی تھی۔ اس کا مشاہدہ خاصا تیز تھا‘ جو اتنی دور بیٹھ کر بالکل ٹھیک ٹھاک اندازے لگا رہی تھی۔

”نہیں‘ ایسی بھی کوئی بات نہیں‘ پڑوس سے نائلہ لوگ آ جاتے ہیں‘ ان سے گپ شپ لگتی رہتی ہے......“ اس کی سادہ سی بات پر وہ بری طرح چونکی۔

”نائلہ کی بڑی بہن سدرہ تو نہیں آتی ہو گی......؟“ اس نے قدرے رازدارانہ انداز میں دریافت کیا تھا۔

”جی ایک دفعہ آئیں تھیں‘ لیکن زیادہ بات نہیں ہوئی......“ وریشہ نے کچھ سوچ کر کہا اور سچ بات تھی کہ اسے وہ نک چڑھی اور قدرے مغرور سی لڑکی بالکل اچھی نہیں لگی تھی‘ جسے اپنے ایف اے پاس کرنے کا خاصا زعم تھا۔

”وہ زیادہ بات کرے گی بھی نہیں......“ سائرہ کی بات پر وہ بری طرح چونکی ”وہ کیوں......؟“

”اصل میں اسے لگتا ہے کہ وہ خاندان کی سب سے پڑھی لکھی لڑکی ہے‘ اس لئے ابتاج بھائی پر اس کا پہلا حق ہے۔ اس کی والدہ اماں کی خالہ زاد بہن ہیں۔ ان لوگوں نے خاندان والوں کے ذریعے کہلوایا بھی تھا‘ لیکن بات تو یہ تھی کہ بھائی نے صاف انکار کر دیا اور دوسری بات یہ کہ اماں کو بھی وہ اپنی عادات کی وجہ سے اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے بالکل پسند نہیں تھی۔“ وہ بڑی بے تکلفی سے بتا رہی تھی‘ جبکہ وریشہ کو اس کی بات پر ایک عجیب سی الجھن اپنے اندر تیزی سے پھیلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ بات نہیں ہو سکتی تھی‘ تبھی اس نے دو چار باتیں کر کے فون اماں کو پکڑا دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ وہ حد درجہ ذہنی پراگندگی کا شکار ہو رہی تھی۔ بابا کو کال کی تو ان کا نمبر بند جا رہا تھا۔ ارسلہ کو کال ملائی تو بیلنس کم تھا‘ مجبوراً اپنی روم میٹ نویلہ کا نمبر ملایا اور اس سے کالج کا حال احوال پوچھا تو پتا چلا کہ آج کل ہسپتال میں کوئی ہڑتال چل رہی ہے اور پروفیسرز اس میں مصروف ہیں‘ اس لئے کلاسز بھی نہیں ہو رہیں اور وہ بھی اپنے شہر چکوال جا رہی ہے۔ وریشہ نے تنگ آ کر فون بند کیا۔ ٹی وی چلایا تو پتا چلا کہ یہاں صرف پی ٹی وی آتا ہے‘ کچھ دیر بعد اس نے جھنجھلا کر اسے بھی بند

کر دیا۔

وہ تنگ آ کر ایک دفعہ پھر باہر نکل آئی۔ موسم نے ایک دم ہی انگڑائی لی تھی۔ سرمئی دھنکی ہوئی روئی جیسے بادل اچانک ہی آسمان پر نمودار ہو گئے تھے۔ تخت پر اماں اور پھپھو نہ جانے کون سی باتوں میں مگن تھیں‘ اسے دیکھ کر چونک گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ آج اماں کی صبح سے طبیعت خاصی بہتر تھی اور آج کافی دن بعد انہوں نے کھانا بھی ڈھنگ سے کھایا تھا۔ وہ دونوں ٹوٹی پھوٹی اردو زبان میں اس سے بات کر کے اسے کمپنی دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ وریشہ کو ان کے اس انداز پر ہنسی آ گئی۔ ان لوگوں کو تو وریشہ کی بات سمجھ میں آتی تھی‘ جبکہ اب تو اسے بھی کافی حد تک ان کی زبان سے واقفیت ہوتی جا رہی تھی۔

”رہنے دیں خالہ‘ کہاں متھا مار رہی ہیں......؟“ سدرہ ایک پلیٹ میں کڑی اور چاول ڈالے اچانک ہی پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی۔ گہرے نارنجی رنگ کے لباس میں اس کا سانولا رنگ اور بھی گہرا لگ رہا تھا۔ سائرہ سے بات کے بعد وریشہ نے اب کے اسے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے کے نقوش خاصے دلآویز تھے اور قد بھی ٹھیک ٹھاک تھا۔ وہ بس رنگت میں تھوڑی سی مار کھاتی تھی یا پھر مزاج کی کرختگی نے اس کی شخصیت کا حسن دھندلا دیا تھا۔ وریشہ کو ابھی ابھی اندازہ ہوا تھا کہ اسے بات بات پر طنز کرنے کی خاصی بری عادت تھی۔

اس کی آمد پر بوا کے چہرے کا رنگ ایک لمحے کو متغیر ہوا تھا۔ انہوں نے خاصی ناگواری سے اماں کو آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی اشارہ کیا تھا۔ سدرہ کے بیٹھتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سدرہ کے لبوں پر بڑی زہر آلود سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

”بیٹھ جاؤ بوا‘ کبھی ہم غریبوں کے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔ جن کو تمہاری زبان پلے نہیں پڑتی‘ ان کے ساتھ تو گھنٹوں گونگے بہروں والی اشاروں کی زبان میں بھی باتیں ہو جاتی ہیں‘ جبکہ ہمارے لئے تو تمہیں ٹائم ہی نہیں ملتا۔“ وہ دانستہ اردو میں بولی تھی‘ اس کی بات پر وریشہ دنگ رہ گئی۔ اس نے صاف اس پر چوٹ کی تھی۔ اماں اور بوا کو بھی حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ اس حیرت میں ناگواری اور ناپسندیدگی کا عنصر واضح تھا۔

بوا نے اپنی زبان میں انگلی اٹھا کر اسے کوئی وارننگ دی تھی‘ جسے سن کر سدرہ کے چہرے

کا رنگ تیزی سے بدلا تھا' جبکہ اپنی بات کہہ کر وہ رکی نہیں تھیں' سامنے بنے باورچی خانے میں چلی گئی تھیں۔ وریشہ کو اپنا آپ خاصا عجیب سا لگ رہا تھا۔ اماں نے بھی اپنا سفید ململ کا دوپٹہ منہ پر ڈال کر ٹانگیں سیدھی کر لی تھیں۔ وریشہ بھی ان کے تخت سے اٹھ کر قدرے فاصلے پر رکھی چارپائی پر سدرہ کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی تھی۔ سدرہ کے چہرے پر بڑے عجیب سے تاثرات تھے۔ اس کی آنکھوں سے ٹپکتا حسد اور خود غرضی کے جذبات کوئی بھی سمجھ سکتا تھا۔

"یہ بوا خاصی کینہ پرور خاتون ہیں' ان سے بچ کر رہنا' یہ نہیں چاہتی کہ ابتہاج کی شادی ہو اور ان کی راج دھانی میں کوئی اور آئے......" وہ اب اس کی طرف جھک کر خاصے دھیمے انداز میں اسے خبردار کر رہی تھی۔ وریشہ کو اپنے سے اس غیر متعلقہ بات پر خاصا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے بے یقینی سے سامنے باورچی خانے کے فرش پر بیٹھی بے ضرر سی خاتون کو دیکھا جو پالک صاف کر رہی تھیں۔

وریشہ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ دوڑ گئی اور اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر وہ مزید گویا ہوئی۔ "ہماری خالہ تو بیچاری سیدھی سادھی خاتون ہیں' ان کی اس نند نے ساری زندگی ان کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر ان کو بیوقوف بنا کر اپنا الو سیدھا کیا ہے۔ اولاد ان کی تھی نہیں' میاں کو بھی ورغلا کر یہاں لے آئیں اور تب سے یہاں سے ہلنے کا نام نہیں لیتیں اور باقی خاندان والوں کے خلاف خالہ کو بھڑکاتی رہتی ہیں۔ اسی نے میرا اور ابتہاج کا رشتہ تڑوایا ہے......" وہ حد درجہ بدگمان تھی' اس کی آنکھوں میں پھیلی نفرت اور بے زاری نے وریشہ کو بے اختیار پہلو بدلنے پر مجبور کیا تھا۔

"میں بچپن سے ابتی کی منگ ہوں' اس نے دل سے اس رشتے کے ختم ہونے کو قبول نہیں کیا۔ اس لئے کہیں اور رشتے کے لئے تیار نہیں ہوتا......" وہ خاصی خوش فہم بھی تھی' وریشہ کو ایک لمحے میں اس بات کا ادراک ہوا تھا۔

"اچھا' کیا انہوں نے ایسا تمہیں خود کہا تھا......؟" وریشہ کو اس کیس میں تھوڑی سی دلچسپی محسوس ہوئی تھی' اس کی بات پر وہ فوراً شرما گئی۔

"ایسی باتیں کہنے والی تھوڑی ہوتی ہیں' ہر رشتے میں تو وہ کوئی نہ کوئی مین میخ نکال کر انکار کر دیتا ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے ناں......" اس کی غلط فہمیوں کی داستان خاصی لمبی تھی۔

"اچھا' پھر مسئلہ کیا ہے......؟" اس نے بمشکل اپنی مسکراہٹ چھپا کر پوچھا۔

"سارا مسئلہ اس چڑیل بوا کا ہے' جس نے پتا نہیں کیا گند بلا اس کے ذہن میں بھر رکھا ہے۔ وہ تو اب شادی کے نام سے ہی خار کھانے لگا ہے' حالانکہ خالہ کو سخت ضرورت ہے کہ کوئی ان کی دیکھ بھال کے لئے چوبیس گھنٹے موجود ہو۔ اب دیکھو ناں سارا خاندان باتیں بنا رہا ہے کہ پرائی جوان لڑکی کو گھر میں تیمارداری کے لئے بلا رکھا ہے۔ سارا خاندان لڑکیوں اور عورتوں سے بھرا پڑا ہے' مزارعوں کی گھر والیاں بھی سارا دن یہیں مفت کی روٹیاں توڑتی ہیں۔ کون سا خدمت کرنے والوں کی کمی تھی۔ بس ہماری ناک کٹوانی تھی......" اس کا لہجہ خاصا تلخ تھا۔ وریشہ نے الجھن بھرے انداز میں اسے دیکھا جو آج خاصی فرصت سے ہی بیٹھی تھی۔

"تم کب جاؤ گی اپنے گھر......؟" اس کا انداز وریشہ کو خاصا برا لگا تھا لیکن وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔ "جب تابندہ عمرہ کر کے آ جائے گی......"

"لو اسے آنے میں تو ابھی پورے دس دن پڑے ہیں......" اسے سن کر خاصی مایوسی ہوئی تھی اور اسے چھپانا بھی اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا۔ وریشہ خاموش رہی۔

"ویسے میرا تو خیال ہے کہ بندے کو حج اور عمرہ فارغ ہو کر بڑھاپے میں کرنا چاہیے' تمہارا کیا خیال ہے......؟" سدرہ نے ایک اور اپنا ذاتی فلسفہ جھاڑا تھا' جس سے وہ قطعاً متفق نہیں تھی۔ "بس جب بھی اللہ کسی کو بلا لے اپنے گھر۔" اس کی بات سے سدرہ کو خاصی مایوسی ہوئی تھی۔

"دیکھو ناں ابھی جمعہ جمعہ چار دن تو ہوئے ہیں' تابی کی شادی کو' مجال ہے کہ اپنے سسرال میں ٹک کر بیٹھی ہو' ماں کی بیماری کا بہانہ کر کے ہفتے میں چار دن تو وہ یہاں رہتی ہے......" اسے سب ہی سے شکایتیں تھیں۔ وریشہ پھر بھی خود کو کہنے سے روک نہیں پائی۔ "خیر بہانہ تو وہ نہیں کرتی' اماں ٹھیک ٹھاک بیمار ہیں......"

"تو وہ کون سا ڈاکٹر ہے......" اسے سخت برا لگا تھا۔ "اب اگر اس کا میاں کوئی کورس کرنے ملک سے باہر گیا ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سسرال میں ٹکا ہی نہ جائے۔ اب میاں کو آئے پاکستان میں مشکل سے ہفتہ ہی ہوا ہے کہ محترمہ سعودیہ چلی گئی ہے۔" اس کی باتوں نے وریشہ کے سر میں اچھا خاصا درد کر دیا تھا' لیکن مجبوری تھی کہ اماں سو چکی تھیں اور اسے جب تک وہ تھی' وہیں بیٹھنا تھا۔

"اور پھر ساس سسر کو ساتھ لے جانے کا کیا فائدہ' اب بندہ ان بوڑھوں کو ہی سنبھالتا

رہے‘ مجھے تو تابی کا میاں بڑا ہی خرانٹ لگتا ہے۔ اب مجھے سمجھ آئی کہ وہ اپنی بیوی کو ماں باپ کی خدمت کے لئے لے کر گیا ہو گا۔ میرے جیسی ہوتی تو جانے سے ہی انکار کر دیتی......''

وریشہ نے تاسف بھری نظروں سے اس لڑکی کو دیکھا‘ جس کو خاندان میں اپنے پڑھے لکھے ہونے کا دعویٰ تھا۔ وہ اپنی سمجھ میں آنے والی اس ''اچانک'' بات پر خاصی خوش دکھائی دے رہی تھی۔ اپنی اس ''سمجھداری'' کی مزید تصدیق کروانا اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا‘ اس لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی وقت بوا تین چائے کی پیالیاں ٹرے میں رکھے نمودار ہوئیں۔ وریشہ نے سکون کا سانس لیا۔ اسے شدید طلب ہو رہی تھی۔

''تم تو چائے نہیں پیتی ہو نا؟ اس لئے میں نے تمہارے لئے نہیں بنائی......'' بوا کی بے مروتی اور بدلحاضی بھی عروج پر تھی‘ بے رخی کے اس مظاہرے پر اور وہ بھی مہمان کے سامنے سدرہ کے لئے انتہائی کوفت کا باعث بنی تھی۔ اس لئے وہ جل کر بولی تھی۔

''مجھے کوئی شوق نہیں‘ اتنی گرمی میں اپنا کلیجہ سڑانے کا‘ آپ ہی پیو یہ چائے......'' وہ پاؤں پٹختے ہوئے وہاں سے گئی تھی۔ وریشہ نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کا گلا گھونٹا تھا‘ لیکن اس کے جاتے ہی جس طرح فوراً اماں نے اپنے منہ سے دوپٹہ ہٹایا تھا۔ وریشہ کو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آ گئی۔ ''آپ سوئی نہیں تھیں کیا......؟''

اماں نفی میں سر ہلا کر معصومیت سے ہنسنے لگیں۔ وریشہ کو اس لمحے وہ بہت پیاری لگیں‘ جبکہ بوا ذرا خفگی بھرے انداز میں بولیں۔ ''بھرجائی خود تو ایسے موقعوں پر چادر تان لیتی ہیں اور یہ جنجال پورہ ہمیں بھگتنا پڑ جاتا ہے......''

''خیر ہے سکینہ اپنا دل وڈا کر......'' اماں متانت سے بولی تھیں۔

''ہم سے نہیں ہوتے وڈے دل‘ پورے چک میں ماں بیٹیاں مجھے بدنام کرتی پھرتی ہیں کہ میں نے ان کا رشتہ تڑوایا ہے۔ بندہ پوچھے جو رشتہ ہوا ہی نہیں‘ اس کے ٹوٹنے کا کیا سوال؟ خود ہی مشہوری کر دی اور جب منڈے نے صاف انکار کر دیا تو اب دنیا کو بتاتے پھر رہے ہیں کہ پھپھی نے ''لت'' (ٹانگ) مار دی رشتے میں۔ اکو اک میرا بھرا ہے‘ تے اکو اک میڈا بھتیجا۔ سب نالوں زیادہ تو مجھ نمانی کو اس کے ویاہ کے چاء ہیں اور مجھ پر ہی الزام......''

بوا غصے میں تیز تیز چسکیاں لے کر چائے پی رہی تھیں۔

''چل چھڈ تو اپنا دل برا نہ کر......'' اماں نے ان کو دلاسا دیا۔

''بھرجائی‘ بے شک پوچھ لے اس بچی سے‘ اسے یہ ہی کہانی سنا کے گئی ہو گی کم بخت......'' بوا کے سو فیصد اندازے پر وریشہ کو سخت تعجب ہوا تھا‘ لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہی۔

''ہیں ناں دھی رانی......؟'' بوا نے یقین دہانی کے لئے اس کی طرف دیکھا تو اسے شدید حیرت ہوئی‘ جب اس نے اماں کو بڑی سرعت سے نفی میں سر ہلا کر اسے نہ بتانے کا اشارہ کرتے ہوئے دیکھا‘ اسے یہ سوچ کر ہی دھچکا لگا تھا کہ انہوں نے سدرہ کی تلخ گفتگو کو خود اپنی سماعتوں سے سنا تھا‘ ورنہ وہ اسے منع نہیں کرتیں۔

''نن نہیں بوا‘ وہ تو اپنی ہی باتیں کر رہی تھی......'' اس نے گڑبڑا کر مصلحتاً جھوٹ بولا تھا۔

''وہ کہاں کی پروفیسر لگی ہے جو اپنی باتیں کرے گی۔ صغراں کی بیٹیوں کی رگ رگ سے میں واقف ہوں۔ آج کل وہ ہر جگہ بس مجھے بدنام کرنے کا کھاتہ کھول رہی ہیں۔'' بوا بھی ان کے بارے میں ضرورت سے زیادہ آگاہ تھی۔ اس لئے ان کا موڈ ابھی تک خراب تھا۔

''آج پتا نہیں کڑی کہاں سے پکا کر لے آئی‘ ورنہ پہلے تو ایسی سوغاتیں تو بس ہمارے پتر کے آنے پر ہی دیکھنے کو ملتی تھیں......'' وہ ابھی تک غصے سے بڑبڑا رہی تھیں۔

''واہ بوا! چائے تو بہت مزے کی بنائی ہے......'' اس نے محض ان کی توجہ دوسری جانب مبذول کروانے کے لئے کہا تھا۔

''اچھا‘ واقعی......؟'' وہ واقعی بچوں کے سے انداز سے خوش ہو گئی تھیں۔

''یہ تمہارے سوٹ پر کڑھائی کس نے کی ہے......؟'' ان کی توجہ اس کے کاسنی رنگ کے سوٹ پر کی گئی کڑھائی کی طرف ہو گئی تھی۔

''یہ تو ریڈی میڈ ہے‘ مطلب کہ ایسے ہی بازار سے لیا تھا'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو انہوں نے توصیفی نظروں سے ایک دفعہ پھر اس کو بغور پکڑ کر دیکھا۔ دوپٹے کے پلو پر بھی بڑی نازک سی بیل بنی ہوئی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ بوا کی توجہ دوسری جانب ہونے سے اماں نے بڑا لمبا سکون کا سانس لیا تھا۔ وہ دونوں ایک دفعہ پھر اس کے ساتھ چھوٹی چھوٹی بے ضرری باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔

❖ ❖ ❖

گرمی میں ایک دم ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ اسے وہاں آئے ہوئے پورے سات دن ہو چکے تھے۔ اس دوران ایک دفعہ بھی بابا سے بات نہیں ہو پائی تھی۔ یہ بات اسے حد درجہ کوفت

اور جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ "حد ہے کسی کو میری پرواہ ہی نہیں......" یہ فقرہ تو آج اس نے کوئی بلا مبالغہ ہزار دفعہ سوچا تھا۔ پہلے تو ہر تیسرے یا چوتھے دن ارسلہ کی بھی کال آ جاتی تھی' لیکن اس دفعہ تو اس نے بھی کمال کر دیا تھا۔ وہ ان سب سے بری طرح دل ہی دل میں خفا ہو چکی تھی۔ اس دفعہ تو اس نے بھی پکا تہیہ کر لیا تھا کہ اب خود سے ان کو کال نہیں کرنی۔ بابا کا نمبر تو ویسے ہی بند تھا' اوپر سے وہ اسے چھوڑ کر جو گیا تو دوبارہ نہیں آیا۔ وہ اس سے بھی کئی گلے دل ہی دل میں پال چکی تھی۔ اس دن رات کو اماں کی طبیعت ایک دم ہی بگڑ گئی تھی۔ اس کے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ گھر کے سب لوگ جو اس کی وجہ سے مطمئن تھے' اسے حواس باختہ دیکھ کر خود بھی گھبرا گئے۔ اس نے پھپھا کو فوراً گاڑی نکالنے کو کہا۔ اماں کی حالت بالکل بھی ٹھیک نہیں تھی۔

پھپھا بار بار ابتہاج کو فون کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب اس نے قدرے سختی سے انہیں کہا کہ اماں کو جلد از جلد ایمرجنسی میں لے جانے کی ضرورت ہے۔ اس وقت رات کے تقریباً دو بج رہے تھے' جب وہ لوگ نشتر ہسپتال ملتان کی ایمرجنسی میں پہنچے۔ راستے میں ہی وریشہ نے اپنے ایک دو سینئرز کو سوتے ہوئے اٹھا کر نشتر ہسپتال میں کسی جاننے والے ڈاکٹرز کا پوچھا تھا۔ اس کی بھاگ دوڑ خاصی کام آئی تھی۔ جب تک وہ لوگ ایمرجنسی میں پہنچے ایک دو ڈاکٹرز سے رابطہ ہو ہی گیا تھا جس کی وجہ سے ان کو کوئی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ اماں کو جاتے ہی خاصا پروٹوکول مل گیا تھا۔ بوا کے ساتھ ایک ملازمہ بھی تھی۔ پریشانی سے ان کی رنگت زرد ہو چکی تھی۔ پھپھا خود بھی گھبرائے ہوئے تھے۔ ابتہاج سے ان کا آخر رابطہ ہو ہی گیا تھا۔

"وریشہ کوئی خطرے کی بات تو نہیں......؟" اس کی اچانک ہی اس کے نمبر پر کال آ گئی تھی۔ وہ حد درجہ پریشان تھا' وہ کچھ لمحوں کے لئے بالکل چپ کر گئی اور پھر کچھ محتاط لفظوں میں بولی۔

"وہ بہتر نہیں ہیں......"

"کیا مطلب......؟" وہ انتہائی عجلت میں بولا تھا۔

"مطلب یہ کہ اس قسم کے مرض میں جو کچھ خطرے کے سائن ہوتے ہیں' ان میں سے کچھ ظاہر ہو رہے ہیں......" اس نے اب کہ کچھ کھول کر بتانے کی کوشش کی تھی۔ دوسری طرف اس کی بات پر اسے سخت دھچکا لگا تھا۔ اس لئے وہ کافی دیر تک کچھ بول نہیں سکا تھا۔

"اٹس او کے...... میں آ رہا ہوں......" وہ فون بند کر چکا تھا۔ وریشہ کو ایک دم ہی ایسے لگا جیسے کائنات کی نبض تھم سی گئی ہو۔ وہ صبح تقریباً ساڑھے چھ بجے کے قریب پہنچا تھا۔ اس وقت اماں دوائیوں کے زیر اثر سو رہی تھیں۔ وہ سیدھا ہی وہاں آیا تھا۔ اس وقت وہ ڈاکٹر اسد کو اماں کی فریش رپورٹس دیکھا رہی تھی۔ انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ بلیک پینٹ پر گرے شرٹ میں وہ خاصا مضطرب تھا۔ اس کی آنکھیں رتجگے کی وجہ سے سرخ تھیں۔ پھپھا جی اس کے ساتھ تھے اور اس کو رات کا واقعہ تفصیل سے بتا رہے تھے۔

"اب کیسی حالت ہے اماں کی......؟" وہ حد درجہ بے چینی سے ان کی طرف لپکا تھا۔

"اب اللہ کا شکر ہے کہ ان کی حالت کافی بہتر ہے۔" ڈاکٹر اسد نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دلاسا دیا تھا۔

"یہ ان کے چہرے پر سوجن کیوں محسوس ہو رہی ہے......؟" وہ تھوڑا سا مضطرب ہوا۔

ڈاکٹر اسد اور وریشہ نے ایک دم ہی ایک دوسرے سے آنکھیں چرائی تھیں۔

"اللہ بہتر کرے گا۔" ڈاکٹر اسد نے ایک دفعہ پھر ان کو تسلی دی اور وریشہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ "ایسا ہے وریشہ! کہ میری کال تو ختم ہو گئی ہے' اپنے ایک اور کولیگ کو میں نے کہہ دیا ہے' وہ وقتاً فوقتاً یہاں کا وزٹ کرتا رہے گا' پھر بھی کوئی ایمرجنسی ہو' آپ مجھے کال کر سکتی ہیں۔"

"تھینک یو ڈاکٹر اسد......" وہ حد درجہ ان کی ممنون تھی۔

"یہ میرے ایک سینئر تھے' انہوں نے رات کافی ہماری ہیلپ کی تھی' ورنہ سرکاری ہسپتالوں میں تو آپ کو پتا ہے کہ جان پہچان کے بغیر اتنی جلدی کام نہیں ہوتے۔" ڈاکٹر اسد کے جاتے ہی اس نے بتایا۔

"تھینکس وریشہ! آپ اگر نہ ہوتیں تو شاید کافی پرابلم ہوتا۔ پھپھا بتا رہے تھے کہ ان کو تو کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔" وہ حد درجہ مشکور تھا۔ اس کا انداز ویسا ہی تھا' انتہائی نرم اور دھیما' وریشہ کو نہ جانے کیوں اپنی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی محسوس ہوئی تھیں۔ وہ اپنی اس کیفیت کو سمجھنے سے قاصر تھی۔ وہ اب اماں کے بالکل پاس کھڑا تھا اور ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ مجھے سائرہ کو کہہ دینا چاہیے کہ وہ آ جائے......" وریشہ کو اس کا لہجہ بھیگا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے وہ اماں کی حالت کی سنگینی کو سمجھ سکتی تھی

لیکن وہ اس سے بھی زیادہ سمجھدار تھا۔

"اللہ بہتر کرے گا' مایوس کیوں ہوتے ہیں......؟" وریشہ ایک دم ہی اس کے سامنے آ کر بولی تھی۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر دیکھا تو وریشہ کو بے اختیار ہی اس کی سرخ مگر کچھ بولتی ہوئی آنکھوں سے پہلی دفعہ ڈر لگا تھا۔ وہ فوراً نظریں چرا گئی تھی۔

"آپ ڈاکٹر ہو کر جھوٹی تسلی دیتی ہیں......" اس کا انداز حد درجہ آزردہ تھا۔

"میں ڈاکٹر ہونے سے پہلے ایک مسلمان بھی ہوں اور مومن کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔" اس نے ایک دم ہی اسے لاجواب کر دیا تھا۔

اگلے دو دن اس نے لمحہ لمحہ اماں کے ساتھ گزارا تھا۔ اماں کی حالت کچھ بہتر ہوئی تو انہوں نے گھر جانے کی ضد شروع کر دی تھی۔ وہ اس وقت بالکل ایک ضدی بچے کی طرح لگ رہی تھیں' مجبوراً چار دن کے بعد ان کو گھر لے جانا ہی پڑا۔ گھر پہنچتے ہی وہ خاصی خوش تھیں اور وریشہ نے ان کو بات بے بات مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ سائرہ اور تابندہ دونوں ہی ان کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھیں۔ ان کی بار بار کالز آ رہی تھیں۔ وریشہ کو خود ان کی بیماری نے بوکھلا دیا تھا۔ وہ خود بھی سب کچھ بھلائے ہوئے تھی۔ آج کل تو اس کا دھیان بابا اور ارسلہ کی طرف بھی نہیں جا رہا تھا۔ وہ تو اچانک ہی بابا کی غیر متوقع کال آ گئی تو اسے احساس ہوا۔ اس دن سگنل کا بھی کچھ مسئلہ تھا' اس لئے کچھ بات سمجھ میں آ رہی تھی اور کچھ نہیں۔ اسے یاد تھا کہ وہ بار بار ابتہاج کی والدہ کا خیال رکھنے کو کہہ رہے تھے۔ اسی دوران کال کٹ گئی تھی' وہ بہت زیادہ افسردہ ہوئی۔ اس دن شام کو وہ اماں کا ٹمپریچر چیک کر رہی تھی۔ وہ اپنے مخصوص تخت پوش پر لیٹی ہوئی تھیں۔ ان کے بالکل پاس کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے ابتہاج آج کا اخبار پڑھنے میں مگن تھے۔ بوا سامنے صحن میں کچھ خواتین سے گندم صاف کروانے میں مصروف تھیں۔ اسی وقت سامنے سے سدرہ اور نائلہ آتی ہوئی دکھائی دیں۔ اماں نے بھی ان کو دیکھ لیا تھا۔ آج کل ویسے بھی ان کی عیادت کرنے والوں کی آمدورفت بہت زیادہ تھی۔

"اماں آج دوپٹہ منہ پر رکھ کر سونے کا ارادہ نہیں......" اس نے اپنی طرف سے سرگوشی میں شرارت کی تھی' لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ اماں اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑیں گی۔ ابتہاج نے چونک کر قدرے خوشگوار انداز سے ان کو ہنستے ہوئے دیکھا جبکہ وہ اپنی خجالت کو مٹانے کے لئے جھینپ سی گئی۔ ابتہاج اس کی بات کے پس منظر سے واقف نہیں تھا۔ اس لئے

تعجب سے اماں کا ہنستا ہوا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"خیر ہے خالہ آج تو بڑے قہقہے لگائے جا رہے ہیں......" سدرہ کی طنزیہ نظریں ایسے ہی شرمندہ کرتی تھیں' لیکن اس وقت ابتہاج کی موجودگی نے اسے اور بھی جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔

"آؤ' آؤ' سدرہ' نائلہ کیسی ہو تم لوگ......" ابتہاج نے ان کو دیکھ کر خوش دلی سے کہا۔

"یہاں تو خالہ ماشاء اللہ بالکل ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہیں اور پورے پنڈ میں بوا نے خوامخواہ شور مچا رکھا ہے۔" اس نے سامنے موڑھے پر بیٹھتے ہی ناک چڑھائی۔

"ہاں بوا کو تو بہت شوق ہے ناں' خوامخواہ شور مچانے کا' خود اپنی ماں کا پتا نہیں' ایک چھینک بھی آ جائے تو سات گاؤں میں دہائی مچا دیتی ہے۔" بوا ایک دم ہی گندم چھوڑ کر سامنے آن کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے سرخ لان کے نئے سوٹ میں ملبوس سدرہ کو دیکھا تھا۔

"لو بوا تم تو ویسے ہی غصہ کر جاتی ہو' میں تو ویسے ہی مخول کر رہی تھی......" ابتہاج کی موجودگی اس کو خود بخود دھیما ہو جانے پر مجبور کر دیتی تھی اور اس وقت تو وہ خصوصی تیاری سے آئی تھی۔

"سکینہ بچیوں کو کچھ لسی پانی کا پوچھنا تھا......" اماں نے بوا کو بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں تنبیہہ کی تھی۔

"ہونہہ' کاجل کا ٹرک لگتا ہے کل ہمارے ہی پنڈ میں گرا تھا......" وہ جاتے جاتے سدرہ پر طنز کرنا نہیں بھولی تھیں' جس نے اس وقت آنکھوں کو کالا سیاہ کر رکھا تھا۔ ابتہاج اس وقت نائلہ سے باتیں کرنے میں مصروف تھا' جب سدرہ نے شکایتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

وریشہ اب اماں کا بلڈ پریشر چیک کر کے ان کو اس وقت کی میڈیسن دے رہی تھی' جبکہ وہ سدرہ اور نائلہ سے چھوٹی چھوٹی باتوں کے دوران اس کی تمام سرگرمیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر بڑی خوشگوار سی حیرت ہو رہی تھی کہ اماں اور وریشہ کی کافی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ ان سے باتیں کرتے ہوئے ان کو مختلف دوائیاں کھلا رہی تھی' جس کو اماں تھوڑے سے نخرے کے بعد بالآخر کھا رہی تھیں۔ یہ منظر سدرہ کے لئے ناقابل برداشت

تھا۔

"بھئی آپ لوگ کب تک اس بیچاری سے اماں کی خدمتیں کروائیں گے؟ وہ بیچاری بھی سوچتی ہوگی کہ کہاں پھنس گئی۔ ہمیں بتائیں اگر سائرہ یا تابندہ نہیں ہیں تو میں اور نائلہ تو ہیں ناں......" اس کے لہجے میں تپش جبکہ چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ تھی۔ اس کی بات پر ابتہاج نے چونک کر وریشہ کو دیکھا جس کی آنکھوں میں تحیر نمایاں تھا۔

"یہ بچی ایسی فضول باتیں نہیں سوچتی۔ ماشاء اللہ اچھے گھرانے کی ہے اور نیک ماں باپ کی اولاد ہے......" بوا کا لہجہ سلگتا ہوا لیکن انداز خاصا پرسکون تھا۔

"میں تو اس لئے کہہ رہی ہوں کہ دس دن سے بیچاری اماں کو سنبھال رہی ہے......" سدرہ نے سنبھل کر کہا۔

"رہنے دو بی بی! ان دس دنوں میں کسی اور کو تو توفیق نہیں ہوئی۔ اب خود کو دیکھ لو گھر کے دروازے کے ساتھ دروازہ جڑا ہوا ہے' لیکن تمہاری اماں کو دو قدم چل کر آنے کی ہمت نہیں ہوئی اور تم خود ان دس دنوں میں تیسری دفعہ نظر آئی ہو۔ باتیں کر رہی ہو خدمتیں کرنے کی......" بوا نے ایک منٹ میں اس کی طبیعت صاف کی تھی۔ ابتہاج کے سامنے یہ اتنی سچی باتیں اس کے لئے ناقابل برداشت تھیں۔ اس لئے اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور اس کی کاجل سے بھری آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو دیکھ کر سوائے بوا کے سب لوگ گھبرا گئے۔

"کیا ہوگیا ہے بوا آپ کو' یہ کوئی وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا......" وہ تھوڑا سا جذباتی ہو کر بولا تھا۔

"ہاں تو یہ کوئی ایسا بھی وقت نہیں ہے کہ خوامخواہ بیٹھ کر گونگلوؤں سے مٹی جھاڑی جائے......" وہ بھی کسی کے رعب میں آنے والی نہیں تھیں۔ اس لئے اپنی بات کر کے آرام سے صحن کی طرف چل پڑیں۔ وریشہ نے گھبرا کر سدرہ کو دیکھا جس کے آنسوؤں کے ساتھ بے دریغ بہتا کاجل اس کے چہرے کی رنگت کو مزید سانولا کر رہا تھا۔ اس نے اماں کے پاس پڑے ہوئے پانی کے جگ سے ایک گلاس پانی ڈال کر سدرہ کی طرف بڑھایا' اسے حقیقتاً اس کے آنسوؤں سے تکلیف ہوئی تھی۔ وہ حد درجہ حساس لڑکی تھی' اس کے گلاس کو دیکھ کر سدرہ کو کرنٹ لگا۔

"میں خالہ کے گلاس میں پانی نہیں پیئوں گی......" اس کے منہ سے بے اختیار پھسلا

تھا۔ وریشہ نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا جو گھبرا کر کہہ رہی تھی۔ "نہ جی ناں' ایسے مریض کے جراثیم بہت تیزی سے اڑ کے لگتے ہیں' اس لئے تو اماں ڈر کے مارے نہیں آ رہی ہیں......"

سدرہ کی بات پر ایک دم ہی سناٹا سا چھا گیا تھا۔ ابتہاج کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی تھی۔ اماں خوفزدہ نظروں سے وریشہ کو دیکھ رہی تھیں' جو لاپرواہی سے ان کے ہی چمچ میں ان کی چھوڑی ہوئی کھچڑی کھا رہی تھی۔ اس کی بات سے وہ دانستہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی۔ "ایسا بالکل بھی نہیں ہے سدرہ' تمہیں کسی نے غلط بتایا ہے......" وہ ابھی اسی گلاس سے پانی پی رہی تھی۔ سدرہ اور نائلہ نے ایسے اسے دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ ابتہاج کے لئے مزید برداشت کرنا انتہائی مشکل تھا۔ اسے سدرہ کی بات سے سخت تکلیف ہوئی تھی۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں پا رہا تھا۔ اس لئے فوراً اٹھ کر اندر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ دونوں بھی زیادہ دیر نہیں بیٹھی تھیں۔

"کیا ہوگیا ہے اماں آپ کو......" وہ بہت نرمی سے بالکل خاموش اور ساکن سی اماں کا بازو پکڑ کر بولی تھی۔

"کچھ نہیں بیٹا......" انہوں نے ایک سرد سی آہ بھری تھی۔

"میری بات غور سے سنیں' ہم مسلمان ہیں ناں......" وہ بہت آہستگی سے ان سے مخاطب تھی۔ "ہمارا تقدیر پر ایمان ہے ناں' یاد رکھئے گا' اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے آنے جانے اور دنیا میں رہنے اور دولت' بیماری ہر چیز کے بارے میں پہلے سے لکھ دیا ہے۔ ان سب چیزوں کو بس دعا بدل سکتی ہے اور کوئی چیز نہیں۔ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہوتی ہے' بیماری بھی اور صحت بھی۔ کسی کو کسی سے کچھ نہیں ہوتا' اگر ایسا ہوتا تو سب سے زیادہ تو ڈاکٹرز بیمار ہوں' جو سارا دن طرح طرح کے مریضوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ ساری فضول باتیں ہیں۔ اس کے لئے دل چھوٹا نہیں کرتے......" وہ بہت پیار سے ان کو سمجھا رہی تھی۔

"بھر جائی دفع کرو' دیکھو کتنے مزے کا دلیہ بنایا ہے میں نے......" بوا بھی ابھی اندر سے اپنی آنکھیں صاف کر کے باہر آئی تھیں۔ انہوں نے بھی سدرہ کی بات سن لی تھی' لیکن دانستہ اس بات پر تبصرہ نہیں کیا تھا۔

"قسم سے مجھے تو سدرہ کی شکل دیکھ کر بہت ہاسا (ہنسی) آیا' ایسے لگ رہا تھا جیسے

تارکول کا پورا ڈرم اس کے بوتھے پر آن گرا ہو......'' بوا زبردستی ہنس رہی تھیں' ان کی تشبیہ پر وریشہ اور اماں کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

'' بیچاری کا سارا ہار سنگھار ضائع ہو گیا......'' بوا کو اب واقعی میں ہنسی آ رہی تھی۔

'' سکینہ ایسے کسی کا مذاق نہیں اڑاتے......'' اماں نے سرزنش کے انداز میں کہا۔

'' بھرجائی! وہ کسی کی نہیں' صغراں کی بیٹیاں ہیں' جن کی بے عزتی مجھ پر فرض کر دی گئی ہے......'' وہ ابھی بھی شرارت کے موڈ میں تھیں۔ اماں کو ان کے انداز پر دوبارہ ہنسی آ گئی تھی۔

وریشہ اٹھ کر اندر کی طرف آ گئی۔ سامنے ہی ابتہاج کا کمرہ تھا۔ وہ ہلکی سی دستک دے کر اندر چلی آئی تھی۔ وہ جو تکیہ منہ پر رکھے کمرے میں اندھیرا کئے لیٹا تھا' چونک گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ دیوار پر لگے بٹن کے ذریعے کمرے کی ٹیوب لائٹس کو روشن کیا تھا۔

'' کیا ہوا آپ کو' ایسے کیوں اٹھ کر آ گئے......؟'' وہ بے دھڑک اٹھ کر آ تو گئی تھی' لیکن اب اسے اپنی یہ حرکت بہت بچگانہ سی لگ رہی تھی۔

'' مجھے کچھ بھی نہیں ہوا' آپ کو کس نے کہہ دیا......؟'' وہ زبردستی ہنسا تھا۔

'' آپ کا ہر انداز کہہ رہا ہے......'' اس نے فوراً کہا تھا۔

'' مثلاً' کیا کہہ رہا ہے......؟'' اس نے الٹا اسی سے سوال کر دیا تھا۔

'' یہی کہ آپ کو کوئی بات بری لگی ہے......'' وہ اس قدر غور سے دیکھ رہا تھا کہ وریشہ کو اپنے سارے الفاظ بھک کر کے اڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

'' اچھا' کیا بات ہو سکتی ہے......؟'' وہ اس کے کنفیوژ ہونے پر مبہم سے انداز میں مسکرایا تھا۔

'' میرا خیال ہے کہ آپ کو سدرہ کی بات بری لگی ہے......'' وہ بمشکل بولی تھی۔

'' ہوں......!'' وہ کسی خیال میں الجھ کر بولا۔ '' بری کا تو پتا نہیں' لیکن مجھے دکھ ضرور ہوا ہے۔''

'' ہاں بعض دفعہ کہنے والے کو بھی پتا نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے' آپ ذہن سے نکال دیں' اس بات کو۔ خوامخواہ خود کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ؟'' وہ بہت محتاط انداز میں بات کر رہی تھی۔

'' ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ' اصل میں جب اپنے ہی رشتے دار آپ کے زخموں سے کھیلنے

لگیں تو زیادہ دکھ ہوتا ہے اور سدرہ کی والدہ تو میری اماں کی سگی خالہ زاد ہیں' اماں نے بہت سے موقعوں پر ہم سے چھپا کر ان کی مدد کی' وہ نیکی کی تشہیر کرنے کی قائل نہیں' اس لئے مجھے خاصا افسوس ہوا۔'' وہ خاصے رنجیدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

'' بس اپنے اپنے ظرف کی بات ہوتی ہے ناں اور پھر وہ ایک قول بھی تو ہے ناں کہ جب کسی پر احسان کرو تو پھر اس کے شر سے بچو......'' وریشہ کا انداز بھی حد درجہ سنجیدہ تھا۔

'' ہاں میں آئے دن اوٹ پٹانگ باتیں سنتا رہتا ہوں' لیکن نظر انداز کر جاتا ہوں' جبکہ بوا بیچاری بھڑک اٹھتی ہیں۔ اصل میں انہوں نے زندگی میں بہت مشکل حالات دیکھے ہیں' ان کے میاں کی والدہ سوتیلی تھیں' جنہوں نے ان کے سسر کے انتقال پر دونوں کو خالی ہاتھ گھر سے نکال دیا تھا۔ ابا ان کو زبردستی یہاں لے آئے۔ ابا لوگوں کے صرف دو بھائی اور ایک بہن تھی اور معاشی حالات بہت مضبوط تھے' ماشاء اللہ۔ ان کے لئے اکلوتی بہن کوئی بوجھ نہیں تھی' لیکن اس کے باوجود پھپھا آج بھی زمینیں سنبھالنے کی تنخواہ کے علاوہ ایک پیسہ نہیں لیتے۔ بہت ایماندار اور محنتی ہیں' لیکن سارے خاندان والے ان کو باتیں سنانے اور گھر دامادی کے طعنے دینے سے باز نہیں آتے۔ بوا نے بھی اب تنگ آ کر ان کی باتوں کا جواب دینا شروع کیا ہے' ورنہ وہ بہت صابر خاتون ہیں۔ اللہ ان کو اجر دے' انہوں نے اماں کی بہت خدمت کی ہے......'' وہ پہلی دفعہ اپنے خاندان کے بارے میں اتنی ذاتی باتیں شیئر کر رہا تھا۔ اسے ابھی ابھی خیال آیا تھا کہ وہ ابھی تک کھڑی ہے۔

'' آئی ایم سوری' میں نے ابھی تک آپ کو بیٹھنے کا نہیں کہا......'' وہ ایک دم ہی شرمندہ ہو کر خود بھی کھڑا ہو گیا۔

'' بلکہ ایسا کرتے ہیں' میں آپ کو اپنا لان اور اصطبل دکھاتا ہوں' باہر ہی چلتے ہیں......'' اس کا محتاط انداز وریشہ کو اچھا لگا تھا۔

'' اچھا' گھوڑوں سے بھی شغف رکھتے ہیں آپ......؟'' اس کے شرارت بھرے انداز پر وہ ایک دم قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ اس کو ہنستے ہوئے اماں نے بڑی خوشگوار حیرت سے دیکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں بے شمار جگنو ایک دم ہی اتر آئے تھے۔ انہوں نے دونوں کو اکٹھے جاتے ہوئے دیکھا اور ساتھ بیٹھیں بوا کو مسکراتے ہوئے دیکھا اور وہ بھی ان کا اشارہ سمجھ کر مسکرا دیں۔

"آپ کو پتا ہے کہ بابا کا نمبر کیوں بند جا رہا ہے' اس دن کال بھی آئی تو نمبر ڈسپلے نہیں ہو رہا تھا......" وہ اس کے ساتھ چلتے چلتے ایک دم بولی تھی۔

"اچھا' میرے ساتھ تو ان کی رات ہی بات ہوئی ہے' وہ انڈیا میں تھے اور بالکل ٹھیک ٹھاک تھے......" وہ چلتے چلتے رکا تھا۔

"واقعی......؟" وہ کچھ مطمئن ہوئی۔

"جی بلکہ کہہ رہے تھے کہ شاید ان کو مزید ایک ہفتہ اور لگ جائے' اس لئے جیسے ہی تابی واپس آ جائے تو میں آپ سے پوچھ کر ہوسٹل چھوڑ آؤں......" وہ اصطبل کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

"ہوسٹل تو جانے کا ابھی فائدہ نہیں' ہڑتال چل رہی ہے اور دور دراز کے لوگ بے فکر ہو کر اپنے گھروں کو جا چکے ہیں......" اس نے لاپرواہی سے کہا تو ابتہاج کے منہ سے بے اختیار پرسکون سانس خارج ہوئی۔ وہ اپنے اصطبل میں موجود تینوں گھوڑوں کا تعارف کروا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں اور لہجے میں ان کے لئے بے تحاشا محبت تھی۔

"یہ عربی نسل کی گھوڑی بابا کو ان کے ایک شیخ دوست نے گفٹ کی تھی اور اس کے ساتھ میں نے پاکستان ڈربی کے کئی مقابلے جیتے ہیں۔ گھڑسواروں کے شوقین افراد کے لئے پاکستان ڈربی کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس میں ملک بھر کے چوٹی کے گھوڑے اور گھوڑیاں حصہ لیتے ہیں۔ میں پاکستان ریس کلب کا ممبر بھی ہوں۔" وہ اپنی سیاہ رنگ کی خوبصورت نسل کی گھوڑی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "گھوڑوں سے محبت مجھے بابا کی طرف سے جینز میں ملی ہے' مجھے انہوں نے چھ سال کی عمر میں ہی گھڑسواری سیکھنے کے کلب میں بھیج دیا تھا۔ ان کو گھڑسواری کا جنون تھا اور وہ پولو کے بہت اچھے کھلاڑی تھے۔

"ہوں نائس......" وریشہ نے ڈرتے ڈرتے ایک گھوڑے پر ہاتھ رکھا تو وہ ایک دم ہنہنایا' وہ ڈر کہ فوراً پیچھے ہٹی تو ابتہاج اپنے بے ساختہ قہقہے کو نہیں روک پایا۔ "اصل میں آپ کا لمس ابھی اس کے لئے اجنبی ہے' اس لئے اس نے ناگواری کا اظہار کیا ہے۔ آپ بار بار آئیں گی' ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں گی اور ان کو پیار سے سہلائیں گی تو یقین کیجئے گا' یہ بہت پیارا اور وفادار جانور ہے یہ آپ کو بہت اچھا رسپانس دے گا۔"

"نہ بھئی نہ' جانوروں کا کیا اعتبار......" وہ ڈر کے دیوار کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔

اس کے چہرے پر ڈر اور تذبذب تھا۔

"آج کل کے دور میں انسانوں کا اعتبار نہیں ہے' جانور تو بہت معصوم ہوتے ہیں......" وہ اچھل کر اس پر سوار ہوا تھا۔ گھوڑی نے فوراً خوشی کا اظہار کیا تھا۔ وریشہ دو قدم اور پیچھے ہو کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کی یہ غیر ارادی حرکت ابتہاج کی تیز نظروں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ مسکرا کر نیچے اتر آیا تھا۔

وہ اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا تھا۔ وہ اب اس کو بتا رہا تھا۔ "ابا ویسے تو تحصیلدار تھے لیکن ان کے اندر وہی زمینداروں والا ٹیپکل خون تھا۔ وہ اپنی زمینوں پر آ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ انہوں نے چند سال ہی نوکری کی اور جب چچا باہر چلے گئے تو وہ فوراً استعفیٰ دے کر گاؤں میں واپس آ گئے تھے۔ پھر ان کی ساری زندگی یہیں گزری۔"

"اس کا مطلب ہے کہ زمین سے محبت بھی پھر آپ کو جینز میں ہی ملی ہوگی......" وریشہ نے اسے چھیڑا۔ وہ لوگ پچھلے گیٹ سے باہر نکل آئے تھے۔ سامنے گندم کی فصل لہلہا رہی تھی۔

"نہیں' یہ شوق مجھے وراثت میں نہیں ملا......" وہ ہنسا...... "مجھے کوئی ایسا لگاؤ نہیں' اس لئے میں اس طرف آیا ہی نہیں' زمینوں کے معاملے پھپھا اور منشی صاحب ہی سنبھالتے ہیں' میں اصل میں چاہتا تھا کہ کچھ زمین جو فالتو پڑی ہے' اس پر ہسپتال بنا کر سائرہ کے حوالے کر دوں' لیکن اس کے میاں کو پاکستان میں رہنا ہی پسند نہیں۔"

"آپ ہسپتال کیوں بنانا چاہتے ہیں......؟" اس نے بڑے تحیر کے عالم میں پوچھا۔ اس کے لئے یہ بات بہت حیرت انگیز تھی۔

"سچ بتاؤں پہلے تو کبھی کبھی یہ خواہش بیدار ہوتی تھی' جب اپنے گاؤں کے لوگوں کو آج کے اس دور میں بھی بنیادی ضروریات کے لئے ترستے دیکھتا تھا۔ اب ہر کوئی تو شہر میں جانا افورڈ نہیں کر سکتا ناں۔ اس کے بعد جب اماں کی بیماری کا اس وقت پتا چلا جب بہت سا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ اس کے بعد سے تو یہ خواہش جنون بن چکی ہے۔ میں نے سارا اسٹیمیٹ لگوایا ہے' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ڈاکٹرز کو ہم بھاری بھرکم پیکیج دے کر ہی اس گاؤں میں آنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ کوئی اپنی خوشی سے اس پسماندہ گاؤں میں کیوں آئے گا۔ اس میں ان کا بھی قصور نہیں' معاشی ضروریات سارے انسانیت کے سبق بھلا دیتی ہیں۔" وہ آخر میں تھوڑا سا تلخ ہوا۔

"اب ایسی بھی کوئی بات نہیں' سب لوگ ایسا نہیں سوچتے......" وریشہ نے برا منایا۔

"وریشہ بی بی! کتنے فیصد لوگ ایسا سوچتے ہوں گے۔ آپ خود بتائیں کہ آپ یہاں آ کر کام کرنے کو تیار ہوں گی......؟" وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر بالکل اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وریشہ کو جھٹکا لگا تھا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا جس کی گہری نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ وریشہ کو ایسے لگا جیسے اس نے کوئی ایکسرے مشین اپنی آنکھوں میں فٹ کروا رکھی ہو۔ وہ اس کا دماغ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"دیکھا......؟ چپ ہو گئیں ناں......؟" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا تھا' وریشہ کو ایک دم غصہ آ گیا تھا۔

"میں نے کب انکار کیا......؟" اب کہ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ رہی تھی۔

"جانے دیں وریشہ انصاری' ایسے جذباتی نہیں ہوتے۔ زندگی جذباتیت کے سہارے نہیں گزرتی۔" وہ اب بھی اس کا سرخ چہرہ دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

"زندگی میں سے جذبات نکال دیئے جائیں تو اس مشینی زندگی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ آپ خود بتائیں کہ کیا ہسپتال بنانے کا ارادہ آپ نے بھی جذبات کے زیر اثر نہیں کیا؟" وہ تڑخ کر بولی تھی۔

"یہ میرا بالکل بھی جذباتی فیصلہ نہیں' میں نے پورے دو سال اس پر سوچا اور پھر اس کو فائنل کیا ہے' میں نے اس جگہ آنکھ کھولی ہے' ان لوگوں کے درمیان پلا بڑھا ہوں۔ ان کی مشکلات کا مجھے اندازہ ہے۔ یہی جذباتی انسیت مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ آپ کو کیا انس ہو سکتا ہے؟ آپ کیوں اپنے آپ کو اس جگہ پر ضائع کریں گی......" وہ بے حد سنجیدہ تاثرات لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں یہاں کیوں خود کو ضائع کروں گی' بلکہ ہو سکتا ہے کہ میں اسٹڈی مکمل کر کے لاہور واپس جاؤں اور وہاں کسی اسٹیبلش ہسپتال سے منسلک ہو جاؤں۔ جہاں میرے نہ ہونے سے کسی کو بھی فرق نہیں پڑے گا' کیونکہ وہاں پہلے سے بہترین لوگ ہوں گے۔ ہاں ایسی کسی پسماندہ جگہ جہاں میرے نہ ہونے سے بہت سے لوگوں کو فرق پڑے' میں خود کو وہاں کے لئے وقف کیوں نہ کروں؟" اس کا لہجہ شکایتی تھا۔ ابتہاج مطمئن انداز میں ہنسا اور گہری سانس لے کر اسے نظروں میں سمویا۔ "سوچ لیں بہت بڑی بات کہہ رہی ہیں آپ......"

اس کی آنکھوں میں لپکنے والی چمک نے وریشہ کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیا۔ وہ گھبرا کر سامنے بنی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے بولی۔ "اپنی غلط فہمی دور کر لیں' میں آپ کے ہسپتال کی بات نہیں کر رہی' بلکہ کسی بھی پسماندہ علاقے میں بننے والے ہسپتال کی بات کر رہی ہوں' وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔"

وہ ایک دم ہی تیز تیز چلتا ہوا اس کے سامنے آ کر راستہ روک کر بولا تھا۔ "اگر میرے ہسپتال' میرے گھر یا میرے دل سے بہتر جگہ آپ کو کوئی لگے تو آپ جا سکتی ہیں......" اس نے بہت جذب سے کہا تھا۔ وریشہ کو اپنے پورے وجود میں کرنٹ سا دوڑتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ وہ گھبرا کر پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھنے لگی۔ اپنے عقب میں اس نے ابتہاج کا قہقہہ سنا تھا۔ اس کے چہرے کی سرخی میں اضافہ ہوا۔ اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑک رہا تھا۔ وہ ایک لمحے کے حصار میں جکڑی گئی تھی۔

❖❖❖

وہ ہکا بکا انداز سے تابی کو دیکھ رہی تھی جو پندرہ دن کے بجائے بارہ دن بعد ہی واپس آ گئی تھی اور اب بڑے مزے سے اماں کے تخت پر ان کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ چھلانگ مار کر خوشی سے اتری تھی اور اب بڑے والہانہ انداز سے اس کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔

"تم کہاں سے آ گئیں؟ کیا سعودیہ سے ڈائریکٹ لینڈنگ یہیں گاؤں میں کی تھی......" اس نے بے ساختگی سے کہا۔

"ہمیں پتا چلا تھا کہ آپ اور اماں ہمیں بہت دل سے یاد کر رہی ہیں' بس ہم نے بھی فوراً واپس آنے کی ٹھان لی۔" تابندہ نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"ہم نے تو ایسی کوئی غلطی نہیں کی...... کیوں اماں......؟" اس کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔ اماں بھی اس کی ہاں میں ہاں ملا کر ہنسنے لگیں۔

"دیکھ لیں بھائی! آپ ڈاکٹر صاحبہ کو اور اماں کو' دونوں آپس میں کتنا "ایکا" کر کے بیٹھی ہوئی ہیں۔ میں بیچاری دس دنوں کے لئے کیا گئی' دونوں نے آنکھیں ہی ماتھے پر رکھ لی ہیں۔" وہ لاڈ بھرے انداز سے برآمدے کے ایک کونے میں رکھے بڑے سارے لکڑی کے جھولے میں اخبار منہ پر رکھے ابتہاج سے مخاطب ہوئی۔ وہ بھی وریشہ کی آواز پر فوراً اٹھ کر بیٹھ

گیا۔ وہ پچھلے تین دن سے اس کے سامنے آنے سے ہر ممکن طور پر کترا رہی تھی۔ اس وقت شاید اسے اندازہ نہیں تھا' اس لئے بوکھلا کر وہ فوراً ہی اماں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں' یہ آپ خواتین کا معاملہ ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اپنا دامن چھڑوایا۔ وہ اب متبسم انداز میں بغور اسے دیکھ رہا تھا جو اماں کے پیچھے چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اس لئے تو ہم کہتے ہیں کہ آپ اپنی خاتون بھی گھر لے آئیں تاکہ خواتین کے معاملے میں بول سکیں......" اس نے بھائی کو چھیڑا۔

"نہ بابا نہ' میں ایسے ہی ٹھیک ہوں......" اس نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"سوچ لیں' ورنہ ہم تو بہت کچھ سوچ چکے ہیں......" تابندہ کے لہجے کی معنی خیزی نے وریشہ اور ابتہاج دونوں کو ہی چونکا دیا تھا۔

"کیوں اماں......؟" اس نے اپنی چھیڑ چھاڑ میں اماں کو بھی گھسیٹا' جن کو صبح سے ہلکا ہلکا بخار تھا' لیکن وہ اس کے باوجود مسکرا رہی تھیں۔ "میری تو بیٹا اب آخری یہی خواہش ہے کہ جو چند دن رہ گئے ہیں' بیٹے کی خوشی بھی دیکھ لوں۔" دل گرفتہ تو وہ پہلے سے ہی ہو رہی تھیں' اب آنسو بھی چلے آئے تھے۔

وہ تینوں ہی بوکھلا گئے۔ "کیا ہو گیا ہے اماں آپ کو' کیوں ایسی باتیں کرتی ہیں......" تابندہ جذباتی ہو کر سب سے پہلے بولی تھی۔ ابتہاج بھی اٹھ کر ان کے پاس آ گیا تھا۔ وریشہ نے اٹھ کر فوراً اسے جگہ دی۔ وہ اب سامنے پڑی چارپائی پر بیٹھ گئی تھی۔ پورے ماحول میں ایک محسوس کی جانے والی سوگواریت پھیل گئی تھی۔ ابتہاج اپنے ہاتھوں سے ان کے آنسو صاف کر رہا تھا۔

"ان کی وجہ سے ہم لوگ پندرہ دن کے بجائے بارہ دن میں واپس چلے آئے اور اگلے ہفتے سائرہ بھی آ جائے گی' پھر بھی اماں ایسی دل دکھانے والی باتیں کرتی ہیں۔" تابی نے بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پا کر بھیگے لہجے میں کہا۔

"اماں کو اسی چیز کی تو ٹینشن ہے کہ اتنی مشکلوں سے تم دونوں کو گھر سے نکالا تھا' تم لوگ پھر تیسرے دن آ جاتی ہو' کیوں اماں......؟" ابتہاج نے ماحول کی سوگواریت دور کرنے کی ہلکی پھلکی کوشش کی۔

"آ لینے دیں سائرہ کو' بتاؤں گی اسے' وہ ہی آپ کو ٹھیک رکھتی ہے......" تابندہ روتے روتے ہنسی تھی۔

"آ جائے وہ کون سا میرے اوپر ڈی سی لگی ہوئی ہے......" وہ بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اسے چھیڑ رہا تھا۔

"چلیں آپ تو کافی لوگوں کے اوپر ڈی سی لگے ہوئے ہیں ناں' ان کو جا کر ڈرائیں' ہم ڈرنے والوں میں سے نہیں......" وہ حسب عادت زور سے ہنس دی۔

"تم لوگ مجھ سے چھوٹی ہو کر نہیں ڈرتی ہو کوئی اور کیا ڈرے گا......" اس نے اماں کے کندھے دباتے ہوئے مصنوعی مایوسی اپنے اوپر طاری کی۔ وریشہ نے چونک کر ان دونوں کو دیکھا۔ جواب ایک دوسرے پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ اس دن بوا بھی ان کے پاس آن بیٹھیں اور رات گئے تک گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا۔ اماں بھی باقاعدہ ساری بات چیت میں بھرپور حصہ لیتی رہیں۔ وہ بخار کے باوجود کافی فریش تھیں۔ صبح چار بجے کے قریب ان کی حالت کچھ خراب ہوئی اور ان کو دوبارہ ہسپتال لے جایا گیا اور وہاں کچھ گھنٹوں کے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ وہ سب ہکا بکا تھے۔ سب سے بری حالت سائرہ کی تھی۔ اس کی سیٹس اگلے ہفتے کی تھیں اور اماں اس کا انتظار کئے بغیر چلی گئی تھیں۔ وہ سخت صدمے کے عالم میں جب پہنچی تو اماں اپنی آخری آرام گاہ جا چکی تھیں۔ ایک ہفتے کے بعد سائرہ آئی تو گھر کا ماحول ایک دفعہ پھر سوگوار ہو گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اماں کا انتقال ابھی ابھی ہوا ہو۔ سارا گاؤں ایک دفعہ پھر امڈ آیا تھا۔ تعزیت کا سلسلہ تو پچھلے ایک ہفتے سے ہی جاری تھا لیکن سائرہ کی آمد کے بعد لوگ ایک دفعہ پھر اس سے افسوس کرنے آ رہے تھے۔ بوا تو بالکل گم سم تھیں' وہ اماں کی وفات کو ذہنی طور پر قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہیں تھیں۔ اس لئے بیٹھے بیٹھے اماں کو آوازیں دینے لگتیں تو کبھی ان کے لئے پرہیزی کھانا تیار کر کے گھنٹوں میز پر رکھ کر اسے تکتی رہتیں اور پھر بلند آواز میں رونا شروع کر دیتیں۔ وریشہ نے تو کچھ دن ان کو ڈیپریشن کم کرنے کی ادویات دیں لیکن کوئی افاقہ نہ دیکھ کر اس دن وہ بوا کے سامنے آن بیٹھی۔

"آپ اس حقیقت کو مان کیوں نہیں لیتیں کہ اماں اب اس دنیا میں نہیں رہیں' یقین کریں اس کو مان لینے سے آپ کی زندگی آسان ہو جائے گی۔" وریشہ نے ان کے دونوں اتھ اپنے ہاتھوں مین پکڑ کر بہت محبت اور نرمی سے کہا تھا۔

"میرا دل نہیں مانتا......" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھیں۔

"آپ کے دل کے نہ ماننے سے حقیقت بدل تو نہیں جائے گی ناں۔ جب میری ماما کا انتقال ہوا تھا تو مجھے بھی لگتا تھا کہ بس یہ ایک ڈراؤنا سا خواب ہے' آنکھ کھلے گی تو سب کچھ ویسا ہی ہوگا' لیکن بوا سب کچھ ویسا نہیں ہوسکتا' حقیقت پہاڑ کی طرح ہوتی ہے' ہم جب بھی ڈر سے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولتے ہیں وہ پہاڑ پوری طاقت کے ساتھ ہمارے سامنے ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں حقیقت کی طاقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ یقین مانیں بہت دکھ ہوتا ہے' دل پھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ وقت اس کی تلخی کو خود بخود کم کر دیتا ہے......" وہ بہت اپنائیت سے ان کو سمجھا رہی تھی۔

"پتر تم سوچ نہیں سکتی ہو کہ میری بھرجائی میرے لئے کیا تھی؟ ایک ماں کی طرح اس نے مجھے پناہ دی' ایک بہن کی طرح مجھے محبت سے نوازا' ایک سہیلی کی طرح میرے دکھ سکھ سنے۔ میں جب اس گھر میں میاں کے ساتھ آئی تھی تو دنیا نے بہت ڈرایا تھا کہ بھرجائیاں مستقل طور پر نندوں کو برداشت نہیں کرتیں' لیکن میری بھرجائی تو ایسی نیک صفت عورت تھی کہ ساری زندگی میں نے اس عظیم عورت کے متھے پر کوئی بل نہیں دیکھا۔ مجھے تو لگتا ہے' میری ماں ایک دفعہ پھر مر گئی۔" بوا کی آنکھوں سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ سائرہ بھی ان دونوں کو باتیں کرتا دیکھ کر وہاں آ گئی تھی اور خاموشی سے بیٹھ گئی تھی۔

"میں مانتی ہوں بوا' اس بات کو۔ آپ کا دکھ بہت بڑا ہے لیکن یہ بھی تو سوچیں ناں کہ اللہ اپنے بندوں پر کبھی بھی ان کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ صبر کرنا بھی آسان نہیں' لیکن انسان اس معاملے میں بے بس ہے۔ آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اماں نے اپنی تکلیف کو کس قدر بہادری اور حوصلے سے برداشت کیا۔ میں نے کبھی بھی ان کے منہ سے اف نہیں سنی' ورنہ جتنی تکلیف میں وہ تھیں' ایسے مریض بیچارے تو تکلیف کی شدت سے بے حال ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ان کے گھر والے بھی اسی تکلیف کو محسوس کر رہے ہوتے ہیں۔" اس کی بات پر بوا نے بے اختیار اپنے آنسو صاف کئے تھے' جبکہ وہ اپنے مخصوص محبت بھرے انداز سے گویا تھی۔ "جتنی تکلیف میں وہ تھیں' اللہ نے ان کو بہت آسانی دی ہے۔ آپ بس ان کے لئے دعا کریں کہ ان کی اگلی منزلیں بھی اللہ آسان کرے۔"

"انشاء اللہ......!" بوا اور سائرہ دونوں کے منہ سے ایک ساتھ ہی نکلا تھا۔

"وریشہ تم بہت اچھی لڑکی ہو' اللہ تمہاری قسمت بہت اچھی کرے' تم نے ہمارا بہت مشکل وقت میں ساتھ دیا۔" سائرہ نے پرخلوص انداز سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"پتا نہیں سائرہ' میرے یہاں آنے میں خدا کی کیا مصلحت تھی' میں نے کبھی زندگی میں سوچا بھی نہیں تھا کہ میں اس علاقے میں آؤں گی۔ لیکن میں نے یہاں جتنا بھی وقت گزارا' میں سب لوگوں کی محبت اور اپنائیت کو کبھی بھی نہیں بھلا پاؤں گی۔ آپ کی والدہ بہت اچھی اور نیک خاتون تھیں' انہوں نے مجھے بالکل ایک سگی ماں کی طرح ٹریٹ کیا' بعض دفعہ تو مجھے بے اختیار ماما یاد آ جاتی تھیں......" وریشہ کی آنکھوں سے اداسی جھلک رہی تھی' لیکن وہ زبردستی مسکرا رہی تھی۔

"تمہیں اس لئے اماں اچھی لگیں' کیونکہ تم اصل میں خود بہت اچھی اور خالص لڑکی ہو۔ تم میں بناوٹ قطعاً نہیں......" سائرہ نے کھلے دل سے اسے سراہا تھا۔

"تھینک یو سائرہ......!" وریشہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے ابتہاج بتا رہا تھا کہ تمہارے بابا تمہیں لینے آ رہے ہیں......" سائرہ کی بات پر وہ زبردست چونکی' خوشی کا بڑا گہرا سا احساس بڑے فطری انداز سے اس کے چہرے پر نمودار ہوا تھا۔ "اچھا واقعی......کب......؟" اس نے بے اختیار پوچھا۔

"ابھی تو تم ہماری محبتوں کا اعتراف کر رہی تھیں اور اب ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے کسی قیدی کو جیل سے چھٹکارا مل رہا ہو......" سائرہ نے شرارت سے اسے چھیڑا تو وہ فوراً جھینپ گئی۔ "نہیں' ایسی کوئی بات نہیں' اصل میں بابا سے ملاقات ہوئے کافی عرصہ ہوگیا تھا ناں' اس لئے اور پھر میرے فائنل ایئر کے ایگزام بھی قریب ہیں......"

"چلو شکر ہے' ورنہ میں تو سمجھی تھی کہ شاید تم ہمارا دل رکھنے کے لئے کہہ رہی تھیں......" سائرہ نے اس کے بلش ہوتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھا۔

"وریشہ بہت مروت والی لیکن بہت سادہ سی لڑکی ہے۔ اس کو گھسن گھیریاں دینی نہیں آتیں......" تابی چائے کی ٹرے لئے اندر داخل ہوتی ہوئی بولی تھی۔

"تمہیں بہت پتا ہے ناں......" سائرہ نے چائے کی شوقین تابندہ کا بڑا مگ اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا' جبکہ وہ اس کی شرارت پر گھور کر رہ گئی۔

"جوہرشناس نظریں ہیں ہماری......" تابندہ نے اپنا فرضی کالر اٹھاتے ہوئے بڑے ٹھاٹ سے کہا تھا۔

"کس کی جوہرشناس نظریں ہیں' کیا میری......؟" ابتہاج کوئی فائل اٹھائے اچانک اندر آیا تھا۔ اس نے تابندہ کی بات سنی تھی۔ اس لئے سوالیہ نظروں سے سامنے بیٹھی چاروں خواتین کو غور سے دیکھا۔ آج کافی دن بعد بوا کے چہرے پر کچھ اسے بشاشت نظر آئی تھی۔ اس نے آتے ہی وریشہ کا چائے کا کپ اٹھا کر منہ کو لگا لیا تھا۔

"بھائی یہ وریشہ کی چائے تھی......" تابی نے احتجاجی نظروں سے اسے دیکھا جو بہت مزے سے کھڑا کھڑا چائے پی رہا تھا۔

"زیادہ چائے پینے سے رنگ کالا ہو جاتا ہے' تمہارا تو پہلے ہی پورا سورا ہے اب وریشہ کو تو احتیاط کرنی چاہیے......" وہ بھی آج کافی دن بعد مسکرایا تھا۔ سائرہ نے غور سے بھائی کا چہرہ دیکھا اور معنی خیز انداز میں بولی۔ "آپ کو وریشہ کے رنگ کی کیوں اتنی ٹینشن ہو رہی ہے......؟"

"ظاہر ہے مجھے ہی تو ٹینشن ہو گی' کل پروفیسر صاحب آ رہے ہیں' ایسا نہ ہو کہ اپنی بیٹی کو پہچاننے سے انکار کر دیں اور لے کر تو میں ہی آیا تھا ناں......" اس کا انداز سنجیدہ جبکہ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

"بے فکر رہیں' دوبارہ بھی آپ ہی لے کر آئیں گے......" سائرہ کے ذومعنی انداز پر دونوں نے گڑبڑا کر اسے دیکھا جس کے چہرے پر شوخی اور شرارت رقصاں تھی اور وہ بہت مزے سے چسکیاں لے لے کر چائے پی رہی تھی۔ وریشہ کو اندازہ ہوا کہ دونوں بہن بھائی میں حد درجہ بے تکلفی تھی۔ اسے یاد آیا کہ تابندہ نے بتایا تھا کہ دونوں میں صرف ایک سال کا فرق ہونے کی وجہ سے کافی دوستی تھی۔ سائرہ بڑی بے تکلفی سے اس کا نام لے کر بلاتی تھی۔ اس کی بات کو نظرانداز کر کے وہ بولا تھا۔

"اب فٹافٹ ان کاغذوں پر سائن کر دو' اپنا اپنا حصہ لو' ایسا نہ ہو کہ کل میری نیت خراب ہو جائے......" وہ مختلف قانونی معاملات کے ڈاکومنٹس سامنے رکھتا ہوا بولا تھا۔

"یہ کیا خرافات ہیں' میں نے بھائی پہلے بھی کہا تھا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے......" تابی نے انتہائی خفگی سے کہا تھا۔

"یہ خرافات نہیں' اماں کے نام پر جو چیزیں تھیں' ان کے ڈاکومنٹس ہیں' مجھے اسلام کے بنائے گئے قوانین پر چلنا ہے' جو تم لوگوں کا حصہ بنتا ہے' وہ تو میں کسی صورت نہیں رکھوں گا۔ میں کیوں گناہ گار بنوں' اس لئے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں' فوراً سائن کرو......" اس نے انتہائی محبت بھرے انداز میں دھمکایا تھا۔

"آپ میرا سارا حصہ تو اپنے ہسپتال میں ڈال لیں اور ایک وارڈ اماں کے نام پر ضرور بنائیں......" اس نے سائرہ کی سنجیدہ سی بات سنی تھی۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ وہ ان کا انتہائی ذاتی معاملہ تھا۔ اس لئے اس نے وہاں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"میں پورا ہسپتال ہی اماں کے نام پر بنا رہا ہوں......" وریشہ نے کمرے سے نکلتے ہوئے ابتہاج کا جواب سنا تھا۔ ہسپتال کے نام پر اسے کچھ دن پہلے کی اس کی بات یاد آ گئی۔ اس کے چہرے پر بڑے خوبصورت رنگ پھیلے تھے۔

❖❖❖

"اوہ مائی گاڈ......!" تم کامریڈ کے گاؤں میں اس کے گھر پر ہو' مجھے جب بابا نے بتایا' یقین مانو مجھ سے صبر نہیں ہو سکا......" ارسلہ کی کافی دن کے بعد جاپان سے کال آئی تھی۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں چیخ کر بول رہی تھی۔ وہ جب بھی کچھ جوش میں آتی تھی' اس کی آواز کا والیم خودبخود تیز ہو جاتا تھا۔

"کہاں ہے وہ کمینہ انسان......؟" وہ ارسلہ کے انتہائی بے تکلفانہ انداز پر چونکی۔ "اس خبیث کو میں نے اماں کے انتقال پر فون کیا' اس سے پہلے ان کی بیماری کے دنوں میں بھی اس سے رابطہ رہا لیکن اس گھنے نے مجھے ایک دفعہ بھی نہیں بتایا کہ تم اس کے گھر میں ہو۔ یہ شروع سے ہی انتہائی کمینی حرکتیں کرتا آیا ہے۔" ارسلہ کے انداز و بیان سے لگ رہا تھا کہ ان دونوں کے درمیاں خاصے بے تکلفانہ مراسم تھے۔

"تم اس کو چھوڑو' مجھے یہ بتاؤ' تم کہاں مرگئی تھیں' آج بیس پچیس دن کے بعد تمہیں میرا خیال آیا ہے......" وریشہ نے اس کی کلاس لی۔

"کہاں فون کرتی' جس سرنگ میں تم رہ رہی ہو' آج کل وہاں سگنل ہی کہاں ڈھنگ سے آتے ہیں' ویسے یہ کامریڈ کا بچہ ڈپٹی کمشنر لگا ہوا ہے اور اپنے گاؤں میں ایک بوسٹر نہیں لگوا سکتا' ذرا بات کراؤ مجھ سے۔ اس کی طبیعت میں سیٹ کروں گی۔" ارسلہ کا غصہ کسی طور کم نہیں

ہو رہا تھا۔

"یہ تم کامریڈ ابتہاج کو کہتی تھیں...... یہ ڈپٹی کمشنر ہے؟" وریشہ کے دماغ میں کچھ باتیں کلک کر کے روشن ہوئی تھیں۔ اس کو جھٹکا ہی تو لگا تھا۔

"یہ کامریڈ وہی ہے ناں جس کی سی ایس ایس میں سیکنڈ پوزیشن تھی......؟" اس نے سخت حیرت سے پوچھا تھا۔ کامریڈ کے حوالے سے اس کا نام اس کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ اس نے کئی دفعہ بابا اور ارسلہ کے منہ سے یہ نام سنا تھا۔

"ہاں وہی میرا خبیث کلاس فیلو ہے' اتنا مشکل اس کا نام تھا۔ کون ایک منٹ لگا کر ابتہاج ہاشمی کہے۔ اس لئے جب بابا نے اس کا نام کامریڈ رکھا تو ہم سب نے بھی اسے یہ ہی کہنا شروع کر دیا۔" وہ بہت مزے سے کہہ رہی تھی۔

"میرا اور اس کا ہر معاملے میں مقابلہ چلتا تھا جب میں نے سی ایس ایس میں ٹاپ کیا تھا تو اس کی شکل دیکھنے والی تھی' لیکن ان سب باتوں کے باوجود ہماری بڑی مزے والی دوستی تھی' بلکہ ہے۔ ابھی بھی ہر پندرہ دن بعد بات ہو جاتی ہے اور زیادہ وقت ہمارا لڑنے میں ہی گزر جاتا ہے۔ یہ کئی دفعہ تو ہمارے گھر بھی آیا ہے' تمہیں یاد ہے......؟"

"نہیں' مجھے یاد نہیں' اور ویسے بھی پچھلے چار سالوں سے تو میں ہوسٹل میں ہوں......" اس نے سادگی سے کہا۔ اسے سخت حیرت ہو رہی تھی کہ وہ اتنا سادہ دکھائی دینے والا بندہ ڈپٹی کمشنر تھا' نہ اسے اور نہ ہی اس کے گھر میں سے کسی کو اس کی اس پوسٹ پر اس نے اتراتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ سارے ہی حد درجہ سادہ اور درویش صفت لوگ تھے۔

"حیرت ہے مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں......" وہ بات کرتے کرتے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

"پتا ہے وریشہ' بابا کی بہت خواہش تھی کہ میری اس کے ساتھ شادی ہو جائے...... میرا ان دنوں عشق اشعر کے ساتھ زوروں پر تھا اور کامریڈ کو اس کا پتا تھا۔ یہ تھا تو کمینہ لیکن اس نے اس معاملے میں ہمارا خوب ساتھ دیا' کیونکہ اشعر اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ بابا کو آج تک ہمارے عشق کی خبر نہیں ہو سکی' ابتی نے بڑے اچھے انداز سے اس کا پرپوزل بابا کے سامنے پیش کیا اور بیچارے بابا' ماما کو بتا رہے تھے کہ ان کی خواہش تو ابتہاج کے لئے تھی لیکن اس نے پہلے ہی اپنے دوست کا پرپوزل بھیج دیا۔ اس لئے انہوں نے اس معاملے کو وہیں ختم کر دیا اور

پھر اشعر سے مل کر تو بابا بہت خوش ہوئے اور جھٹ پٹ ہماری شادی ہو گئی......"

"تم کتنی گھٹیا ہو ارسلہ' تم مجھے آج یہ اپنی تھرڈ کلاس اسٹوری سنا رہی ہو' تمہیں شرم نہیں آتی......" وریشہ کو اس کی ہنسی سخت زہر لگ رہی تھی۔

"اس وقت تو قسم لے لو بہت شرم آتی تھی اور کچھ تم اپنی میڈیکل کی اسٹڈی میں اتنی غرق تھی کہ میں نے سوچا کہ کیا اپنی معصوم بہن کو تنگ کرنا' خود ہی مسئلہ حل کر لیتے ہیں اور کچھ تم سے تھوڑی سی جھجک جو تھی کہ کیا سوچو گی......" اپنی بات کے آخر میں اس نے حسب عادت قہقہہ لگایا تھا۔

"یقین کرو کہ دل کر رہا ہے کہ میں آ کر تمہارا سارا منہ نہ سہی لیکن اگلے چار دانت تو ضرور ہی توڑ دوں......" اس کی ہنسی وریشہ کو تپا رہی تھی۔ اس نے کوفت اور جھنجھلاہٹ سے سامنے کھلی کھڑکی سے اندر آتی سدرہ کو دیکھا۔ اسی وقت ابتہاج بھی برآمدہ کراس کر کے صحن میں پہنچا تھا۔ سدرہ نے اسے روک لیا تھا۔ وہ دھوپ سے بچنے کے لئے ہاتھ میں پکڑی فائل کو ماتھے پر چھجا سا بنائے کھڑا تھا۔ وریشہ کی ساری توجہ اس کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

"وشی شکر ہے کہ بابا کا مسئلہ حل ہوا' مت پوچھو کتنی ٹینس تھی میں......؟" ارسلہ اب کچھ سنجیدہ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"کون سا مسئلہ......؟" اس نے بے دھیانی سے پوچھا۔ آنکھیں اتنے فاصلے سے بھی سامنے کا منظر صاف دیکھ رہی تھیں۔ وہ سدرہ کو کچھ کہہ رہا تھا جبکہ اس کا شرمایا ہوا چہرہ اور اس پر پھیلے رنگ وریشہ کو جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہے تھے۔ مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ بھی نہ جانے کون سی داستان امیر حمزہ اسے سنا رہا تھا۔ وہ یک ٹک ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"بابا بہت اپ سیٹ تھے' لیکن شکر ہے کہ اللہ نے عزت رکھ لی......" ارسلہ کی بات سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔ آف وائٹ شلوار سوٹ میں ابتہاج کا دراز قد اور بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ اب بالکل کھڑکی کے پاس آ گئی تھی۔ دوپہر کا وقت تھا اور اس وقت سب ہی کمروں میں دبک بیٹھے تھے۔

"کس کی عزت کی بات کر رہی ہو......؟" وریشہ اب کہ الجھی' لیکن اسی وقت سگنل ڈراپ ہونا شروع ہو گئے تھے اور ابتہاج بھی گیٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ سدرہ اپنا پراندہ فضا میں گھماتی بڑے سرشار انداز سے اندر آ رہی تھی۔ وریشہ کو آج پہلی دفعہ اس سے تھوڑا سا حسد

محسوس ہوا تھا۔ وہ اپنے محسوسات خود بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ اسے واقعی غصہ آ رہا تھا۔ کال ڈراپ ہو چکی تھی۔

"یہ ارسلہ کس کی عزت کی بات کر رہی تھی۔ وہ اب فراغت سے سامنے پڑے بیڈ پر لیٹی تھی جب معاً اسے یاد آیا۔ کچھ دیر اس نے بے مقصد اپنا دماغ لڑایا لیکن دماغ پر سدرہ کا رنگوں میں نہایا ہوا چہرہ کسی بھی نکتے کی جانب اس کی توجہ مبذول ہونے نہیں دے رہا تھا۔ اس نے تھک ہار کر پلنگ کی پشت سے ٹیک لگالی' وہ خاصی ملول بیٹھی ہوئی تھی۔ سدرہ شاید گول کمرے میں تابندہ اور سائرہ کے پاس تھی۔ اس کے آج کل یہاں کے خوب چکر لگ رہے تھے۔

"میری طرف سے جائے بھاڑ میں' مجھے کسی سے کیا لینا' دینا' آج ہی بابا کو فون کرتی ہوں کہ جلد آئیں' اتنا زیادہ میرا پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ ان کو احساس ہی نہیں......" اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ خود کو سمجھانا دنیا کا مشکل کام ہے اور یہ مشکل کام وہ انتہائی وقت سے ہی سرانجام دے رہی تھی۔ سوچوں میں گم نہ جانے وہ کس وقت نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا۔

❖❖❖

اس نے سخت بے یقینی سے سامنے کا منظر دیکھا......

وہ ایک دم ہی آگے بڑھی' اس کے چہرے کی حیرت بڑی تیزی سے مسرت کے رنگوں میں ڈھلی تھی۔ "اوہ مائی گاڈ بابا' یہ آپ ہیں......؟" اس نے ابھی ابھی ابتہاج کے ساتھ اندر داخل ہوتے بابا جانی کو دیکھا تھا۔ صبح سات بجے کا وقت تھا اور وہ چمپا کے خوشبو اڑاتے پیڑوں کے پاس کرسی رکھے بڑی فراغت کے ساتھ چائے کا مگ لئے بیٹھی تھی۔ آج موسم خاصا اچھا تھا اور وہ سائرہ کے ساتھ موسم کی دلفریبی کو محسوس کرنے کے لئے اپنے پسندیدہ گوشے میں بیٹھی تھی اور سدرہ کے دوبئی پلٹ کزن سے اس کی اچانک منگنی کا قصہ دلچسپی سے سن رہی تھی۔ اسے کل سدرہ کے چہرے پر پھیلی خوشی کی وجہ سمجھ میں آ گئی تھی۔ سائرہ ابھی ابھی کسی کام سے اندر گئی تھی' جب اس نے بابا کو ابتہاج کے ساتھ گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

"بابا' یہ آپ ہی ہیں ناں......" وریشہ کے چہرے پر بڑی بھرپور قسم کی مسکراہٹ تھی۔

"نہیں' بیٹا' ابھی کلوننگ کروا کر آ رہا ہوں......" بابا کے چہرے پر صدیوں کی تھکن جب

کہ لہجہ بشاشت کا بھرپور انداز لئے ہوئے تھا۔ وہ بھاگ کر ان کے سینے سے لگی تھی۔ "بابا یہ آپ کو کیا ہوا ہے......؟" اس نے غور سے ان کا کمزور جسم اور بڑھی شیو کو دیکھا۔ کپڑے بھی شاید اچھی طرح سے پریس نہیں تھے۔ اس کو شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ جانتی تھی کہ بابا کتنے ویل ڈریس اور نفیس انسان تھے۔ ایسا حلیہ تو ان کا ماما کے انتقال کے روز بھی نہیں تھا۔

"بابا آپ کو انڈیا والوں نے کہیں قید میں تو نہیں رکھا ہوا تھا' یہ کیسا حلیہ بنایا ہوا ہے آپ نے......؟" اس کی خوشی پریشانی میں ڈھل چکی تھی۔ وہ اب غور سے بابا کے سرخ و سفید چہرے میں چھلکتی زردی' آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے اور جھریوں کو دیکھ رہی تھی۔ بائیس دن سے وہ یہاں تھی' اس سے پہلے پندرہ دن سے وہ راولپنڈی میں تھی۔ اس نے تقریباً ان کو ڈیڑھ ماہ بعد دیکھا تھا۔ ڈیڑھ ماہ پہلے وہ بالکل فریش ان کو چھوڑ کر آئی تھی۔

بابا اپنے ازلی پروقار انداز سے مسکرا رہے تھے۔ اسی وقت سائرہ ایک اور چائے کا مگ لئے اندر سے نمودار ہوئی تھی۔

"یار کیا ہے تم لوگوں کو' صبح شام بس ایک ہی کام ہے' جب دیکھو اتنی گرمی میں یہ بڑے بڑے مگ منہ سے لگا رکھے ہوتے ہیں۔" ابتہاج نے بہت سرعت سے بات تبدیل کی تھی۔

سائرہ سے ملنے کے بعد وہ اب بابا کا ہاتھ پکڑ کر مہمان خانے کی طرف جا رہا تھا۔

"یہ ابتہاج کا بھی کچھ پتا نہیں چلتا' مجھے ڈھنگ سے پروفیسر صاحب کا حال احوال بھی پوچھنے نہیں دیا......" سائرہ جھنجھلاہٹ سے کہتے ہوئے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔ "ہمیں چائے پینے سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ بخشے اماں کہا کرتی تھیں کہ ابتہاج کے جسم میں خون کم اور چائے زیادہ ہوگی۔"

"بابا پتا نہیں کیوں اتنے کمزور لگ رہے ہیں......" وہ حد درجہ پریشان اور بے چین ہو گئی تھی۔ سائرہ نے غور سے اس کا الجھا ہوا چہرہ دیکھا۔ "ہاں مجھے بھی کافی ویک لگ رہے تھے' کہیں بیمار تو نہیں رہے......" سائرہ کی بات نے اس کی بے چینی میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں مہمان خانے میں بابا کے پاس جا رہی ہوں......" اس نے چائے کا آدھا مگ ویسے ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ سائرہ کچھ کہتی وہ فوراً چل پڑی تھی۔ راستے میں ہی اس کا ابتہاج سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔ وہ ٹھٹھک گئی۔

"آپ کہیں پروفیسر صاحب کے پاس تو نہیں جا رہیں......" اس کی قدرے سنجیدہ آواز

وریشہ کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ وریشہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کوئی ضرورت نہیں، وہ ابھی بہت تھکے ہوئے ہیں۔ ان کو شاور لے کر آرام کرنے دیں۔ جب وہ اٹھ جائیں، تب مل لیجئے گا......" ابتہاج کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔

"لیکن کیوں......؟ مجھے ان سے ابھی ملنا ہے، وہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے......" اس کا انداز بھی دوٹوک تھا۔ ابتہاج نے اس کا سرد لہجہ اور ضدی انداز غور سے دیکھا تھا۔ وہ ہلکا سا جھنجھلایا تھا۔ "یہ کیا بچگانہ پن ہے وریشہ، جب میں کہہ رہا ہوں کہ وہ خاصے تھکے ہوئے ہیں اور زیادہ سوال جواب کی پوزیشن میں نہیں، تو آپ میری بات کیوں نہیں مان رہیں......"

"میرا تعلق کون سا خفیہ ایجنسیوں سے ہے جو میں ان سے سوال جواب کروں گی۔ اب کیا میں اپنے باپ سے بھی نہیں مل سکتی......" اس کے لہجے میں طنز کی کاٹ تھی، اس نے شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا۔ ابتہاج کو وہ کچھ خفا خفا سی لگی تھی، لیکن وہ اس کی ناراضگی کو سمجھنے سے قاصر تھا۔

"میں کون سا ان کا یا آپ کا دشمن ہوں۔ ان کے فائدے کے لئے ہی کہہ رہا تھا۔ وہ کئی راتوں کے جاگے ہوئے ہیں۔" وہ بھی لاتعلقی کا انداز لئے غصے میں بولا تھا۔

"وہ کئی راتوں سے کیوں نہیں سو سکے، یہی بات تو میں پوچھنا چاہ رہی ہوں......" وہ ایک دم ہی پریشان ہو گئی تھی لیکن اس کی نگاہوں میں موجود ناراضگی اور خفگی کی لہریں اس سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ اس لئے وہ تھوڑا سا نرم ہوئی۔

"ادھر آئیں میں بتاتا ہوں......" اس نے لاشعوری طور پر اس کا بازو پکڑا تھا۔ وریشہ کے دل میں عجیب سی پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ اسے پتا ہی نہیں چلا، وہ کب اس کے ساتھ سامنے والے کمرے میں آ گئی تھی۔ ابتہاج کو ایک دم ہی خیال آیا تھا۔ اس نے گڑبڑا کر اس کا بازو چھوڑا تھا۔ وہ اسے اماں کے کمرے میں لے آیا تھا۔ وہ اب کھڑکیاں کھول کر پردے پیچھے کر رہا تھا۔ وریشہ سامنے پڑی کرسی پر بڑے محتاط انداز میں بیٹھ گئی تھی۔ جبکہ وہ اب دروازے میں کھڑا ہو کر کسی ملازمہ کو کھانا مہمان خانے میں بھیجنے کی ہدایات دے رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے سیل فون پر منشی صاحب کو کچھ فائلیں لانے کو کہا تھا۔ وریشہ حد درجہ بے چین تھی۔ اس کا دل عجیب ہی قسم کے سگنلز دے رہا تھا۔

"آپ بتا کیوں نہیں دیتے، یہ سب کام بعد میں کر لیجئے گا......" وہ اسے ایک اور نمبر

ملاتے دیکھ کر جھنجھلائی تھی۔

"محترمہ میں پچھلے پندرہ دن سے چھٹی پر ہوں، میری ایک ننھی سی جان پر ڈھیروں ذمے داریوں کا بوجھ ہے۔ اتنے بڑے شہر کی انتظامی مصروفیات کم نہیں ہوتیں......" وہ پرسکون انداز میں اسے کہہ کر ایک دفعہ پھر اپنے سیل فون کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ دوسری طرف شاید آواز نہیں جا رہی تھی۔ اس لئے اس نے ہیلو، ہیلو کی گردان ختم کر کے فون ہی بند کر دیا تھا۔ وریشہ کو پہلی دفعہ خراب نیٹ ورک اتنا برا نہیں لگا تھا۔ اس نے سکون کا سانس لیا کیونکہ وہ اب سامنے والی کرسی سنبھال چکا تھا۔

"مجھ سے کیوں ناراض ہیں آپ......" وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے اطمینان سے پوچھ رہا تھا۔

"میں آپ سے ناراض نہیں ہوں، مجھے صرف بابا کی ٹینشن ہے......" اس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا۔

"اتنے دن سے بابا یاد نہیں تھے، آج دیکھتے ہی ساری پریشانی اُمڈ آئی ہے......" وہ ہلکے پھلکے انداز سے کہہ رہا تھا۔

"آپ کو زیادہ پتا ہے ناں......" اس کو ایک دم غصہ آیا۔

"مجھ سے زیادہ کسی کو پتا بھی نہیں ہو سکتا......" اس کا معنی خیز انداز وریشہ کو اس وقت کوفت میں مبتلا کر رہا تھا۔ "آپ بتائیں گے یا میں بابا کے پاس جاؤں......" اس نے دھمکی دی۔

"زیادہ دھمکیاں نہ دیں، ان سے بات اگلوانا بھی اتنا آسان نہیں......" اس نے صاف چڑایا تھا۔ وریشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ اس کی نم آنکھیں دیکھ کر بوکھلا گیا۔ "اُف اوکے، میں بتاتا ہوں، آپ آنکھیں صاف کریں فوراً......" اس کے تحکم بھرے انداز پر وریشہ نے سر جھکا کر بازو کی پشت سے آنکھوں کو باقاعدہ رگڑا تھا۔

"اصل میں آپ کے بابا انڈیا نہیں گئے تھے۔ وہ یہیں تھے اور مختلف قسم کی انکوائریاں بھگت رہے تھے۔ اصل میں جب ان کو اپنی فیکلٹی کا ڈین بنایا گیا تھا تو یہ بات یونیورسٹی کی کچھ گندی مچھلیوں کو پسند نہیں آئی اور ان کے خلاف باقاعدہ ایک منظم انداز سے مہم کا آغاز کر دیا گیا......" وہ بہت اطمینان سے بتا رہا تھا۔ وریشہ نے حواس باختہ انداز میں اسے دیکھا جو کہہ رہا

تھا۔

''آپ کو علم ہوگا کہ آپ کے بابا کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کو اسٹوڈنٹس اپنا آئیڈیل مانتے ہیں۔ ایک دنیا ان سے متاثر ہے اور جس شخص کو اتنا زیادہ سراہا جاتا ہو' وہاں کچھ پروفیشنل جیلسی رکھنے والے لوگ حسد کی آگ میں جلتے ہوئے بہت گھٹیا قسم کے ہتھکنڈوں پر اتر آتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کو پہلے دھمکایا گیا کہ وہ ڈین بننے سے خود ہی انکار کر دیں۔ جب وہ نہیں مانے تو اس گروپ نے ایک اور وار کیا۔'' وریشہ کا دل کچھ اور بے چین ہوا۔ اس کے چہرے سے ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''انہوں نے ایک اسٹوڈنٹ کو مختلف قسم کی ترغیبات دے کر آمادہ کیا اور اسے اپنا مہرہ بنا کر استعمال کیا۔ اس نے پروفیسر صاحب پر ریپ کا الزام لگا کر میڈیا والوں کو بلا لیا......''

''کیا......؟'' وریشہ کے سر پر آسمان ہی تو گرا تھا۔ وہ کچھ ساعتوں کے لئے بالکل سن سی ہو گئی۔

''ایک دفعہ تو یہ خبر الیکٹرانک میڈیا پر آ گئی تھی......'' ابتہاج کی بات پر اس کا دل بھی دھڑکنا بھول گیا تھا۔ ''اس کے بعد میں نے ارسلہ نے اور کچھ اور لوگوں نے اس خبر کو چلنے سے رکوایا' آپ کے بابا کو آپ کی ٹینشن تھی کہ آپ اپنے کالج میں اپنے ساتھیوں کو کیسے فیس کریں گی' اس کا حل ہمیں یہ ہی نظر آیا کہ آپ کو وہاں سے نکالا جائے۔ پروفیسر صاحب کو میں نے اپنے گھر کی آفر کی' انہوں نے فوراً اپنی رضامندی ظاہر کی' جس کے نتیجے میں آپ یہاں آ گئیں' یہاں نہ تو کیبل تھی' نہ کوئی اور ذریعہ' اس وجہ سے آپ کا رابطہ باقی دنیا سے کٹ گیا۔ پروفیسر صاحب نے ارسلہ کو بھی نہیں بتایا تھا کہ آپ یہاں ہیں' ان کو ڈر تھا کہ وہ کہیں جذباتی ہو کر کچھ آپ کو بتا ہی نہ دے۔ اتفاق سے اس پریشانی میں ارسلہ نے آپ سے بھی رابطہ نہیں کیا۔ اس کا مجھ سے مسلسل رابطہ تھا' لیکن آپ کی یہاں آمد کا اسے پروفیسر صاحب نے ہی بتایا تھا......''

''بابا کے معاملے کا کیا بنا......؟'' وریشہ رندھی ہوئی آواز میں بولی تھی' اس کا لہجہ پریشانی کا غماز تھا۔ بابا کی ذہنی تکلیف کا سوچ کر ہی اس کا حساس سا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

''جس طرح جھوٹ کے کوئی پاؤں نہیں ہوتے اور اسے اپنے ٹھکانے سے بہت محبت ہوتی ہے' اسی طرح دھوکا' فریب بھی ساری دنیا میں گھوم پھر کر اپنے ٹھکانے پر واپس آ ہی جاتا

ہے۔ اس کے مالکوں کے حصے میں پھر رسوائی اور ندامت ہی آتی ہے۔ یونیورسٹی انتظامیہ نے ایک تحقیقاتی کمیٹی بنائی' ہم نے اس لڑکی کو ہی ٹریپ کیا' اس کے ضمیر کو جھنجھوڑا' اس نے سارا بھانڈا کھول دیا۔ ساری گرہیں کھل گئیں۔ پروفیسر صاحب کی بے گناہی ثابت ہوئی۔ ان کے مخالفین اب جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہیں......'' وہ سارے واقعے کی سنگینی کو حد درجہ کم کر کے مختصراً بتا رہا تھا۔

''تو جب ساری دنیا کو پتا تھا تو مجھ سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی' بابا نے اتنے تکلیف وہ دن پتا نہیں کیسے گزارے ہوں گے......'' اس کے آنسو پھسل کر گالوں پر بہہ رہے تھے۔

''آپ نے ان تکلیف دہ دنوں میں بھی کچھ کرنا تھا' جو آپ اب کر رہی ہیں......'' وہ ٹشو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے شرارتی انداز میں بولا تھا۔ ''اصل میں آپ کے بابا کو آپ سے بہت محبت ہے' وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لاڈلی اس تکلیف سے گزرے جس سے وہ پورے پچیس دن گزرے تھے۔''

''اب کون سا نہیں ہو رہی......'' اس نے ٹشو سے آنکھیں صاف کیں۔ اس کا لہجہ ابھی بھی نمی لئے ہوئے تھا۔

''اب تو کچھ گھنٹوں کی تکلیف ہے۔ آپ نے تو پچھلے پچیس دنوں میں ٹینشن سے فوت ہی ہو جانا تھا' پھر میرا کیا بنتا......؟'' اس کی آنکھوں میں شرارت جگمگا رہی تھی۔

''پھر آپ کسی اور لڑکی کو ایسے ہی بیٹھا کر پٹا رہے ہوتے......'' وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھی۔ ابتہاج کو اس لمحے بے شمار ستارے اس کی آنکھوں میں چمکتے دکھائی دیئے تھے۔

''استغفراللہ' میں آپ کو ایسا لگتا ہوں......'' وہ مصنوعی تاسف بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ وہ تعجب سے یوں اس کو دیکھ رہا تھا جیسے کوئی بڑی غیر معمولی بات سنی ہو۔

''جی ہاں اس سے بھی زیادہ بڑھ کر لگتے ہیں' جتنا کہ آپ سوچ رہے ہیں......'' وہ بھی متبسم انداز سے بولی تھی۔

''اوہ اس کا مطلب ہے کہ میں بہت خوش قسمت ہوں جو ایک خوبصورت لڑکی کو اتنا ''اچھا'' لگتا ہوں' واہ میرے مولا' جب بھی دیتا ہے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے......'' اس کے چہرے پر پھیلی حیرانی اور بوکھلاہٹ پر ابتہاج کا انتہائی جاندار اور محظوظ کن قہقہہ گونجا تھا۔

''بہت خوش فہم ہیں آپ......!'' وہ تھوڑا سا سنبھل کر بولی تھی۔

"جناب "غلط فہمی" سے تو "خوش فہمی" پھر بھی بہتر ہوتی ہے۔ کم از کم بندے کو خوش تو رکھتی ہے۔ ہم تو ویسے بھی عوام کی خدمت کے لئے اپنی زندگی متعین کر چکے ہیں۔ عوام ہمیں پسند کرتی ہے، بس اسی خوش فہمی سے زندگی کو جینے کے لئے ایک مضبوط جواز مل جائے گا۔" وہ دلفریبی سے مسکرایا اور اس کے بالکل قریب کھڑا ہو گیا۔

"یہ "عوام" کس کو کہا ہے آپ نے......؟" وہ تپ کر کھڑی ہوئی۔

"جناب کو......!" اس نے گردن کو خم دے کر اس کی طرف اشارہ کیا۔ وریشہ تھوڑا سا بلش ہوئی۔ "منہ دھو کر رکھیں آپ، عوام خاصی عقلمند ہو چکی ہے۔ ایسی "سرکار" کو لفٹ نہیں کرواتی......" وہ اس کی نگاہوں کی شوخی سے گھبرا کر باہر نکلنے کی نیت سے دروازے کی طرف بڑھی۔ وہ لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس کے راستے میں حائل ہو گیا۔

"آپ ٹینشن نہ لیں، میرے ووٹ خاصے پکے ہیں۔ ارسلہ کو میں نے بتا دیا ہے کہ اب وہ میرے احسان کا بدلہ اتارے، جو میں نے اس کی اور اشعر کی شادی کروا کر کیا تھا۔ حالانکہ اس کا ذاتی خیال ہے کہ یہ میری کمینگی ہے، لیکن پہلی دفعہ اسے میری کوئی کمینگی اتنی پسند آئی ہے کہ وہ جاپان سے اگلے ہفتے پاکستان آ رہی ہے......"

"کیا......؟" وریشہ کو بہت خوشگوار قسم کا جھٹکا لگا تھا۔ اس نے گھور کر اسے دیکھا اور اس کے چہرے پر پھیلی مصنوعی قسم کی مسکینیت کو دیکھ کر اسے ہنسی آ گئی۔ موسم ایک دم ہی بدلا تھا۔ سیاہ سرمئی رنگ کے سیاہ بادل بھی شرارت سے مسکرائے تھے۔ ہلکی ہلکی سی کن من سے شہتوت کے پتوں کے جھونکوں سے آنے والی موتیے کی دلفریب مہک نے باہر کا موسم تو مہکایا ہی تھا، لیکن اس کے دل کے موسم کو بھی خاصا معطر کر دیا تھا۔

(تمت بالخیر)